انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی مجلہ

اردو ادب

اشاعت کا 103 واں سال

جناب رشید حسن خاں
(1925-2006)

اُردو اِملا نمبر

ترقیِ اُردو بورڈ کی کتاب

اُردو اِملا

رشید حسن خاں

نیشنل اکاڈمی، ۲/۹ انصاری مارکیٹ، دریا گنج، دہلی ۱۱۰۰۰۶

سہ ماہی

اردو ادب

مدیرِ اعلا

صدیق الرحمان قدوائی

مدیر

اطہر فاروقی

معاون مدیر

صدف فاطمہ

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلّی

© 'اُردو ادب' کے کسی بھی شمارے میں شائع ہونے والے تمام مضامین کا کاپی رائٹ انجمن ترقی اُردو (ہند) کا ہے۔

مجلسِ ادارت: • پروفیسر محمد فیروز دہلوی • ڈاکٹر نریش • پروفیسر اختر الواسع • پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمان
• پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین • پروفیسر سرور الہدیٰ • ڈاکٹر شیو یا ترپاٹھی

شمارہ: 267,68,69، جلد: 68-67 (جولائی 2023 تا مارچ 2024)
قیمت فی شمارہ: 150 روپے، سالانہ 600 روپے
(Annual subscription: Rs 600, Per issue: Rs 150)

غیر ممالک کے انفرادی خریداروں کے لیے یہ رقم 40 امریکن ڈالر فی شمارہ اور سالانہ 150 امریکی ڈالر ہوگی جب کہ اداروں کے لیے زرِتعاون کی رقم 50 ڈالر فی شمارہ اور 200 امریکی ڈالر سالانہ ہوگی۔
(غیر ممالک کے لیے ایک شمارے کی پوسٹیج اور پیکیجنگ پر تقریباً 500 روپے خرچ آتا ہے)

• 'اردو ادب' منگوانے کے لیے رقم ڈرافٹ یا منی آرڈر سے 'انجمن ترقی اردو (ہند)' کے نام ارسال کیجیے۔ یہ رقم بینک ٹرانسفر سے بھی روانہ کی جاسکتی ہے مگر اس کے بعد رقم بھیجنے والے حضرات کو خط یا ای میل کے ذریعے بینک ٹرانسفر اور رقم بھیجنے کے مقصد کی تفصیلات سے اکاؤنٹ آفیسر کو ان کی ای میل آئی ڈی ahmadfaraz1985@gmail.com پر مطلع کرنے کی زحمت کرنا ہوگی۔ اس سلسلے میں فون کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بینک ٹرانسفر کے لیے متعلقہ تفصیلات یہ ہیں:

Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), A/c No 0158201000018
IFSC: CNRB0000158, Canara Bank, D.D.U. Marg, New Delhi - 110002

تخلیقات روانہ کرنے یا ان کی اشاعت سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے
جناب عبدالرشید صاحب سے ان کے سیل فون نمبر 0091-9990972397 اور
ای میل: rasheedblue@gmail.com پر بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے

مدیر : اطہر فاروقی
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، 212، راؤز ایوینیو، نئی دہلی-110002
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
سرکولیشن انچارج : غلام مصطفیٰ (Cell Phone: 0091-9968236208)
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگران، لال کنواں، دہلی-110006

Printed and published by **Abdul Bari** on behalf of the
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212,Rouse Avenue,
New Delhi-110002 and printed at Javed Press,
2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006
Editor: **Dr Ather Farouqui**, E-mail: farouqui@yahoo.com
E-mail:urduadabquarterly@gmail.com, Ph: 0091-11-23237722
Website: www.atuh.org

فہرست

پہلا ورق	اطہر فاروقی	05
اُردو املا	رشید حسن خاں	23
اُردو املا	عبدالستار صدیقی	45
اُردو املا رپورٹ (جنوری 1944)	مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی	59
انجمن کی املا کمیٹی، اس کے ارکان اور اس کے افکار	رؤف پاریکھ	73
سفارشاتِ اُردو املا	انجمن ترقی اردو (ہند)	170
سفارشاتِ اُردو املا	مرتّبین: رؤف پاریکھ، انجم حمید، عظمت زہرا، منظور احمد	183

- مسائلِ املا پر مختلف اکابرین کے مقالات

اُردو املا کی تاریخ	غلام مصطفیٰ خاں	205
صحتِ املا کے اُصول	رفیع الدین ہاشمی	233
نکاتِ احسن	غلام مصطفیٰ خاں	244
اُردو املا اور رسمِ خط	فرمان فتح پوری	253
انگریزی الفاظ کا اُردو املا: صوتیات کی روشنی میں	رؤف پاریکھ	271
اُردو املا کے مسائل	خلیق نقوی	287
اُردو املا کے مسائل کا حل	غلام رسول	298
ضمیمہ		311

+++

گزارش

قلم کار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنی تخلیقات اور مضامین
سہ ماہی 'اردو ادب' کی ای میل آئی ڈی:
urduadabquarterly@gmail.com
پر ارسال کریں اور مضامین کی اشاعت سے متعلق معلومات کے لیے
جناب عبدالرشید سے ان کے موبائل نمبر:0091-9990972397 اور
ای میل: rasheedblue@gmail.com پر رابطہ کریں۔
'اردو ادب' کے سرکولیشن سے متعلق معلومات کے لیے جناب غلام مصطفیٰ
(سرکولیشن انچارج) سے اُن کے موبائل نمبر:0091-9968236208
اور ای میل:gmustafa.atuh@gmail.com
پر رابطہ کریں
مندرجۂ بالا دونوں ہی حضرات سے موبائل پر رابطہ صرف دفتر کے
اوقات میں کریں تاکہ آپ کے حکم کی فوراً تعمیل ہو سکے
(ادارہ)

پہلا ورق

اردو املا کی تشکیلِ جدید اور معیار بندی
اردو معاشرے کی اہم ترین ضرورت

اردو املا کی معیاربندی کا مطلب یہ ہے کہ اردو کے علما الفاظ کی جن شکلوں پر بھی زبان و قواعد نیز دیگر زبانوں کے اردو زبان پر اثرات کو نظر میں رکھتے ہوئے متفق ہوں، ان الفاظ کی ایک فہرست مرتّب کرلی جائے تاکہ سب لوگ اردو الفاظ کو اسی یعنی ایک ہی طریقے سے لکھیں۔ ایک لفظ کی دو شکلیں نہیں ہونی چاہییں جو اردو املا میں عام بات ہے۔ دنیا کی شاید کسی زبان میں بھی ایک لفظ کو بغیر کسی وجہ کے دو طرح سے نہیں لکھا جاتا

اُردو املا کا مسئلہ شروع ہی سے افراط وتفریط کا شکار رہا ہے۔ اس کی اپنی وجہیں ہیں۔ ادارے کے طور پر اردو املا کی معیار بندی کی پہلی کوشش انجمن ترقی اردو (ہند) نے جناب پروفیسر عبدالستار صدیقی (1885-1972) صدرِ شعبۂ اردو، الٰہ آباد یونی ورسٹی کی قیادت میں ایک مشاورتی کمیٹی بنا کر کی تھی جس کی رپورٹ 1944 کے 'اردو ادب' کے شمارہ نمبر 1، جلد

نمبر 24، جنوری تا مارچ میں شائع ہو چکی ہے۔ اسے دوبارہ املا نمبر میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کام کو رشید حسن خاں صاحب (1925-2006)* نے آگے بڑھایا اور اس موضوع پر پہلی اور نہایت مبسوط کتاب 'اردو املا' کے عنوان سے لکھی جو ترقی اردو بورڈ سے مئی 1974 میں شائع ہوئی تھی۔ رشید صاحب کے علم کا جتنا دبدبہ تھا، اسی تناسب سے ان کی مخالفت بھی تھی۔ ابتداءً ان کا تقرر دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں ریسرچ اوفیسر کے طور پر خواجہ احمد فاروقی صاحب (1917-1996)☆ نے کیا تھا۔ فاروقی صاحب کا خیال یہ تھا کہ کام رشید صاحب کریں گے مگر وہ شائع پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کے نام سے ہوگا۔ رشید صاحب نے کچھ روز تو ایسا کیا مگر پھر بغاوت کر دی۔ بغاوت ان کے خون، مزاج اور تربیت سب میں تھی۔ وہ نہایت دبنگ شخصیت کے مالک تھے جب کہ فاروقی صاحب آدمی کو مینا بنا کر رکھتے اور دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے تمام استاد اُن کے گھریلو ملازم کی طرح تھے۔ رشید حسن خاں صاحب شاہ جہاں پور (روہیل کھنڈ) کے رہنے والے پٹھان تھے۔ مقامی اسلامیہ انٹر کالج میں اردو اور فارسی کے استاد کے طور پر کام کرنے سے پہلے وہ اورڈیننس کلودنگ فیکٹری میں ٹریڈ یونین لیڈر رہ چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رشید صاحب نے اپنی کالج کی نوکری — جہاں سے وہ چھٹی لے کر دہلی یونی ورسٹی آئے تھے — پر واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا، مگر شرارت یہ کی کہ فاروقی صاحب کے نام سے انھوں نے 'عمدۂ منتخبہ' کی تدوین کا جو کام انجام دیا تھا اُس میں متعدد اغلاط کو دانستہ راہ دے دی۔ گرچہ اس واقعے کے تحریری شواہد موجود نہیں ہیں لیکن ادبی حلقوں میں اس واقعے کا تذکرہ اب بھی ہوتا ہے۔ یہ کتاب فاروقی صاحب کے لیے نہایت رسوائی کا سبب بنی۔ رشید صاحب یا تو شاہ جہاں پور گئے نہیں یا پھر جا کر وہاں سے دوبارہ واپس دلّی یونی ورسٹی لوٹ آئے۔ یہ کام ڈاکٹر ذاکر حسین (1897-1969) کے ایما پر ہوا جو اُس وقت یا تو نائب صدرِ جمہوریہ تھے یا پھر صدرِ جمہوریہ بن چکے تھے۔ خواجہ احمد فاروقی ذاکر صاحب کی حکم عدولی کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے مگر انھوں نے یہ کیا کہ رشید صاحب کا باقاعدہ تقرر — اگر میرا حافظہ خطا نہیں

* یہ ان کی صحیح تاریخِ پیدائش ہے مگر سرٹیفکٹ میں 10 جنوری 1930 درج ہے۔ اس بات کی وضاحت خاں صاحب مرحوم نے خود اپنے قلم سے کی ہے۔

☆ تاریخِ پیدائش کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض مقامات پر 1910 تو کہیں 1916-17 درج ہے لیکن راجح قول 1917 ہے، اس لیے، یہاں پر اسی کو تاریخِ پیدائش مانا جا رہا ہے — (اطہر فاروقی)

کر رہا ہے تو— پبلی کیشن اسسٹنٹ کے طور پر تنخواہ کے سب سے نچلے گریڈ میں کیا جس کی وجہ سے ریٹائرمنٹ کے وقت [1989] ان کی پنشن صرف پانچ ہزار روپے مہینہ تھی۔ جب رشید صاحب ریٹائر ہوئے، اُس زمانے میں ان کی عمر کے چپراسی کو بھی تقریباً پچاس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔

بہ ہر حال رشید صاحب نے نہایت دقتِ نظر کے ساتھ اپنی کتاب 'اردو املا' اس طرح تحریر کی کہ انھوں نے طویل ترین استفسارات عبدالستار صدیقی (صاحب) کو بھیجے جس کا انھوں نے تفصیل کے ساتھ جواب بھی دیا۔ گویا رشید صاحب نے جو لکھا، اس کو صدیقی صاحب کی تائید حاصل تھی۔ بدقسمتی سے صدیقی صاحب کے خطوط ابھی تک شائع نہیں ہو سکے ہیں۔ وہ محفوظ ہیں بھی یا نہیں، ابھی تک اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔

رشید حسن خاں صاحب کی کتاب [اُردو املا] اشاعت کے لیے ترقی اردو بورڈ میں جمع کی گئی۔ وہاں سے اس کا مسودہ قدر شناسی کے لیے گوپی چند نارنگ (2022-1927) کو بھیجا گیا تھا۔ موصوف نے کتاب پر اپنی رائے بھیجنے سے پہلے اردو املا کے موضوع پر ایک چھوٹی سی کتاب ('املا نامہ' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1974) اس بالکل نئے علمی میدان میں اپنی سبقت حاصل کرنے کے لیے شائع کر دی، مگر اس کا دھیلا نہ اٹھا۔ رشید صاحب کی کتاب ('اُردو املا' 1974) ظاہر ہے کہ نارنگ کی کتاب کے بعد شائع ہوئی مگر اس کا شہرہ چہار دانگِ عالم میں ہوا، اور آج بھی ہندستان میں اس موضوع پر سب سے مبسوط کام تصور کیا جاتا ہے۔

نارنگ کی اس علمی بد دیانتی کے باب میں رشید حسن خاں صاحب کے اس ایک خط کا اقتباس دیکھیے جو انھوں نے 25 اپریل 1975 کو مشفق خواجہ (2005-1935) کو لکھا تھا:

> 'کم علمی، خوشامد، جوڑ توڑ؛ اِن کی حکومت تو تھی ہی، اب ہمارے ادیب و محقق چوری کو شعار بل کہ پیشہ بنا رہے ہیں... آپ نے خونِ جگر کھا کر کام کیا اور ایک صاحب نے اس کو مسخ کر کے، کسی اور نام سے اپنے نامۂ اعمال میں داخل کر لیا۔ اب آپ چیختے رہیے۔ مالک رام صاحب [93-1906] کا احوال آپ آج کل پڑھ ہی رہے ہوں گے کہ اُن کے اکثر کارنامے چوری کا مال ہیں۔ اب اُن کا تازہ شاہ کار یہ ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم [1961-1870] کی رُوح کو صدمہ پہنچایا ہے،

اِس طرح کہ اُن کی کتاب مرحوم دہلی کالج کو، قدیم دِلّی کالج کے نام سے چھاپ لیا ہے۔ دعوا یہ کیا ہے کہ اُس پر اضافے کیے ہیں مگر حال یہ ہے کہ کل متن ۴۷ [47] صفحے میں آگیا ہے، یہ اضافہ ہے۔ کتابیات وغیرہ کو بڑھا کر ۸۰ [80] صفحے ہو گئے، چلیے، ایک نئی کتاب کے مولف ہو گئے۔ اِس بے حیائی اور دِیدہ دلیری کا کچھ ٹھکانا ہے؟ مہیش پرشاد مرحوم [وفات: 1951] کی زندگی بھر کی کمائی خطوطِ غالب کو اِس شخص نے اپنے نام سے چھاپ لیا۔ آج کل اِس پر لے دے ہو رہی ہے۔ اور لکھے پڑھے ہونے کا یہ عالم ہے کہ بھائی غالب کے شعر کو صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ دیوانِ غالب کو مرتّب کیا تھا، جو طومارِ اغلاط ہے۔ ۷۰، ۸۰ [70,80] مصرعے تو صرف ساقط الوزن ہیں۔ میں نے اِس پر تحریک کے غالب نمبر میں نہایت مفصل تبصرہ کیا تھا۔ شاید آپ کی نظر سے گزرا نہیں۔

یہ حال تھا گرو کا، اب چیلے کا احوال سنیے۔ میری کتاب اُردو املا کا مسودہ [ترقی اُردو] بورڈ نے گوپی چند نارنگ صاحب کے پاس بھیجا تھا رائے کے لیے، حضرت نے اُسی زمانے میں اُس کا خلاصہ تیار کرلیا اور پھر اُس کو رپورٹ کے عنوان سے املا نامہ نام رکھ کر پیش کر دیا اور اَب یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ وہ اُن کی عمر بھر کی کمائی اور ریاضت کا نتیجہ ہے، جب کہ روزانہ میرے پاس نیازمندی کے ساتھ آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ اِس شخص نے جس طرح دوستی کے منہ پر کالک لگائی ہے اور علمی سچائی کو تباہ کیا ہے، اُس پر اب میں کیا کہوں۔ تو صاحب! یہ تو حال ہے اِن فریب کاروں کا، اور آپ کہتے ہیں کہ کلیاتِ ناسخ کو مرتّب کرو۔ نا صاحب! میں باز آیا۔'

(سلسلۂ مکاتبت، رشید حسن خاں و مشفق خواجہ کی دوطرفہ مراسلت، مرتبہ ڈاکٹر محمود احمد کاوش، فضلی سنز، کراچی، اکتوبر 2021، ص 81-180)

اردو املا کی معیار بندی کیوں ہو، اور اس کا کیا مطلب ہے، یہ بنیادی سوال ہے۔

اردو املا کی معیار بندی کا مطلب یہ ہے کہ اردو کے علما الفاظ کی جن شکلوں پر بھی زبان و

قواعد نیز دیگر زبانوں کے اردو زبان پر اثرات کو نظر میں رکھتے ہوئے متفق ہوں، ان الفاظ کی ایک فہرست مرتب کر لی جائے جس میں سب لوگ اردو الفاظ کو اسی یعنی ایک ہی طریقے سے لکھیں۔ ایک لفظ کی دو شکلیں نہیں ہونی چاہییں جو اردو میں عام بات ہے۔ دنیا کی شاید کسی زبان میں بھی ایک لفظ کو دو طرح سے بغیر کسی وجہ کے نہیں لکھا جاتا۔

اُردو کے علما مع ان کا برین کے جن کی تمام تر تعلیم و تربیت دینی مدارس میں ہوئی، وہ اس امر پر متفق تھے کہ اردو ایک مستقل بالذات زبان ہے، اور اردو میں جو لفظ جن معنی میں رائج ہیں یا عربی فارسی کا جو تلفظ اردو میں علاقائی اثر یا کسی دیگر وجہ سے رائج ہو گیا ہے، وہی صحیح و درست ہے۔ صحیح و درست کی ترکیب مولانا نیاز فتح پوری (1884-1966) کو مرغوب تھی، اس لیے، بات پر زور دینے کے لیے نوکِ قلم پر آ گئی۔ اردو کے سوادِ اعظم میں اس استصواب کے باوجود کہ اردو میں کھپ چکے عربی فارسی الفاظ کا اردو کی حد تک اصل زبانوں سے کچھ لینا دینا نہیں، اب اگر کوئی شخص اردو میں تلفظ عربی یا فارسی طرز پر کرتا ہے، تو اسے مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ اس رجحان نے گذشتہ چار دہائیوں میں اس وجہ سے خوب فروغ پایا کہ اردو الفاظ کے عربی تلفظ کو اردو میں رائج کرنے کی ہر ممکن کوشش دینی مدارس کے ان فارغین کی طرف سے ہو رہی ہے جو اردو کے خلقیے سے تو قطعی واقف نہیں، اور نہ ہی وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں مگر روزی روٹی کے چکر میں وہ اردو کی نام نہاد علمی دنیا یعنی یونی ورسٹیوں کے اردو شعبوں میں پہلے براہِ راست ایم اے کے طالبِ علم کے طور پر داخلہ لیتے ہیں، اور پھر اردو ادب کے استاد کے طور پر ان کا تقرر ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ جس زمانے کے دینی مدارس کے فارغین مگر اردو کے علما — رشید حسن خاں (1925-2006)، مولوی امتیاز علی خاں عرشی (1904-81)، علامہ شبلی نعمانی (1857-1914)، سیّد سلیمان ندوی (1884-1953)، مولانا ابوالکلام آزاد (1888-1958) وغیرہ — نے اس خیال پر اتفاق کیا کہ اردو ایک مستقل بالذات زبان ہے، یا ان کے بعد آنے والے علما نے اس پر صاد کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندستان کے دینی مدارس میں اسلام کی تعلیم کسی سیاسی ایجنڈے کے تحت نہیں دی جاتی تھی۔ فارسی شیعہ نہیں ہوئی تھی۔ وہابیت بس ایک دبستانِ فکر تھا۔ کسی بھی انتہا پسند دبستانِ فکر کے موید ین ہمیشہ ہی بہت قلیل تعداد میں یا پھر بہت قلیل مدت تک رہے ہیں، اور ہر دبستانِ فکر کو اُس وقت تک زندہ رہنے کا حق ہے جب تک وہ فسطائی طریقے پر غلبہ اختیار کرنے کے نظریے کے تحت کام

کرنا شروع کر کے سب کو اپنا ہم نوا بنانے کے راستے پر نہ چل پڑے۔ کسی وجہ سے شدت پسند اگر کبھی اقتدار پر، خواہ وہ سیاسی اقتدار ہو یا پھر انتظامی، قابض بھی ہو گئے تو یہ مدت بہت تھوڑی رہی۔ ترقی پسند ادبی تحریک کی انتہا پسندی اگر نسبتاً دیر تک غالب رہ پائی تو اس کی وجہ ہندستانی معاشرے میں رجعت پسندی کی ہزاروں سال پرانی جڑیں ہیں۔ ترکی میں بھی مصطفیٰ کمال پاشا کی نام نہاد ترقی پسند مگر انتہا پسند سیادت اسی لیے دیر تک قائم رہی کہ وہ نام نہاد خلافت کے سیکڑوں برس پرانے استحصال زدہ اور پوری طرح سڑ گل چکے مذہبی نظام کے خلاف وجود میں آئی تھی۔ یہ خلافت دیگر باتوں کے علاوہ اسلام کے زوال کا سبب بھی بنی تھی۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی اس انتہا پسندی نے مگر ترکی زبان و ادب کو اس کے رسمِ خط سے رومن میں تبدیل کر کے سخت نقصان پہنچایا۔ اس تبدیلیِ رسمِ خط کی وجہ سے ترکی میں نئی نسلیں اپنے ماضی کے تہذیبی ورثے اور تاریخ سے اس لیے بالکل ہی نابلد ہو گئیں کہ وہ پرانے رسمِ خط میں لکھی ہوئی کتابیں پڑھ ہی نہیں سکتیں۔

سعودی عرب کے موجودہ حکمراں شہزادہ سلمان — جنھیں باقاعدہ حکمراں معلن تو نہیں کیا گیا ہے مگر اب سعودی حکومت میں ان کی مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا — نے متعدد بار اس بات کو دُہرایا ہے کہ سرد جنگ کے زمانے میں سعودی عرب نے سیاسی وہابیت کو امریکی پالیسی کے تحت فروغ دیا تھا، اور ایسا کرنا سعودی عرب کی سیاسی مجبوری تھی، مذہبی ترجیح قطعی نہیں تھی۔ اسی سیاسی وہابیت کو ہندستان کے مدارس میں حکمِ خدا کی طرح قبول کیا گیا اور اب جب سعودی عرب زندگی کے ہر شعبے میں مع اسلامی تعلیمات ایک بالکل مختلف اور ترقی پسند راہ پر گامزن ہے، ہمارے علما سرد جنگ کی سعودی عرب کی سیاسی وہابیت کو برِ صغیرِ ہند و پاک دونوں ہی جگہوں پر کلمہ موحدت کے علاوہ کچھ اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو اس سیاسی وہابیت کا جو نقصان ہوا، وہ اپنی جگہ مگر دینی مدارس کے متشدّد فارغین کو اردو ادب پڑھے بغیر یونی ورسٹیوں کے اردو شعبوں میں براہِ راست ایم۔اے میں داخلے دینے کی پالیسی کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ یہ فارغین اب اردو کو عربی بنانے پر مصر اور اردو میں عربی تلفظ ہی نہیں بلکہ عربی الفاظ کو عربی میں رائج مفاہیم کے ساتھ ہی استعمال کرنے اور اردو املا کو عربی کے طریقے پر لکھنے کی ضد کرتے ہیں۔

اردو املا کے سلسلے میں ایک اور نہایت خطرناک رجحان اردو کے الفاظ کو اعراب سے آزاد کرنے کی کوشش ہے۔ سب سے منظم طریقے سے یہ کوشش ہندستان سے اردو شاعری کے

باب میں شروع کی گئی۔ اس کے بعد اس انتہا پسند دبستانِ فکر کے لوگوں نے نثر میں بھی اعراب لگانے بند کردیے۔

یہ صحیح ہے کہ قدیم متون پر اعراب نہیں ہیں۔ اضافت کا اہتمام بھی نہ کے برابر ہے مگر اس کا تعلق کتابت کے قدیم نظام سے تھا۔ دنیا کی تمام زبانوں میں لکھنے کے طریقوں میں ترقی اور طباعت کے جدید آلات کی برکت سے علم اللسان نے بہت روشنی حاصل کی ہے، اور علم اللسان میں ہونے والی تحقیق نے طباعت کے نظام کو — جو براہِ راست زبان وادب کی ترویج سے جڑا ہوا ہے — وسیع تر جولان گاہیں عطا کی ہیں۔

پھر اردو املا ہی کیوں صرف لکیر کا فقیر بنا رہے؟ 'دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو' کی ایسی صدا اردو املا سے ہی کیوں لگوائی جائے جس کی معنویت اگر کچھ ہے بھی تو وہ علم کے ایک مخصوص اور ایسے طبقے تک محدود ہے جو ادب پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اعراب کے بغیر اردو کی ترویج نہ صرف یہ کہ غلط بنیادوں پر ہوگی بلکہ وہ محدود تر بھی ہوتی جائے گی۔ بغیر اضافت کے یا فکِ اضافت کے زمرے میں آنے والے الفاظ کو اضافت کے ساتھ بولنے والا تو احمق بھی لگتا ہے اور اکثر بڑے بڑے لکھنے والے اردو بولتے وقت اس باب میں فاش اغلاط کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اِس میں مگر ان لوگوں کا اُس صورت میں کیا قصور جب اُنھوں نے کتابوں میں ہی اردو الفاظ کو بغیر اضافت کے دیکھا اور ذہن نے انھیں اسی طرح نقش کیا ہے۔ اعراب ہٹانے کی دلیل کے مویدین جن کا جواز یہ ہے کہ اعراب الفاظ کے معانی کو محدود کردیتے ہیں، وہ ترجمہ کرتے وقت اس موقف کو نظر انداز کردیتے ہیں اور ان کے قلم سے ہونے والے اردو شاعری کے انگریزی تراجم میں ایک لفظ کے ایک ہی معنی متعین کیے جاتے ہیں! اعراب خصوصاً اضافات ہٹانے کی یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اردو پڑھنے والا اتنا لائق ہوتا ہے کہ وہ بغیر اعراب کے بھی لفظوں کی صحیح قرأت کرتا ہے۔ یہ نہایت احمقانہ دلیل ہے۔ عربی اور فارسی کی قواعد سے مکمل واقفیت کے بغیر اعراب سے معرا الفاظ کی صحیح قرأت ممکن ہی نہیں ہے۔ میں اس موضوع پر یہاں طویل بحث نہیں کرنا چاہتا مگر میں نے اس تحریک کے پُرجوش مجاہدوں کو بھی بعض الفاظ کا تلفظ سرِ محفل اس لیے غلط کرتے سنا ہے کہ وہ فکِ اضافت کے اصول سے واقف نہیں ہوتے، اور عام اردو والے کے لیے قواعد کے ایسے پیچیدہ رموز سے واقف ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ جب ہندستان کے اردو معاشرے پر عربی اور فارسی کا دبدبہ عام

تھا تب بھی عام اردو والا قواعد کے ایسے پیچیدہ رموز سے ناواقف تھا۔

اضافت لکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جب فکِ اضافت ہو تو کسرۂ اضافت یا ہمزۂ اضافت نہیں لکھا جاتا اور ناواقف قاری کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں اضافت نہیں پڑھنی۔ اضافت کا رواج اٹھا دینے سے دونوں شکلوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اردو میں کئی تراکیب رائج ہیں جن میں فکِ اضافت ہے، مثلاً بالغ نظر، صاحب نظر، صاحب جنوں، اہل کار، قائم مقام، پس نوشت، شب برات (اگرچہ شبِ براٗت بھی رائج ہے)۔ اور اردو والے ایسی فکِ اضافت والی فارسی تراکیب بھی لے لیتے ہیں یا ان میں اضافہ کر کے مزید تراکیب خود بھی گھڑ لیتے ہیں جیسے بالغ نظر سے بالغ نظری۔ اردو میں بعض تراکیب اضافت کے ساتھ اور بلا اضافت یعنی دونوں طرح درست مانی جاتی ہیں، جیسے نقل مکان اور نقلِ مکان، طالب علم اور طالبِ علم، نقل مکانی اور نقلِ مکانی۔

اردو میں رائج بعض تراکیب ایسی ہیں کہ ان میں اردو ر ہندی ر پراکرت الفاظ آتے ہیں (کہیں عربی فارسی کا بھی ایک لفظ آ جاتا ہے) مگر وہ درحقیقت فکِ اضافت کی مثال ہیں اور ان میں اردو کا حرفِ اضافت ('کا' یا 'کی') کثرتِ استعمال کے سبب اُڑ گیا ہے، جیسے چاند رات، آم رس، گنگا جل، ڈاک گاڑی، گیدڑ بھبکی، سفر خرچ، گھر داماد (فارسی میں دامادِ خانہ جو مقلوب ہو کر خانہ داماد بن گیا اور گھر داماد اسی کا ترجمہ ہے)، جیب گھڑی، ہرگ چھالا (ہرن کی کھال)۔ ان مرکبات میں بہ ظاہر دو الفاظ کے بیچ میں 'کا' یا 'کی' ہونا چاہیے لیکن نہیں ہے (جیسے ڈاک کی گاڑی)۔ یہ اردو میں فکِ اضافت کی مثالیں ہیں اور اس میں الجھن نہیں ہوتی لیکن فارسی کے طرز پر فکِ اضافت کو کیا کیجیے گا؟

پھر اردو میں بعض مرکبات جو بہ ظاہر مرکبِ توصیفی ہوتے ہیں ان میں پہلا جز صفت نہیں ہوتا بلکہ اسم ہی ہوتا ہے اور اسے صفت فرض کر کے مرکبِ توصیفی بنا لیتے ہیں لیکن کسرہ یا ہمزہ ان میں نہیں آتا، مثلاً: مسلمان صورت، فرعون مزاج، فرشتہ صفت، کافر ماجرا۔ اضافت کا رواج ختم ہو گیا تو یہاں بھی الجھن رہے گی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اردو میں اضافتِ مقلوب کا بھی رواج ہے۔ فارسی مرکبات میں جب ترکیب الٹی ہے تو اضافت کا کسرہ یا ہمزہ نکل جاتا ہے اور مضاف و مضاف الیہ کی جگہ بدل جاتی ہے۔ اردو والوں نے نہ صرف فارسی کی قلبِ اضافت کو لے لیا ہے بلکہ اردو میں بعض نئے

مرکبات بنائے ہیں جن میں سے کسرہ رہمزہ نکال دیتے ہیں اور اس کی مثالیں عام ہیں نیز فارسی سے بھی اضافتِ منقلب کو لے لیا ہے، جیسے: انصاف دشمن (دشمنِ انصاف)، خدا دوست (دوستِ خدا)، ایران شہر (شہرِ ایران)، سپاہی بچہ (بچۂ سپاہی)، کتب خانہ (خانۂ کتب)، عالم پناہ (پناہِ عالم) مطلب آشنا (آشنائے مطلب)، شادی مرگ یعنی خوشی کی موت یا مرگِ شادی (جس کو اکثر لوگ غلط طور پر شادیِ مرگ پڑھتے ہیں)، شہر آشوب (یعنی آشوبِ شہر اور اس کو اردو کے بعض پروفیسر بھی کلاس روم میں شہرِ آشوب پڑھ کر / بول کر یونی ورسٹی کی سطح پر اردو کے طالبِ علموں کی اردو خراب کرنے کا کام کرتے ہیں)۔ اور یہ سب اکثر اضافت نہ لکھنے کی عادت کا شاخسانہ ہے۔

اب بتائیے کہ اگر اس پیچیدہ قواعدی خاکے میں ایک نیا مسئلہ اضافت نہ لکھنے کا کھڑا کر دیا جائے اور نتیجے میں مرکباتِ اضافی یا مرکباتِ توصیفی میں کسرہ یا ہمزہ نہ لکھنے کا رواج بھی پڑ جائے تو مرکبِ اضافی اور اضافتِ مقلوب دونوں یکساں ہو جائیں گے اور اسی طرح فکِّ اضافت میں اور جن مرکبات میں اضافت کی ضرورت ہے ان میں بھی کوئی امتیاز نہیں رہے گا اور پھر ایسا انتشار پھیلے گا کہ طالبِ علم اور بہ طورِ خاص (یہ بغیر اضافت کے یعنی بہ طور خاص بھی رائج ہے) نئے اردو سیکھنے والے (ملکی یا غیر ملکی) اردو سیکھنے سے توبہ کر لیں گے۔ اہلِ علم تو اضافت کے علاوہ تشدید بھی بالالتزام لکھنے کی تاکید کرتے تھے، کجا یہ کہ اضافت ہی اُڑا دی جائے جو اردو کو غیر مقبول بنانے کی سازش کے علاوہ کچھ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں جب اردو املا پر تبدیلی کے لیے بہت دباو خصوصاً ناگری لپی کی طرف سے اس دلیل کے ساتھ ہے کہ یہ نہایت ہی غیر سائنٹفک اسکرپٹ ہے، اردو والے اردو املا کے باب میں رجعت پسندانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتے۔ اردو والوں نے ناگری کی اس دلیل کو بجا طور پر مسترد کرتے ہوئے اس پر استصواب کیا کہ اپنے رسمِ خط کی حفاظت وہ خود کریں گے، مگر اس کے لیے رسمِ خط کے باب میں ان کا رویہ ترقی پسند اور سائنٹفک بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے جس کے لیے اردو املا کی معیار بندی لازمی امر ہے۔

دل چسپ سوال مگر یہ ہے کہ اگر اردو میں اعراب لفظوں کے معانی کو محدود کرتے ہیں اور لفظ میں پنہاں معنی کی وسیع الجہات تہوں کو قاری کو اپنی فہم کے مطابق تلاش کرنا چاہیے تو پھر ناگری میں الفاظ کے نیچے نقطے لگانے کا مشورہ جدید ہندی والوں کو کیوں دیا جاتا ہے؟ ناگری

حروفِ تہجی میں نیچے نقطے لگانا ایک نہایت انقلابی بات ہے جسے جدید ہندی والوں نے بہ آسانی قبول کرلیا۔ ناگری کے حروف کے نیچے اصلاً نقطے لگانے کا کوئی نظام نہیں ہے اور نہ ش اور ق جیسی آوازیں ناگری رسمِ خط میں موجود ہیں۔ وہاں خ، ق اور ش کی آواز کھ، ک اور س جیسی ہیں، البتہ علاقائی یا ماحول کے اثر سے ہندی والے بھی ق، ش اور خ کا تلفظ اردو والوں کی طرح ہی کرتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) نے رشید حسن خاں کے ان مسودوں کے متون — جن میں حد درجہ عرق ریزی کے ساتھ اعراب لگائے گئے ہیں — کی اشاعت نہایت اہتمام کے ساتھ کی تھی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اب بھی ان کتابوں کے طلبہ اڈیشن نہایت سستے قالب میں صحیح اردو کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

بغیر اعراب کے اردو شاعری کے قارئین کی تعداد محدود تر ہوتی جائے گی، یہ بات ہمیں اس لیے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہندستان کی حد تک اردو سے ناواقف نئی نسل اردو شاعری کی وجہ سے ہی اردو زبان اور اس کے ادب میں دل چسپی تو لے رہی ہے مگر وہ اسے ناگری رسمِ خط میں پڑھنے کو ترجیح دیتی ہے۔

اردو املا میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز معاملہ انگریزی الفاظ کا ہے جس کا اثر اردو والوں کے عام تلفظ پر بھی پڑا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیوں ہوا کہ اردو والوں نے بہ شمول دیگر حماقتوں کے O (او) کی آواز کو بلا تخصیص الف سے بدل دیا، اور کہیں کہیں تو الف کے ساتھ مد کا استعمال بھی عام ہوا جس میں سامنے کی اور سب سے کریہہ مثال اوکسفرڈ (Oxford) کی ہے جسے ہمارے بزرگوں نے جانے کیوں آکسفورڈ لکھنا شروع کیا، اور پھر اردو میں انگریزی سے ناواقف لوگوں نے بول چال کی زبان میں اسی آکسفورڈ تلفظ کو راہ دی۔ اس لفظ کے صحیح املا بلکہ یوں کہیے کہ تصحیح کا کام شان الحق حقی مرحوم (1917-2005) نے اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس کراچی سے شائع ہونے والی اپنی تاریخ ساز انگریزی - اُردو لغت کے سرورق سے ہی شروع کیا۔ یہ پہلی انگریزی بہ اردو لغت ہے جس میں انگریزی لفظوں کا صحیح تلفظ آئی پی اے (IPA) کے یعنی بین الاقوامی صوتیاتی حروفِ تہجی کے ذریعے بتایا گیا ہے اور صحیح معنی بھی فصیح زبان اور اُردو کے محاورے میں دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اوکسفرڈ کی اردو بہ انگریزی لغت، مدیرِ اعلا رؤف پاریکھ، پہلی ایسی لغت ہے جس میں اردو الفاظ کا تلفظ آئی پی اے (IPA) میں دیا

گیا ہے۔ حقی صاحب دلّی والے تھے۔ پرانے آدمی تھے۔ فارسی سے واقف اور بزرگوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے نیز سینٹ اسٹیفنس (کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس لفظ کا تلفظ بائبل کے مطابق اسیٹونس ہے) کالج کے تعلیم یافتہ۔ وہ زندگی بھر کسی نہ کسی عنوان لغت نویسی سے وابستہ رہے اور انگریزی بہ اُردو لغت شاید ان کا آخری ایسا کارنامہ ہے جو شائع ہو چکا ہے اور ہندستان میں بھی دستیاب ہے۔ میری درخواست پر اس شمارے کے لیے پروفیسر رؤف پاریکھ صاحب (پ:1958) نے خصوصی مضمون انگریزی لفظوں کے اردو املا اور تلفظ پر بھی لکھا ہے۔

مولوی عبدالحق (1961-1870) کی انگریزی - اردو لغت کی بھی بہت شہرت ہے اور ان کے نام سے موسوم کم سے کم دو اور لغات جو اردو - انگریزی کی ہیں اور ایک ہندی - اردو لغت بھی ہندستان کے بازار میں دستیاب ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دو میں سے ایک اردو- انگریزی لغت کسی اور عبدالحق صاحب کی ترتیب دی ہوئی تالیف ہے۔ یہ کمال بھی اردو میں ہی ہوسکتا ہے کہ ایک بڑی لغت موجود ہو اور اس کے مولف کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہ ہو۔

لغت نویسی ایک نہایت مخصوص علم ہے۔ عبدالحق صاحب کو نہ تو انگریزی لغت نویسی میں کوئی درک تھا اور نہ ہی ان میں انگریزی لغت لکھنے کی صلاحیت تھی اس لیے کہ ان کی انگریزی کی اس علمی استعداد کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے جو ایک لغت نویس کے لیے ضروری ہے۔ یہ بات مگر اردو کی علمی دنیا میں معلوم ہے کہ عبدالحق صاحب کے نام سے شائع ہونے والی انگریزی اردو لغت جن مختلف لوگوں نے ترتیب دی، ان میں اختر حسین رائے پوری (92-1912)، سیّد عابد حسین (1978-1896) اور سیّد غلام السیدین (71-1904) کے نام قابلِ ذکر ہیں مگر اس لغت میں عبدالحق صاحب نے ان حضرات کا ضمناً بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

انگریزی میں عام طور پر او (o) کا تلفظ اے (a) یعنی الف نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انگریزی کے اہلِ زبان او (o) کا تلفظ جس طرح ادا کرتے ہیں، وہ اس سے مختلف ہوتا ہے جس طرح برِ صغیر میں یہ تلفظ ادا کیا جاتا ہے مگر یہ تلفظ اس طرح بھی قطعی نہیں ہے جس طرح ہم اے (a) کا تلفظ اردو میں ادا کرتے ہیں۔ ہندستان میں بھی تلفظ پر علاقائی اثرات کا غالب رہنا فطری بات ہے۔ اے (a) کا تلفظ مشرقی یوپی کے کچھ اضلاع میں آواز کو اوپر کھینچنے کے معاملے میں اس سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے جو مغربی یوپی، دلّی اور دوسرے علاقوں میں رائج ہے۔

اب جب کہ پرانے ویڈیوز بہ آسانی دستیاب ہیں، پورب میں الف کے تلفظ کے لیے ہندستان کے سابق وزیرِ اعظم چندر شیکھر (1927-2007، دورِ وزارتِ عظمیٰ 10 نومبر 1990 سے 21 جون 1991) کی انگریزی تقریروں کو سنا جاسکتا ہے جو بلیا کے رہنے والے تھے اور بالالتزام او (o) کے تمام الفاظ کا تلفظ الف سے اور اتنا اوپر کھینچ کر کرتے تھے کہ وہ 'آ' سے بھی آگے بڑھ جاتا تھا۔ ہم جس طرح او (o) کا تلفظ اردو میں کرتے ہیں، انگریزی میں او (o) کا تلفظ اس سے یقیناً مختلف ہے مگر اس تلفظ کو بالخصوص الف سے بدل دینا تو نری حماقت تھی، اور ہے۔ انگریزی میں او (o) کی آواز کے استثنا بھی خوب ہیں، اس لیے، کوئی ایک ہی تلفظ اس حرف کا نہیں ہوسکتا، مگر ہم پوری رعونت کے ساتھ کاپی، کافی وغیرہ بولتے اور لکھتے ہیں۔ انگریزی کا عام لفظ ہے worm، جو چھوٹے کیڑوں جیسے کتاب میں لگ جانے والے یا بچوں کے پیٹ میں پائے جانے والے کیڑوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا تلفظ 'ورم' ہے نہ کہ 'وارم' یا 'وورم'۔ اس دل چسپ بات کی طرف تو اسکول کے ابتدائی درجات میں انگریزی پڑھنے والے بچّے کا ذہن بھی جائے گا کہ یہاں او (o) کی موجودگی کے باوجود تلفظ میں او (o) نہیں ہے۔ لفظ warm گرم [جوشی] میں اے (a) ہے مگر اس کا عام تلفظ او (o) کے قریب 'وورم' ہے۔

استثنا کی عام مثال comparative ہے۔ اس کا تلفظ کمپیریٹو [کم پے رے ٹو] ہے نہ کہ کومپیریٹو۔ shower کا تلفظ شاور ہے نہ کہ شوور۔ فہرست سازی مقصود نہیں مگر کسی دوسری زبان کے بارے میں سو برس یا اس سے بھی پہلے کیا ہوا وہ فیصلہ اب بدلنے کی ضرورت ہے جب انگریزی ہماری زندگی میں، وجہ جو بھی ہو، مگر فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکی ہے، اور ہم میں سے ہر شخص اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتا ہے۔

اردو میں ہر حرف شناس خود کو علامہ سمجھتا ہے اور اقبال کے مشہور مصرعے:

کبھی اے حقیقتِ منتَظَر نظر آ لباسِ مجاز میں

کے بارے میں یہ بات اکثر لوگوں کو معلوم ہے کہ یہاں 'منتَظَر' اسم فاعل نہیں بلکہ مفعول کے صیغے کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس لیے، جہاں کسی طالبِ علم نے 'منتظِر' بولا، چائے کی دکان پر زندگی گزارنے اور صبح سے شام تک ایک ہی اردو اخبار کی خبروں کا دن بھر الگ الگ ڈھنگ سے تبصرہ کرنے والا بھی نہایت رعونت کے ساتھ اسے سرِ محفل ٹوک کر بتائے گا کہ یہ لفظ منتظِر

نہیں بلکہ منتظر ہے مگر اسے نہیں معلوم کہ اب انگریزی کا رواج بہت عام ہے، اور اردو والوں کے کافی اور کاپی کہنے پر اسکول جانے والے گھر کے بچے بھی اپنے بزرگوں پر دل ہی دل میں ہنستے ہیں۔ اُردو والوں میں انگریزی کے لیے جو مرعوبیت ہے وہ ذہنی غلامی سے بہت آگے کی چیز ہے مگر ان کی انگریزی کی استعداد بھی عام طور پر بہت معمولی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اردو املا اور تلفظ انگریزی کے باب میں چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گیا ہے۔

اردو املا پر، اردو قواعد پر اور خود اردو زبان کے گیسو سنوارنے پر کوئی کام آزادی کے بعد ہندستان میں اداروں کی سطح پر نہیں ہوا۔ اس سے پہلے کم سے کم تین صدیوں تک اردو زبان کی نوک پلک سنوارنے اور اسے ایک مستقل بالذات زبان بنانے کا کام اردو معاشرے میں جنون کی شکل اختیار کیے رہا۔ اُس وقت اداروں کا تصور زبانوں کے دبستانوں کی شکل میں تھا اور زبان کی اصلاح کا کام ان دبستانوں کے نظریے کے مطابق ہی ہوا۔

مولانا فضلِ حق خیرآبادی نے جب غالب کا دیوان مرتب کیا تو اس میں سے یہ لازوال شعر:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

اس لیے نکال دیا تھا کہ 'پا پایا' میں پ کی تکرار الفاظ کے صوتی آہنگ کی تہذیب کو مجروح کر رہی تھی۔

1947 کے بعد ہندستان میں ایک نئے ملک کی تعمیر کا جو لائحۂ عمل مرتب کیا گیا اس میں ماضی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے انگریزی کو آئینِ ہند میں ہندی کے مساوی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا لیکن ہندی کے لیے 'قومی زبان' (یعنی National Language) کا لفظ ہرگز استعمال نہیں کیا ہے۔ ہندی والوں کا اس بات پر اصرار کہ ہندی بھارت کی 'راشٹریہ بھاشا' ہے، یہ ایک نرا جھوٹ ہے۔ اردو کو آٹھویں جدول میں ریاستی زبانوں کے زمرے میں رکھا گیا مگر اردو کے رشتوں اور لسانی مسائل کے باب میں بہت کم کام اس لیے ہوا کہ انگریزی سے واقف تقریباً ننانوے فی صد اردو داشراف پاکستان چلا گیا تھا۔

اردو میں جو اصول 1947 سے پہلے طے ہو چکے تھے وہی قائم رہے اور اردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ کو شامل کرنے کے لیے بلکہ یوں کہیے کہ اردو کے طرز پر انھیں خراد کرنے کے

جو ضابطے بن گئے تھے، وہ بھی قائم رہے۔ اردو میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی لفظ اتنا طاقت ور ہے کہ وہ زبان و قواعد کے تمام ضابطوں کو دھتا بتا کر عوام سے ہوتے ہوئے خواص کی زبانوں پر بھی چڑھ جائے تو پھر خواہ وہ اردو کے کسی بھی قاعدے پر پورا نہ اترتا ہو مگر اسے اردو کا لفظ تسلیم کر لیا جائے گا۔ لفظِ مشکور نے اسمِ مفعول کی قواعد کو کنارے کر کے اپنی اسم فاعل کی حیثیت کو اتنا مضبوط کر لیا کہ اب اسی کا استعمال نہ صرف غالب ہے بلکہ اساتذہ نے بہت پہلے اسے اسمِ فاعل کے طور پر تسلیم بھی کر لیا تھا۔

اردو میں انگریزی لفظوں کے جمع بنانے کا قاعدہ ہندی کے طرز پر اساتذہ نے تسلیم کیا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ انگریزی کے کچھ الفاظ کی واحد سے جمع نہ بنائی جائے بلکہ ان کی اصل شکل کو ہی لکھا جائے جیسے :اسکول، مثلاً گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد اسکول کھل گئے۔ یہ عموماً ان انگریزی الفاظ کے ساتھ ہوا جو اردو میں مذکر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور ان کا معاملہ وہی رہا جو اردو کے ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے جن کے آخر میں تذکیر یا تانیث کی کوئی علامت نہیں ہوتی مگر وہ مذکر کے طور پر برتے جاتے ہیں۔ مثال کے طور اسم 'پان' یا 'پتھر' اگر قائم حالت میں جمع کے طور پر آئے گا تب بھی پان یا پتھر ہی رہے گا، مثلاً وہ ایک پان لایا اور وہ چار پان لایا، اس نے ایک پتھر اٹھایا اور اس نے بارہ پتھر اٹھائے، میں اسم 'پان' اور 'پتھر' واحد صورت میں تو قائم حالت میں ہے لیکن جمع کی صورت میں بھی اس کے ساتھ جمع کی کوئی علامت نہیں آئی۔ ہاں البتہ اگر یہ اسم محرّف حالت میں جمع ہوتے تو 'پتھروں' اور 'پانوں' کی شکل میں تغیر یا صرفی تبدیلی سے دوچار ہوتے۔ لیکن اردو میں اسمِ مونث اگر قائم حالت میں بھی جمع کی صورت میں آئے گا تو واحد میں تانیث کی علامت نہ ہونے کے باوجود اس کی جمع کے ساتھ تبدیلی کرنی پڑے گی اور جمع و تانیث کا اظہار ہوگا، مثلاً وہ ایک میز لایا، وہ چار میزیں لایا، یا اس نے ایک کتاب اٹھائی، اس نے دو کتابیں اٹھائیں (محرف حالت میں جمع بنائی جائے تو اسم بہ ہر حال منصرف ہوتا ہی ہے چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث، مثلاً دریاوں، پہاڑوں، کتابوں، میزوں)۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ جب اس لفظ کو جدید ہندی کے طرز پر اسکولیں لکھتے ہیں تو یہ مذکر سے مونث ہو جاتا ہے مگر جب محرّف حالت میں محلِ استعمال 'اسکولوں' کا ہوتا ہے تو یہ مذکر رہتا ہے۔

انگریزی الفاظ کی عمومی طرز پر 'س' یا 'ز' کے ساتھ جمع بنانے کا قاعدہ اس لیے بھی اساتذہ کی توجہ حاصل نہ کر سکا کہ اردو زبان کی تشکیل کے ابتدائی دور سے انیسویں صدی کے آخر میں ایم

اے او کالج کے قیام تک اردو مسلم اشراف کی زندگی میں انگریزی کی طرح دخیل نہ تھی، اور ہندی یعنی اردو کے بغیر نئی اردو بے معنی ٹھہرتی، اس لیے اردو نے جمع بنانے کے قاعدے کو اپنے پرانے انداز یعنی ہندی کے طریقے پر ہی قائم رکھا۔ 'ہندی' کے لیے 'اردو' کا استعمال بہت قدیم نہیں ہے۔

آج جب کم سے کم ہندستان کی حد تک معاشرے میں انگریزی کی اجارہ داری مسلم ہے اور پاکستان میں بھی جہاں معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے انگریزی ذریعۂ تعلیم کا اتنا رواج تو نہیں جتنا ہندستان میں ہے، مگر وہاں بھی انگریزی ذریعۂ تعلیم کا جنون دیدنی ہے۔ ہندستان کی طرح وہاں بھی اگر کسی ایسے اچھے انگریزی میڈیم اسکول میں بچے کو داخلہ مل سکتا ہے جہاں اردو کی تعلیم نہ کے برابر ہو تو والدین کی ترجیح وہی اسکول ہوگا نہ کہ اردو میڈیم اسکول۔ پاکستان میں اردو کی سیاسی اور نظریاتی حیثیت اور عملی زبان کی حیثیت میں بہت فرق ہے۔ ایسے میں وہاں بھی اب انگریزی لفظوں کی جمع کی شکل 'ز' کے ساتھ رائج ہوتی جارہی ہے۔ ظاہر ہے کہ انگریزی کا اثر بڑھنے کے ساتھ 'ز' اور 'س' دونوں انگریزی حروف ان انگریزی الفاظ کے آخر میں بہ طورِ علامتِ جمع آئیں گے جہاں انگریزی لفظ اپنی اصل شکل میں استعمال ہوں گے جیسے اوفیسرس یا ڈائرکٹرز۔ پاکستان میں اس مسئلے پر علمی بحثیں ہوئیں تو مگر وہ ہوا کا رخ موڑنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ رؤف پاریکھ صاحب (پ: 1958) نے اس کی بہت سنجیدہ کوشش علمی پیمانے پر کی کہ انگریزی الفاظ کی جمع ہندی کے طرز پر ہی بنائی جائے، مثلاً ڈوکٹروں اور بسوں بجائے ڈوکٹرز اور بسز، مگر اس ضمن میں ان کی نہ صرف عام طور پر پذیرائی نہ ہوئی بلکہ اب وہاں بھی انگریزی الفاظ جمع کی شکل میں اسی طرح رائج ہوتے جارہے ہیں جیسے وہ انگریزی میں لکھے جاتے ہیں، خاص طور پر پاکستان میں اردو کے بعض اخبارات اور عوامی ذرائعِ ابلاغ نیز سماجی ذرائعِ ترسیل (سوشل میڈیا) کا استعمال کرنے والے افراد انگریزی الفاظ کی اردو جمع میں بھی 'وں' یا 'یں' کے بہ جائے 'ز' یا 'س' لکھ رہے ہیں، جیسے کولجز بہ جائے کولجوں، یونیورسٹیز بہ جائے یونیورسٹیوں اور بلڈنگز بہ جائے بلڈنگیں، وغیرہ۔ اب بولتے تو سب ڈوکٹرس اور کولجز ہی ہیں۔

ہندستان میں تو ظاہر ہے کہ اس پر کوئی بات ہی نہیں ہوتی اور یہاں انگریزی کے الفاظ جمع کی شکل میں انگریزی طرز ہی پر لکھے جاتے ہیں۔ ہندستان میں اب اس طریقے کو اصولی

طور پر تسلیم کرنے میں تکلف نہیں ہونا چاہیے کہ جملے کی فصاحت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انگریزی لفظ کی جمع کو آخری حرف 'ز' یا 'س' کے ساتھ اصولی طور پر بھی تسلیم کرلیا جائے۔ اس طریقے کا استعمال تو جانے کب سے ہو رہا ہے۔

صحیح اردو املا کیا ہے، اس پر اگر استصواب بھی ہو جائے تب بھی یہ ایک نفسیاتی موضوع ان معنی میں ہے کہ تعلیم کے ابتدائی دنوں میں کسی بھی الفاظ کی جو شکلیں کسی بچے کے ذہن پر نقش ہوتی ہیں، وہ مدت العمر قائم رہتی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اردو کی ابتدائی کتابیں صحیح املا میں لکھی ہونی چاہییں۔ یہ ایک بڑا اور مشکل کام ہے جو کب ہوگا، اور ہوگا بھی یا نہیں، یہ کم سے کم مجھے معلوم نہیں ہے۔ اردو کے اداروں کو مگر اس سلسلے میں اپنی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

انجمن کے ذریعے پیش کردہ سفارشات ان ہی اصول و نظریات پر مبنی ہیں جنھیں ہمارے علما نے بحث و تمحیص کے بعد صحیح شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر چند کہ زبان تغیر پذیر ہے اور بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں اب بھی اختلاف کی گنجائش ہے مگر ضروری یہ ہے کہ ہم اردو املا کا ایک نظام مرتب کرنے کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اور جدید دور کے ساتھ بدلتی ہوئی ترجیحات کے زیر اثر زبان کی تیزی سے بدلتی ہوئی شکل کو محفوظ کرنے کی کوشش بھی۔ اعراب کے استعمال پر زور دینے کی سخت ضرورت ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے اگرچہ اسے املا میں شامل نہیں کیا ہے لیکن جب عبارت میں ابہام یا مغالطے کی صورت پیدا ہو جائے تو اعراب لگانے کی کیا صورت ہونی چاہیے، یہ اہم سوال ہے۔ مثلاً اگر کہیں میں اور مَیں، تو اور تُو ایک ساتھ لکھے جائیں یا دیر اور دَیر آئیں، اس سلسلے میں ان دونوں شکلوں کی یکجائی کو اعراب سے مشخص کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، مثلاً:

نہ کچھ بن سکے تُو تو نقاد بن جا
کسی اردو شعبے میں استاد بن جا

پہلے مصرعے میں اعراب کے بغیر 'تُو' اور 'تو' کو پہلی دفعہ میں کوئی عالم ہی صحیح پڑھ سکتا ہے۔

یائے معروف اور واو معروف پر اعراب کی ضرورت ہے یا نہیں، اور واو مجہول اور واو معروف، یائے مجہول اور یائے معروف کے فرق کو کس طرح واضح کیا جائے، اس کے لیے بھی اعراب کا التزام ناگزیر ہے۔ نون غنہ جو کہ الف کے بعد آتا ہے، اسے الٹا جزم لگا کر بیان

کرنے کے طریقے کو رشید حسن خاں صاحب نے اختیار کیا ہے جو مستحسن صورت تو ہے ہی لیکن گاؤں، پاؤں کی صورت بھی اتنی رائج ہو چکی ہے کہ اس کے درست املا (گانو اور پانو)، جس سے درست تلفظ بھی ظاہر ہوتا ہے اور جو صوتیات کے لحاظ سے بھی درست ہے، کو عام قاری کے لیے قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ ہائے ملفوظی لکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ یعنی بہہ کہہ سہہ کو محض کہ، بہ، سہ لکھا جائے؟ یہ ایسی اختلافی صورتیں ہیں جن کے بارے میں قواعد وضوابط منضبط تو ہو چکے ہیں لیکن نیرنگیِ کمپوزنگ زبان سیکھنے والوں کے لیے مشکلات کا سبب بنتی ہے۔ ان جیسے مسائل کے علاوہ اور بھی ان گنت امور ہیں جن میں نئے اصول وقواعد متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ہائے مختفی کی بحث میں ہم اب تک بعض الفاظ کے املا کے لیے ایک قاعدہ متعین نہیں کر سکے ہیں کہ ان کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' میں سے کیا مروج کیا جائے۔ یہ تعین اس ضمن میں بہت اہم ہے کہ آج الفاظ کی جو شکلیں ہمارے لیے مانوس ہیں، اور جن کا املا اب مروج ہے اگر ان کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ زبان میں اس طرز کے نئے الفاظ داخل کرنے کے لیے کیا اصول ہوں گے اور کس طرح ہم اردو میں ہندی کے الفاظ میں الف اور 'ہ' میں یا انگریزی کے الفاظ میں 'ہ' یا الف میں تمیز کر سکیں گے، مثلاً یہ کہ تانگہ درست ہے یا تانگا؟ اگر یوں کہا جائے کہ زبان میں نئے الفاظ کی شمولیت بالخصوص انگریزی زبان کے الفاظ کے لیے ہم نے کوئی قاعدہ ہی متعین نہیں کیا تو غلط نہیں ہوگا۔

ماہرینِ زبان رشید حسن خاں اور عبدالستار صدیقی صاحبان نے املا کے ضمن میں جو کوششیں ماضی میں کی ہیں، انجمن ترقی اردو (ہند) ان میں سے اکثر پر کاربند ہے اور ان کی تجاویز کو انجمن اپنی مطبوعات میں شامل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ اصلاحِ املا کے ضمن میں انجمن کی کوشش برسوں سے جاری ہے لہٰذا اہلِ علم سے درخواست ہے کہ کچھ معاملوں میں تتبعِ املا کے بعد بقیہ مسائل پر غور وخوض کریں۔

انجمن املا میں کسی بے بنیاد انقلابی تبدیلی کی خواہاں نہیں ہے۔ ہم ممکن حد تک سائنٹفک اصولوں کے تحت زبان کی صحیح قرأت، تلفظ کی صحیح ادائیگی اور نئے الفاظ کی شمولیت کے لیے جو سفارشات پیش کر رہے ہیں وہ رشید حسن خاں اور عبدالستار صدیقی صاحبان کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ ادارۂ فروغِ قومی زبان (اسلام آباد) میں ایک سمینار کے ذریعے 2022 میں پیش کی گئیں سفارشات بھی اس املا نمبر میں شامل ہیں جنھیں پروفیسر رؤف پاریکھ صاحب

نے ازراہِ کرم انجمن ترقی اردو (ہند) کے لیے از سرِ نو ترتیب دیا ہے۔ فی الوقت کسی لفظ کی اصلاح، طریقۂ کتابت کے لیے شان الحق حقی کی اوکسفرڈ اردو انگلش ڈکشنری سے بھی رجوع کیا جاسکتا ہے جو ایک مستند لغت ہے۔

ہم نے اس نمبر کو مباحث اور سفارشات کے خانے میں تقسیم کیا ہے۔ اولاً انجمن نے وہ سفارشات پیش کی ہیں جن میں اصلاح کی سخت ضرورت تھی اور دوسرے حصے میں وہ مقالے ہیں جن میں اہلِ قلم نے اس اہم موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ لہٰذا تفصیلی مباحث کے لیے ان مضامین سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اس نمبر کی اشاعت پروفیسر رؤف پاریکھ کی عنایت کے بغیر ممکن نہ تھی، اس لیے، یہ شمارہ ان ہی کے نام معنون کیا جاتا ہے۔

اطہر فاروقی

اُردو املا

’ہر زبان کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے املا کے قاعدے منضبط ہوں اور اُن قاعدوں کی بنیاد، صحیح اُصول پر ہو۔ اگر قاعدے معیّن نہ ہوں تو زبان کی یک رنگی اور یک سانی کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوگا؛ اور اُردو اس وقت اسی قسم کے خطرے میں ہے۔ عربی، فارسی، انگریزی؛ غرض ہر شایستہ زبان میں جو قاعدے مقرّر ہیں، ہر لکھنے والا اُن کی پوری پوری پابندی کرتا ہے؛ مگر اُردو والے اپنے تئیں ہر قید سے آزاد سمجھتے ہیں۔ املا کی خرابی یا بے ضابطگی کی صورتیں جب کسی متمدن قوم کو پیش آئیں، تو اُس کے زبان دانوں نے فوراً اُس خرابی یا بے ضابطگی کی اصلاح کی۔ ترقی کرنے والی قومیں اِس زمانے میں بھی اپنی زبان کے لفظوں کی لکھاوٹ میں ضروری ترمیم اور مناسب اصلاح کرتی رہتی ہیں۔ عام طور پر اصلاح کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ ایک لکھنے والا، اپنی رائے کو دخل دے کر، ایک غلط راہ اختیار کرتا ہے؛ اور دوسرے، بغیر تحقیق کیے ہوئے، اُس کی غلطی کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ جہاں کسی غلطی کی تکرار ہوئی، وہ کتابوں اور اخباروں میں راہ پا گئی؛ عوام کے لیے یہ ایک بڑی سند ہوگئی کہ فلاں لفظ ایک کتاب میں یا کسی اخبار میں یوں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اُن لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جو صحت اور اُصول پر نظر رکھتے ہوں۔ بڑا گروہ، مقلدوں یا عادت

کے بندوں کا ہوتا ہے، اور تدارک یا اصلاح کی ذمّے داری اہلِ تحقیق پر عائد ہوتی ہے۔ پس ایسی خرابیوں کا انسداد یوں ہی ہو سکتا ہے کہ علمی انجمنیں اپنے فرض کا احساس کر کے، نہ صرف قاعدے بنائیں، بل کہ ہر ممکن ذریعے سے اُنھیں عمل میں لانے کی کوشش کریں۔'

[ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم]

اُردو میں قواعدِ زبان کے جن اہم مسائل کی طرف کم توجہ کی گئی ہے، اُن میں املا کے مسائل کو فہرست میں سب سے اوپر رکھا جا سکتا ہے۔ جس طرح یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم جس لفظ کو بول رہے ہیں، اُس کا مفہوم کیا ہے؛ اُسی طرح یہ بات بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہم جس لفظ کو لکھنا چاہتے ہیں، اُس کی صحیح صورت کیا ہے، بلکہ صورت کے علم کی اہمیت زیادہ ہے اور اِس کی دو وجہیں ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ مادری زبان کی تعلیم کے شروع ہی میں طالبِ علم کی نظر، یادداشت اور قلم؛ پہلے لفظوں کی صورتوں سے شناسا ہوتے ہیں۔ ضرورت بھی اِسی کی ہوتی ہے، کیوں کہ ابتدائی نصاب میں شامل عام لفظوں کے معنی مطلب تو وہ جانتا ہی ہے؛ اِس منزل پر وہ صرف صورت نویسی کو سیکھتا ہے۔ آگے چل کر جب خاص خاص لفظوں کے معانی و مفاہیم کو ذہن نشیں کرانے کی نوبت آتی ہے تو اُس وقت تک وہ صورت شناسی کے مرحلے سے گزر چکا ہوتا ہے؛ یعنی رسمِ خط کے مطابق لفظوں کے لکھنے کا جو طریقہ ہے، وہ اُسے سیکھ چکا ہوتا ہے، اور روشِ خط، حرفوں کے جوڑ پیوند، نشست؛ اِن سب بنیادی امور کی تکمیل ہو چکی ہوتی ہے۔ اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مادری زبان کی تعلیم کے آغاز ہی میں بنیادی حیثیت الفاظ کے املا کی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ معانی و مفاہیم میں کثرت کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں، معانی کی تعداد سے کہیں زیادہ مفاہیم اُس سے وابستہ ہو سکتے ہیں، اور کسی بھی مرحلے پر اُن میں ٹھہراو والی کیفیت پیدا نہیں ہو پاتی؛ مگر ایک لفظ کی صورت ایک ہی ہوتی ہے۔ یہ شرط نہیں لگائی جا سکتی کہ بولنے والے کو لفظ کے سب معنی معلوم ہونا چاہیے، البتہ لکھنے والے کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ لفظ کی صورت کا صحیح طور پر علم رکھتا ہو۔ جس قدر معانی آج ایک لفظ سے نسبت رکھتے ہیں، بہ خوبی ممکن ہے کہ اُن کی تعداد میں کل اضافہ ہو جائے۔ نئے معانی، پُرانے معانی کو بے دخل بھی کرتے رہتے ہیں؛ یہ سب کچھ ہوتا ہے، مگر لفظوں کا املا

اِس طرح نہیں بدلتا۔ اکثر لفظ تو املائی تغیرات سے محفوظ ہی رہتے ہیں، جن لفظوں میں املائی تغیرات راہ پاتے ہیں، تو اُن کی شکلیں کچھ زیادہ نہیں ہوتیں؛ مگر اِس سلسلے میں دو امور قابلِ لحاظ ہیں: ایک تو یہ کہ ایسے لفظوں کی آخری صورت بہ ہر طور متعین ہو جاتی ہے، یا ہو چکی ہوتی ہے، اور ابتدائی سطح پر طالبِ علم اُسی متعین صورت کی مشق کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسے لفظ جن میں املائی تغیرات واقع ہوئے ہوں؛ آخر میں مستقل حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ عموماً اہم تغیرات، زبان کے ابتدائی ادوار میں صورت پذیر ہوتے ہیں۔ پھر ایک زمانہ ایسا آتا ہے جب ارتقاے زبان کا عمل ایک سطح پر اور ایک خاص انداز پر آجاتا ہے؛ اُس وقت تک املائی تغیرات کی شکلیں الگ الگ متعین ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان میں سے رائج اشکال کو 'مروّج املا' مانا جاتا ہے اور اُس کا علم طالبِ علم کے لیے لازم ہے۔ اب رہے قدیم املائی تغیرات؛ وہ لغت نویس اور تدوین کا کام کرنے والوں کے دائرۂ کار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان امور کی بنا پر، یہ نہایت ضروری بات ہے کہ شروع ہی سے طالبِ علم صحیح املا لکھنا سیکھے۔

رسمِ خط: 'کسی زبان کو لکھنے کی معیاری صورت' کا نام ہے۔ اور 'رسمِ خط کے مطابق، صحت سے لکھنے' کا نام املا ہے۔ بہت سی بحثیں ایسی ہوئیں جو دراصل املا کے مسائل سے تعلق رکھتی تھیں، مگر وہ رسمِ خط کے عنوان سے شروع ہوئیں اور اِس کے برعکس بھی ہوا۔ اِس خلطِ مبحث نے بھی املا کے مسائل کی واقعی اہمیت کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔ کس لفظ کو کن حروف سے مرکب ہونا چاہیے، یا لفظ میں اُن کی ترتیب کیا ہونا چاہیے؛ یہ مسئلہ رسمِ خط کا نہیں ہے۔ یا یہ کہ کون سے حروفِ تہجی ختم کر دیے جائیں، یا کسی خاص آواز کے لیے کسی نئی علامت کا اضافہ کیا جائے، یہ بھی املا کے متعلقات ہیں۔ فرض کر لیجیے کہ آپ نے اُردو کے حروفِ تہجی میں سے آٹھ حرف نکال دیے، یا پانچ نئے حرف، یا چار نئی علامتیں بڑھا دیں؛ مگر اِس سے رسمِ خط کی صورت تو نہیں بدلی! لفظوں کو لکھنے میں یا پڑھنے میں کبھی کوئی مشکل پیش آئی تو یہ کہا گیا کہ اُردو کے رسمِ خط میں اصلاح کی ضرورت ہے، اور اِس بنیادی بات کو فراموش کر دیا گیا کہ اصلاح، املا میں ہو سکتی ہے، رسمِ خط میں نہیں۔ وہ یا تو رہے گا، یا نہیں رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسمِ خط میں تغیر ہو سکتا ہے، اصلاح نہیں ہوتی۔ رسمِ خط میں صورت اور روش کی بنیادی حیثیت ہے؛ جب ان میں کلّیتاً تبدیلی ہو جائے گی، تب یہ کہا جائے گا کہ رسمِ خط بدل گیا۔ اُردو کی عبارت کو، اُس کے معروف رسمِ خط میں لکھنے کے بجائے، رومن اسکرپٹ میں لکھیے، تو کہا

جائے گا کہ اُردو، ایک دوسرے رسمِ خط میں لکھی گئی ہے۔ ترکی میں رومن اندازِ تحریر کو اختیار کرلیا گیا ہے؛ تو اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترکی زبان کا رسمِ خط بدل گیا ہے۔ سندھی زبان، عربی رسمِ خط میں لکھی جاتی رہی ہے؛ اُس کو ناگری لپی میں لکھیے تو کہا جائے گا کہ سندھی کا رسمِ خط بدل گیا۔ اِس کے برخلاف، بعض علامتوں یا شکلوں میں کسی طرح کی اصلاح کیجیے، تو وہ اُس زبان کے املا میں اصلاح مانی جائے گی، نہ کہ رسمِ خط میں۔ اب سے کچھ پہلے ہندی میں بعض ماتراؤں وغیرہ کا نئے انداز سے تعین کیا گیا تھا؛ تو یہ ہندی کے املا میں اصلاح و ترمیم کا عمل جاری ہوا تھا، ہندی کا رسمِ خط نہیں بدلا تھا؛ کسی نے اِس کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔

ایک خلطِ مبحث یہ بھی ہوا کہ اصلاح اور تغیّر کے الفاظ کو، مرادف لفظوں کے طور پر استعمال کیا گیا؛ حالاں کہ ان میں باہم بہت فرق ہے۔ املائی تغیّرات، تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی وہ زبان کے عملِ ارتقا کے مختلف مرحلوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ تغیّر، نافذ نہیں کیا جاتا ہے؛ آہستہ آہستہ خود بہ خود بہ روے کار آیا کرتا ہے۔ میں ایک دو مثالوں سے اپنے مفہوم کو واضح کرنا چاہوں گا:

انیسویں صدی اور اُس سے پہلے کے متعدد مخطوطوں میں لفظ 'ماں' (بہ معنی مادر) نون کے بغیر ملتا ہے۔ یہی صورت لفظ 'دونوں' کی ہے ('ما' اور 'دونو')۔ اُس زمانے میں اور اُس سے پہلے بھی 'نیں' (بہ معنی 'نے') اور 'سیں' (بہ معنی 'سے') مستعمل تھے۔ 'ترپھنا' تو بہت بعد تک مستعمل رہا۔ اب اِن لفظوں کی صورتیں بدل گئی ہیں۔ یہ تغیّر ہے، جو ارتقاے زبان کے عمل کی نشان دہی کر رہا ہے۔

اصلاح، اِس سے مختلف عمل ہے۔ مثلاً انجمن ترقّیِ اُردو نے ایک زمانے میں یہ طے کیا تھا کہ عربی کے وہ لفظ جن کے آخر میں 'ي' لکھی جاتی ہے، مگر پڑھنے میں الف آتا ہے؛ اُن کو اُردو میں الف ہی سے لکھنا چاہیے، جیسے: ادنا، اعلا، منقا وغیرہ (عربی کے مطابق: اعلیٰ، ادنیٰ، منقیٰ)۔ انجمن نے اپنی مطبوعات میں اس پر عمل بھی کیا تھا۔ یہ اصلاح ہے۔ اصلاح نافذ کی جاتی ہے، جب کہ تغیّر رونما ہوا کرتا ہے۔ دونوں کے اسباب بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ تغیّر کا تعلق اصلاً ارتقاے زبان کے مختلف مراحل سے ہوتا ہے، اگرچہ آخری درجے میں اُس کا تعلق املا سے ہوجایا کرتا ہے۔ اصلاح کا تعلق اصلاً املا سے ہوتا ہے۔

اصلاح اور تغیّر میں جس طرح خلطِ مبحث ہوا تھا، اُسی طرح اصلاح اور صحت کے الفاظ

میں بھی تشابہ لگا۔ یہ دونوں لفظ بھی عمل اور مقاصد دونوں کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اصلاح کا مقصد یہ ہوگا کہ کسی کمی کو دور کیا جائے، یا یہ کہ مزید آسانی فراہم کی جائے۔ صحت سے مراد یہ لی جائے گی کہ کسی وجہ سے کوئی غلطی راہ پا گئی ہے، اُس کو دور کر کے، مسلّمہ انداز کو واپس لایا جائے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کچھ لفظ بالکل صحیح ہوں، لیکن مزید آسانی یا یک سانی کی خاطر، اُن میں اصلاح کی جائے۔ جیسے یہی 'اعلا' کا الف سے لکھا جانا، کہ اصل مقصد یہ تھا کہ اُردو میں ایسے سب لفظوں کو، اُردو کے عام اندازِ نگارش کے مطابق، ایک ہی طرح لکھا جائے اور خواہ مخواہ کی ایک غیر ضروری صورت نویسی سے بچا جائے۔ یہ بات نہیں تھی کہ 'اعلیٰ' یا 'ادنیٰ' بہ جائے خود غلط ہوں اور اس طرح اُن کی تصحیح کی گئی ہو۔ غلطی کی صحت ہوگی، اُسے اصلاح نہیں کہا جائے گا۔

صحتِ املا کا دائرہ وسیع ہے۔ جن لفظوں میں کسی طرح کی غلط نگاری راہ پا گئی ہے؛ اُن کو صحت کے دائرے میں واپس لانا، اِس کا خاص مقصد ہے۔ جیسے 'بھروسا' کو 'بھروسہ' لکھنا یا 'معمّا' کو 'معمّہ' لکھنا یا 'بارہ' کو 'بارا' لکھنا۔ یہ کہا جائے گا کہ 'بھروسا' اور 'معمّا' صحیح املا ہے، اور 'معمّہ' اور 'بارا' غلط املا ہے۔ 'اژدحام'، 'اژدہام'، 'ازدہام'؛ یہ سب غلط صورتیں ہیں۔ لفظ کی صحیح صورت ہے: 'اذدحام'۔ 'آذر' (نام)، 'ذکریا'، 'ذخّار'؛ یہ سب لفظ ذال کے بجائے زے سے صحیح ہیں، یعنی: 'آزر'، 'زخار'، 'زکریا'۔ اِن سب لفظوں میں کسی بھی زمانے میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا ہے، محض ناواقفیت نے غلط نویسی کے پھیر میں ڈالا ہے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بعض لفظوں کو بعض خاص لوگوں نے ایک خاص طرح سے صحیح مانا، حالاں کہ اصلاً وہ اُس طرح صحیح نہیں تھے۔ مثلاً مرزا غالب، فارسی میں وجودِ ذال کے قائل نہیں تھے، اور اِس بنا پر وہ 'گزشتن' اور 'پذیرفتن' وغیرہ کو صحیح سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ یہ بھی غلطی تھی، لیکن یہاں اِس غلطی کی نوعیت مختلف ہے۔ (اِس کی مفصّل بحث 'تدوین اور املا' کے ذیل میں آئے گی) لیکن اِس ضمن میں دل چسپ صورت یہ پیدا ہوئی کہ 'گزارش' (بہ معنی عرض داشت) کو ذال سے لکھا جانے لگا، یعنی: گذارش۔ اور 'گذشتہ' کو زے سے لکھنے لگے، یعنی گزشتہ۔ جب کہ اِن کی صحیح صورت 'گزارش' اور 'گذشتہ' ہے۔ اِس امتیاز کو واپس لانا بھی صحتِ املا میں شامل ہے۔

یا جیسے ایک زمانے تک یاے معروف و مجہول میں امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ کاف گاف کے مرکزوں کی بھی تفریق ملحوظ نہیں رہتی تھی۔ ہاے ملفوظ و ہاے مخلوط میں بھی بے امتیازی

روا رکھی جاتی تھی۔ آخرِ لفظ میں ایک فالتو ہائے مختفی کا اضافہ کردیا جاتا تھا، جیسے: 'ہاتھ' کو 'ہاتھہ' لکھنا یا 'کہ' کو 'کہہ' لکھنا۔ شوشوں میں بھی گڑبڑ ہوتی تھی۔ اسی طرح کی اور بہت سی باتیں۔ آج تحریر میں ایسی سب چیزوں کا شمار غلطیوں میں کیا جائے گا، اور صحیح صورت کو لازم قرار دیا جائے گا؛ یہ بھی صحتِ املا ہے۔

ایک صورت اور بھی ہے، اور اُس کا تعلق معیار بندی سے ہے۔ بہت سے لفظ ایسے ہیں جن کی ایک سے زیادہ صورتیں لغات میں ملتی ہیں اور یہ صراحت نہیں ملتی کہ اُن میں سے اب مرجح صورت کون سی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اب تک ایسے سب الفاظ کا اِس لحاظ سے جائزہ لیا ہی نہیں گیا ہے اور اِس ضروری کام کے نہ ہونے سے عدمِ تعین کی نمود ہوئی، جس سے انتشار کو بڑھاوا ملا۔ اس کے علاوہ ایک صورت دبستانی اختلافات کی بھی ہے، جیسے اہلِ دہلی 'مصالح' لکھا کرتے تھے اور لکھنؤ کے لغت نگاروں نے اِس لفظ کا املا 'مسالا' مانا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی صورت کو غلط تو کہا نہیں جا سکتا، مگر دبستانی اختلاف سے قطعِ نظر کر کے یہ فیصلہ کرنا ہی ہوگا کہ اِن دونوں صورتوں میں سے اب کس صورت کو مرجح قرار دیا جائے۔ ایسے الفاظ کے سلسلے میں ترجیح کا تعین ضروری ہے اور اِس کو بھی صحتِ املا کی ایک دوسری صورت قرار دیا جائے گا۔

اس بات سے اتفاق کیا جائے گا کہ جو نقش شروع شروع میں تکرار کے ساتھ بچّے کے سامنے آتے رہتے ہیں، وہ اُس کے ذہن پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اگر ابتدائی درسی کتابوں میں لفظوں کے اجزا کا، اُن کی ترتیب کا اور وصل و فصل کی مختلف صورتوں کا بالکل صحیح صحیح تعین نہیں کیا گیا ہے؛ اِس صورت میں ابتدائی مشقیں، غلط نویسی کی مشقیں بن کر رہ جائیں گی۔

اِس کے بعد ہی وہ دور شروع ہو جاتا ہے جب نقل کرنے اور املا لکھانے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لفظوں کی صورت نویسی کی عادت پڑے اور لفظوں کی صورتیں ذہن میں اپنے نقش کو درست کرتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ کتاب میں جو لفظ جس طرح لکھا ہوگا، طالبِ عالم اُسی طرح لکھنا سیکھے گا۔ یہ ابتدائی مشقیں، لفظوں کی صورتوں کو پتھر کے نقش کی طرح ذہن کے سادہ و صاف ورق پر ثبت کر دیا کرتی ہیں۔ آگے چل کر یہ علم بھی ہو کہ فلاں لفظ کی صحیح صورت یہ ہے، تب بھی اکثر و بیش تر عادت کے طور پر قلم سے وہی اولین صورت بنتی ہے اور ایسا بالکل غیرارادی طور پر ہوتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ طالبِ علم صحیح املا لکھنا سیکھے، تو یہ لازم ہوگا

کہ ساری نصابی کتابوں میں، ایک لفظ کا ایک ہی املا ہو، اور یہ املا وہ ہو جس کو قطعی طور پر صحیح املا کہا جاسکے۔ یہ نہ ہو کہ ایک کتاب میں 'گانو' چھپا ہوا ہو اور دوسری کتاب میں 'گاؤں' لکھا ہوا ہو۔ یا ایک صفحے پر 'لیے' نظر آئے اور دوسرے صفحے پر 'لئے' ہو اور کہیں 'لیئے' بھی لکھا ہوا ہو۔

جس طرح کتاب میں چھپے ہوئے لفظوں کا املا صحیح ہونا چاہیے، اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کتاب کو پڑھانے والا، یعنی نقل اور املا کی مشق کرانے والا استاد بھی اُس صحت سے علمی و ذہنی سطح پر پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ اِس کے بغیر ساری افادیت ہَوا ہو جائے گی۔ یعنی جب استاد کا قلم کاپی، تختی (یا تختۂ سیاہ) پر اصلاح کرتا ہے، یا خود کچھ لکھتا ہے؛ اُس وقت اُس کے قلم سے بھی وہی متعین صورتیں بننا چاہیے، ورنہ افادیت کے بجاے، انتشار کی تبلیغ ہوگی۔ مثلاً جس شخص نے کتاب مرتب کی ہے، اُس نے ایک لفظ کو اُس طرح لکھا جس طرح اُس کے استاد نے اُس کو سکھایا تھا۔ طالبِ علم نے اِسی کے مطابق اُس لفظ کو اپنی کاپی میں لکھا۔ استاد نے جب اصلاح کی، یا خود تختۂ سیاہ پر اُس لفظ کو لکھا، تو املا مختلف ہو گیا اور یہ وہ املا تھا جو اس استاد نے اپنے استاد سے سیکھا تھا۔ محض مثال کے طور پر عرض کروں کہ کسی کتاب میں لفظ 'منہدی' اِس طرح لکھا ہوا تھا کہ پہلے م، پھر ن، پھر ہ، پھر دال اور ی (مِنہدی)۔ طالبِ علم کی آنکھ نے اس لفظ کا یہی املا دیکھا، سبق کی تکرار کے دوران بار بار اُس کی نظر اس نقش کو اسی ترتیب کے ساتھ یادداشت کے صفحے پر لکھتی رہی (صحیح املا بھی یہی ہے)؛ مگر استاد نے جب کاپی پر اصلاح کی، یا خود بلیک بورڈ پر لکھا تو پہلے 'م' بنایا، پھر ہاے ہوز بنائی، پھر نون کو شامل کیا اور اس کے بعد دال اور یاے معروف کو لکھا (مہندی)، اور اِس کی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنے زمانے میں اس لفظ کو اِسی طرح لکھنا سیکھا تھا، اب قلم بے اختیار اُسی ترتیب کی تکرار کرتا ہے۔ وہ بچّہ تو خیر کیا کہتا، اُس کا ذہن الجھے گا، زبان تو کھُلنے سے رہی، مگر اُس کی جگہ کوئی سمجھ دار بالغ طالبِ علم ہوا، یا کوئی غیر ملکی طالبِ علم ہوا جو زبان کی ابتدائی باتیں سیکھ کر، سمجھ کر آیا ہے اور جو اسپیلنگ کی اہمیت سے واقف ہے؛ وہ استاد سے الجھے گا اور مشکل یہ ہوگی کہ استاد بھی کوئی فیصلہ کُن بات نہیں کہہ پائے گا۔ مقصود یہ ہے کہ جب تک صحتِ املا کے قاعدوں کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، اور الفاظ کی معیار بندی نہیں کی جائے گی؛ اُس وقت تک ابتدائی درسی کتابیں صحیح طور پر مکمل نہیں ہوسکتیں اور عدمِ تعین، بے پروائی یا ناواقفیت نے املا میں جس انتشار کو پھیلا رکھا ہے؛ اُس کا خاتمہ نہیں ہوگا۔

لغت استناد کا اہم ترین ذریعہ ہوتا ہے؛ آج اگر کسی لغت کو مرتّب کیا جائے تو سب سے پہلا مسئلہ وہاں بھی یہی ہوگا کہ لفظوں کا املا کیا ہو؛ کیوں کہ حروف کے تعین کی نسبت ہی سے لغت میں لفظوں کی فصلیں قائم کی جاتی ہیں۔ انگریزی کے کسی لفظ میں کچھ شبہ ہو، لغت اٹھا کر دیکھ لیجیے، فوراً قطعیت کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کن حروف سے مرکّب ہے اور اُن حروف کی ترتیب کیا ہے۔ اُردو لغات میں آپ کو یہ کرشمہ بھی نظر آئے گا کہ الفاظ کے معانی تو لازماً صاحبِ لغت کے متعین کیے ہوئے ہوں گے، مگر بہت سے الفاظ کا املا کبھی تو مرتّب کا متعین کیا ہوا ہوگا اور کبھی کاتب کا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض جگہ کاپیوں کی تصحیح کرنے والے بزرگ کی پسندیدگی کا کرشمہ ہو۔ اس کے علاوہ، املا میں عدمِ تعین نے جو پریشان کُن رنگارنگی پیدا کر رکھی ہے، اُس کے اثر سے ایک ہی لفظ دو لغات میں دو طرح بھی مل جائے گا۔ اب پڑھنے والا الجھتا رہے۔ میں دو مثالوں سے اس کی وضاحت کرنا چاہوں گا:

(1) 'نور اللغات' میں لفظ 'منہدی' کے ذیل میں مولف نے صراحت کردی ہے کہ اِس لفظ میں ہاے ہوّز سے پہلے نون لکھنا چاہیے، مگر 'فرہنگِ آصفیہ' میں یہ لفظ 'میم مع نون' کی فصل میں بھی مل جائے گا اور 'میم مع ہاے ہوّز' کی فصل میں بھی۔ اب اگر ایک شخص نے 'نور اللغات' کو دیکھا ہے، وہ تو 'منہدی' کو صحیح سمجھے گا۔ اور دوسرے نے اگر آصفیہ میں 'میم مع نون' کی فصل کو پہلے دیکھا ہے تو وہ بھی 'منہدی' کو درست مانے گا، لیکن اُس نے اگر پہلے 'میم مع ہاے ہوّز' کی فصل دیکھ لی ہے، تو وہ 'مہندی' کو صحیح سمجھے گا۔

(2) لفظ 'پھُوار' کا املا کیا ہوگا؟ 'نور اللغات' میں 'پھوار' لکھ کر، لکھا ہے کہ بیش تر فصحا کی زبانوں پر 'پھوہار' ہے۔ یہ تو خیر دو مستقل لفظ ہوئے۔ 'نفائس اللغات' میں اِس کا املا 'پھآر' ملتا ہے۔ 'نفس اللغۃ' میں 'پھہار' لکھا ہوا ہے۔ اور فرہنگِ آصفیہ' میں اِس کی چار صورتیں نظر آتی ہیں: 'پھآر، پھوآر، پھہار، پھوہار'۔ اور ترک و اختیار یا ترجیح کی کچھ صراحت نہیں کی گئی ہے۔ اب یہی ہوگا کہ جس شخص کو جو لغت پہلے مل جائے گا، وہ اُسی کے مطبوعہ اندراج کے مطابق اس لفظ کو صحیح سمجھے گا۔ سوال یہ ہے کہ ابتدائی نصابی کتابوں میں اس لفظ کا کون سا املا اختیار کیا جائے گا؟ یہ معمولی سوال نہیں۔

اُردو میں اس املائی انتشار کی کئی وجہیں ہیں، اِن میں سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ املا کو ایک منفرد اور مستقل موضوع کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا۔ خلطِ مبحث کے طفیل، املا کے

مسائل، رسمِ خط کی بحثوں میں الجھتے گئے اور توجہ کا رخ دوسری طرف پھر گیا۔ یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے کہ اب تک اس کا مفصّل جائزہ نہیں لیا گیا کہ لفظوں کی صورتیں کس کس طرح بدلتی رہی ہیں اور اب کون سی صورت، مستعمل صورت کا حکم رکھتی ہے۔ انتشار کی حکومت یہاں تک پھیل گئی ہے کہ ہم آج بھی کبھی 'مجھ کو' لکھتے ہیں اور کبھی 'مجکو'۔ کبھی اِس کو علاحدہ علاحدہ (مجھ کو)۔ 'لیے' کو کبھی 'ی' سے لکھتے ہیں، کبھی ہمزہ سے اور کبھی دونوں کو جمع کر دیتے ہیں (لیے، لئے، لیئے)۔ 'پتا' کو کبھی الف سے لکھتے ہیں اور کبھی ہائے مختفی کے ساتھ (پتا، پتہ)۔ 'پانو' میں کبھی واو سے پہلے نونِ غنہ لکھتے ہیں، کبھی واو پر ہمزہ لگا کر، اُس کے آخر میں بھی نونِ غنہ لکھتے ہیں، کبھی 'پانا' کے فعل کی طرح درمیانی نونِ غنہ کے بغیر لکھتے ہیں (پانو، پانوں، پاؤں)۔ 'گزرنا' کو کبھی ذال سے لکھتے ہیں، کبھی زے سے (گذرنا، گزرنا)۔ اضافت کی صورت میں کبھی آخرِ لفظ میں آنے والی 'ی' یا 'ے' پر ہمزہ لگاتے ہیں، جیسے: زندگئ جاوید، یا 'رائے عالی'۔ اور کبھی صرف 'ی' کو مکسور ماننے پر اکتفا کر لیتے ہیں، یعنی: زندگیِ جاوید' اور 'راے عالی'۔ اس طرح کی اور بیسیوں صورتیں ہیں۔ اِس سے اتفاق کیا جائے گا کہ کسی بھی زبان کے لیے یہ کچھ فخر کی بات نہیں کہ معمولی معمولی الفاظ کا املا متعین نہ ہو اور یہ کہ املا کے مفصّل قاعدے منضبط نہ ہوں۔

املا کی تعریف:

'املا دراصل، لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے اور جو طریقہ اِن حرفوں کے لکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، وہ 'رسمِ خط' کہلاتا ہے۔' اس بات کو اختصار کے ساتھ یوں بھی کہا گیا ہے کہ املا 'لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنا' ہے۔ لغت کی کتابوں میں املا کی تعریف عموماً ایک جملے میں کی گئی ہے: 'رسمِ خط کے مطابق صحت سے لکھنا'۔ اس میں لفظِ 'صحت' کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اصولاً یہ تعریفات درست ہیں، مگر اُردو میں املا کے جو مسائل ہیں، اُن کی وسعت اور عدمِ تعین کے پھیلائے ہوئے انتشار کے پیشِ نظر یہ تعریفیں مختصر بلکہ مبہم معلوم ہوتی ہیں۔ حرف جب بھی ملا کر لکھے جائیں گے، تو اُن کی شکلیں بدلتی رہیں گی؛ اس لیے، اُردو املا میں، کسی لفظ میں شامل حروف کی ترتیب، صورت اور اُن کے جوڑوں کی بنیادی اہمیت ہے۔ اُردو میں سالم حرف کم آتے ہیں، زیادہ حرفوں کو توڑ کر اور ملا کر لکھا جاتا ہے؛ ایک حرف سے جب دوسرا حرف ملا کر لکھا جاتا ہے تو مختلف حرفوں کے ساتھ ملنے، اور لفظ کے شروع، درمیان یا آخر میں آنے کے لحاظ سے اُن ٹکڑوں کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لحاظ سے مناسب یہ

ہوگا کہ املا کی اس طرح تعریف کی جائے کہ وہ ان سب پر حاوی ہو۔ یہ تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

'اُردو کے رسمِ خط کے مطابق، لفظ میں حرفوں کی ترتیب کا تعین، ترتیب کے لحاظ سے اُس لفظ میں شامل حروف کی صورت اور حرفوں کے جوڑ کا متعارف طریقہ؛ اِن سب کے مجموعے کا نام املا ہے۔'

لفظ 'منہدی' میں نون کہاں پر آئے؟ لفظ 'گھر' میں دوچشمی 'ھ' (ھ) لکھی جائے گی یا کہنی دار؟ 'جودت' اور 'مجر' میں حرفِ جیم کی صورت کیا ہوگی؟ یہ سب املا کے مسائل ہیں، اور اِس تعریف میں شامل ہیں۔

الفاظ کی صورت نویسی کا تعلق املا سے ہے؛ اِس صورت نویسی میں، مستعمل روشِ خط کو صورت نویسی کی بنیاد مانا جائے گا، اور اُسی روش کے تعینات کے مطابق حرفوں کے جوڑ پیوند کی مختلف شکلوں کی معیار بندی کی جائے گی۔ چوں کہ اُردو میں تحریر کی حد تک مسلمہ طور پر خطِ نستعلیق کی روش برتی جاتی ہے؛ اِس لیے، حرفوں کے جوڑ اور لفظوں کی مجموعی صورت نگاری کے لیے اسی روش کو بنیاد مانا جائے گا۔

لغت میں لفظوں کے اجزا کے ساتھ ساتھ، اُن کی ترتیب کا بھی تعین کیا جاتا ہے؛ چوں کہ املا، لغت کے اِنھی تعینات کی صورت نگاری کا نام ہے؛ اِس لیے، لفظ میں حرفوں کا تعین اور ترتیب بھی خود بہ خود املا کے دائرے میں آجاتی ہے۔ لفظِ صورت نویسی، اِن سب پر حاوی ہے۔

اِس سلسلے کی بحث کو ذرا دیر کے لیے روک کر، ایک ضمنی بات کہنا چاہتا ہوں: جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، خطِ نستعلیق کو بنیاد بنا کر، حرفوں کے جوڑ بند کی حد تک اس روشِ خط کی پیروی کی جائے گی، اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ خطِ نسخ اور خطِ شکستہ کا تعلق عام تحریر سے مطلق نہیں۔ بچّہ شروع میں صرف نستعلیق کی روش سیکھتا ہے اور ایک مدت تک وہ اُسی کو برتتا ہے، قلم کی تحریر میں تو آخر تک صرف یہی روش برقرار رہتی ہے؛ اِس لیے، ابتدائی اور بنیادی اہمیت اِسی خط کی مانی گئی ہے۔ ٹائپ سے سابقہ ذرا بعد میں پڑتا ہے، مگر قلم کا اُس سے کبھی سابقہ نہیں پڑتا، صرف آنکھوں تک اُس کی رسائی رہتی ہے۔ شروع میں جب طالبِ علم کو لکھنا سکھایا جائے گا یعنی وہ صحیح اور حقیقی وقت، جب کہ وہ املا سیکھتا ہے؛ تو اُس وقت صرف نستعلیق کی روش اُس کو سکھائی

جاتی ہے اور یہی صورت آیندہ بھی رہے گی۔
یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ نسخ اور نستعلیق میں، ترتیبِ حروف کا فرق نہیں ہوتا۔ چوں کہ یہ دو مختلف روشیں ہیں، اِس لیے حرفوں کے جوڑ میں اور اُن کی صورت میں کچھ فرق نمایاں رہتا ہے اور یہ ایسا فرق ہے کہ نگاہیں بہت جلد اُس سے متعارف اور مانوس ہو جاتی ہیں، کسی طرح کی اُلجھن پیدا نہیں ہوتی۔ قلم برابر نستعلیق کی روش پر چلتا رہتا ہے اور نظر برابر نسخ کی عبارت کو پڑھتی رہتی ہے۔ ہندستان میں اب تک نسخ کا تعلق مشین سے ہے اور نستعلیق کا تعلق ہاتھ سے ہے، اور بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق اسی طرح برقرار رہے گا۔ نسخ کتنا ہی مقبول ہو جائے، مگر وہ رہے گا مشین کے پاس، اور سیسے کے ڈھلے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں۔ اور ہاتھ اور قلم کے کام نستعلیق ہی آتا رہے گا۔ یہاں پر یہ 'جملۂ معترضہ' ختم ہوا۔
املا کا تعلق اصلاً مفرد لفظوں سے ہے؛ اِس لحاظ سے، مرکّب لفظوں کے متعلق یہ کہنا کہ اُن کو کس طرح لکھا جائے؛ بہ ظاہر زائد بات معلوم ہوتی ہے، لیکن مرکّبات کی کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں جن کی وجہ سے اس 'زائد بات' کو کہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایک زمانے میں دو لفظوں کو، کسی اور طرح لکھا جاتا تھا، آج دوسری طرح لکھا جاتا ہے؛ یہ ایسے لفظ ہیں کہ اُن کو اگر پرانے طریقے کے مطابق اب لکھا جائے تو نظر فوراً تنبیہ کرے گی کہ یہ صورت ٹھیک نہیں۔ جیسے: پہلے 'اُن نے' اور 'اُس سے' کو 'اُنْنے'، 'اُنِنے' اور 'اُسْسے' بھی لکھا جاتا تھا، اسی طرح 'ماننا' اور 'بننا' کو 'مانا' اور 'بنا' بھی لکھتے تھے (وغیرہ)۔ آج اگر کوئی شخص اس طرح لکھ دے تو یہ لفظ محلِ نظر معلوم ہوں گے۔ اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہوا کہ مرکّبات کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں اجزا کی صورت نویسی، صحت و عدمِ صحت سے لازمی تعلق رکھتی ہے۔
اسی طرح دو یا زیادہ لفظوں کو ملا کر لکھنے میں تکلف نہیں کیا جاتا تھا۔ انجمن ترقی اُردو نے اور باتوں کے علاوہ، یہ قاعدہ بھی بنایا تھا کہ امکان کی حد تک لفظوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے۔ صاحبِ نظر لوگوں نے اس قاعدے کو تسلیم کیا اور برتا بھی۔ اب گویا مرکّب لفظوں کا الگ الگ لکھا جانا، صحت سے قریں سمجھا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مرکّبات کے طریقِ تحریر کو بھی املا کی بحث میں شامل سمجھنا چاہیے۔
اس بحث کے بعد، یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ حرکات یا علامات، نفسِ املا میں شامل نہیں۔ اِس کی مفصّل بحث 'اعراب، علامات، رموزِ اوقاف' کے تحت آئے گی۔ اسی طرح

رموزِ اوقاف بھی املا میں شامل نہیں۔ صحتِ عبارت کی غرض سے، یا پڑھنے والوں کی آسانی کی خاطر یہ ضروری ہو سکتے ہیں۔ ہوتے بھی ہیں، خصوصاً نظم میں؛ مگر لفظوں کی صورت نویسی سے اِن کو لازمی تعلق نہیں۔ البتہ صحتِ کلام کے اسباب و وسائل میں اِن کو شمار کیا جائے گا، اور اِس لحاظ سے اِن کی اہمیّت بہت زیادہ ہے۔

تنوین کے اعراب (جن کو اُردو کے لحاظ سے علامات کے ذیل میں رکھا گیا ہے) الفِ ممدودہ کا مد، اور تشدید؛ یہ تینوں اجزا شاملِ املا ہیں۔ 'اعراب و علامات' کے ذیل میں ان سے متعلق تفصیلات ملیں گی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر خطاطی اور رسمِ خط سے متعلق بعض باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔

اُردو میں نسخ، نستعلیق اور شکستہ کا رواج رہا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ خطِ شکستہ عام طور پر پرانے دفتروں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کی تشکیل بھی دفتری ضرورتوں نے کی تھی۔ اب سے پچیس تیس برس پہلے تک مکتبوں میں خطِ شکستہ کی ایک آدھ ابتدائی کتاب بھی شاملِ درس ہوتی تھی۔ مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ اس خط کا لکھنا سکھایا جائے، اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کا پڑھنا آجائے۔ اور خطوں کی طرح، شروع میں اس کا اندازہ بھی متعین کیا گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ خط، دوسرے خطوں کے برخلاف، باضابطگی سے زیادہ قریب نہیں رہ پایا، خاص طور سے تھانوں اور کچہریوں میں کچھ سے کچھ بن گیا۔ اس کی روش اب بھی دیکھنے میں آجاتی ہے۔ عوامی زبان میں اسے 'گھسیٹ' کہنے لگے۔ بہ ہر صورت، اب اس کا چلن محدود بل کہ محدودتر ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ عام طور پر تحریریں اس طرح لکھی جاتی ہیں کہ اُن میں اصل روش تو نستعلیق کی ہوتی ہے، ہاں کبھی کبھی بعض کششیں شکستہ کی سی بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

خوش نویسی نے خطِ نستعلیق کو معراجِ کمال عطا کی۔ لیتھو، آفسٹ یا بلاک کی چھپائی میں اب اسی 'عروس الخطوط' کا چلن ہے۔ ٹائپ کے لیے خطِ نسخ مناسب تھا، اُسی کو اختیار کیا گیا۔ نستعلیق ٹائپ بھی بنا تھا، ایک زمانے میں کتابیں بھی اُس نستعلیق ٹائپ میں چھپی تھیں، لیکن اِس صنعت تضاد کو دیر تک نہیں نبھایا جاسکا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ٹائپ کے لیے نسخ اور لیتھو وغیرہ کے لیے نستعلیق کا رواج ہے۔ بچوں کو مدرسوں، مکتبوں اور اسکولوں میں نستعلیق ہی میں لکھنا سکھایا جاتا ہے۔

خطاطی ایک مستقل فن تھا، جس نے مصوری کے انداز پر فروغ پایا۔ تزئینی خطوط کی مختلف قسموں نے اُس کو نقاشی کی رنگارنگی سے اور قریب کر دیا۔ خطِ طغرا، خطِ گلزار، خطِ غبار وغیرہ اسی کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ نستعلیق ہو یا نسخ اور شکستہ ہو یا طغرا؛ یہ سب خط کی قسمیں ہیں۔ آرایشی خط، رسمِ خط کے ذیل میں آنے کے بجاے، فنِ خطاطی کے دائرے میں آتے ہیں۔ رہے نستعلیق، نسخ اور شکستہ؛ یہ بھی خطاطی ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن اس بنا پر کہ عام تحریر میں ان کا چلن رہا ہے اور ان سے آرایش کا نہیں، تحریر کا کام لیا گیا ہے؛ اس لیے یہ اُردو کے متعارف اندازِ تحریر کی تین قسمیں ہیں، اُس فرق کے ساتھ جو ان سے نسبت رکھتا ہے۔ اِس طرح اِن تین خطوں کو، رسمِ خط سے قریب کا تعلق رہا اور باقی خطوں کو دور کی نسبت رہی، یہاں تک کہ وہ ایک مستقل فن یعنی خطاطی کے ایسے اجزا قرار پائے جو بجاے خود ایک الگ صنف کی حیثیت سے مشخص ہوئے۔ نستعلیق، خطاطی کے کمال کا شاہ کار ہے، لیکن تحریر میں مستقل استعمال ہونے سے اُس کی افادی حیثیت روشن ہوئی اور اب وہ اُردو املا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ نمایندہ موضوع ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہر خط کا اپنا انداز ہے، جس کے ضابطے مقرر ہیں؛ مگر یہ املا نہیں، اندازِ نگارش ہے، جس کا مقصود ہی مختلف ہے۔ کہنا یہ ہے کہ خطاطی کے مباحث کو، رسمِ خط اور املا کے مباحث میں آمیز نہیں کرنا چاہیے۔

املا کی صحت اور اصلاح بہت ضروری ہے، اِس سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔ اِس بات کو بھی تسلیم کیا جائے گا کہ املا کے قواعد منضبط کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اِسی کے ساتھ ساتھ اِس بات کو بھی مان لینا چاہیے کہ املا میں کسی بھی قسم کی انقلابی تبدیلیوں کی گنجایش نہیں، اور اِس کا واضح طور پر اعلان ہونا چاہیے۔

اصلاحِ املا کے سلسلے میں مختلف حضرات نے اپنے مضامین میں بعض انقلابی تجویزیں بھی پیش کی ہیں۔ یہ تجویزیں بہت سنجیدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ ان لوگوں کے خلوص اور دل سوزی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اِن سب کی خواہش یہی تھی کہ اُردو املا کو آسان بنایا جائے۔ ایسے مضامین کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فروعی اصلاحات کے علاوہ، خاص زور دو باتوں پر تھا: ایک تو یہ کہ اُردو میں ایک آواز کے لیے ایک ہی حرف ہونا چاہیے، یعنی ہم آواز حرفوں میں سے ایک حرف کو رکھ لیا جائے اور باقی کو اُردو کے حروفِ تہجی سے خارج کر دیا جائے۔ مثلاً س، ث، ص؛ اِن تین حرفوں میں سے ایک 'س' کو باقی رکھا جائے اور باقی دونوں حرفوں کو مرحوم

فرض کرلیا جائے۔ دوسری اہم تجویز یہ تھی کہ جو حرف پڑھنے میں نہیں آتے، اُن کو لکھا بھی نہ جائے، جیسے: بالکل، کہ اِس کو 'بالکل' یا 'بل کل' لکھا جانا چاہیے، اِسی طرح مثلاً 'خوش' کو 'خش' لکھا جائے۔

یہ دونوں تجویزیں، اصلاح کے بجائے، تبدیلی کا حکم رکھتی ہیں۔ ان تجویزوں کو پیش کرنے والے نہایت درجہ مخلص ہیں، مگر اِس ذیل میں دو واقعی اہم مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا: پہلی بات تو یہ کہ اِن تبدیلیوں کو نافذ کون کرے گا؟ اور قبول کون کرے گا؟ اصلاح اور صحت کی جس طرح گنجایش ہوتی ہے، تبدیلی کی اُس طرح گنجایش نہیں ہوتی۔ یہ دو بالکل مختلف عمل ہیں۔ نفاذ کا سوال، اہم ترین سوال ہے۔ بڑی سے بڑی تبدیلی کی بات کی جا سکتی ہے، مگر یہ دیکھنا بھی لازم ہوگا کہ اُس کو نافذ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نافذ نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس طرح کی تجاویز سے، اِس کے سوا کہ انتشار اور اُلجھن میں اضافہ ہو، اور کچھ حاصل نہیں۔ انقلابی تجاویز سے ذہن بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ نیا پن اچانک ذہن پر چھاپا مارتا ہے۔ دوسروں کو کیوں کہوں اور کیا کہوں، میں خود ایک زمانے میں اِس طرح کی پسندیدگی کے پھیر میں آ چکا ہوں۔ خدا جنت نصیب کرے ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی مرحوم کو، جن کی فہمایش اور تعلیم نے، اُس 'جہادِ کم نظری' کے پیچ وخم سے نجات دلائی۔ زبان کے معاملے میں انقلابی تجاویز عموماً ساتھ نہیں دے پاتیں اور یہ بات کچھ ہندستان ہی سے یا اُردو ہی سے مخصوص نہیں۔ ہاں کہیں کوئی ایسی مطلق العنان حکومت ہو جو زبان کو اس کے سارے متعلقات کے ساتھ 'نیشنلائز' کر ڈالے، اور حکومت کی مشینری اُس انقلاب کو بہ روے کار لے آئے؛ یہ دوسری بات ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ہندستان میں فی الوقت یہ صورت نہیں ہے اور بہ ظاہر یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں بھی یہاں اِس انداز کی 'صاحبی' یا 'نادر شاہی' پیدا ہو سکے؛ تو پھر اِس املائی انقلاب کو کون لائے گا؟ اِس کے سوا، موجودہ حالات کے پیشِ نظر، اُردو والوں کے پاس جو محدود وسائل ہیں، وہ سب اِسی 'نیک کام' کے لیے کیوں وقف کر دیے جائیں، جب کہ معلوم ہے کہ اِس بیل کو منڈھے چڑھنا نہیں۔

دوسری بات یہ کہ دنیا کی کوئی زبان، تحریری سطح پر، اِس حد تک سائنٹفک نہیں کہ اُس میں کوئی خامی ہی نہ ہو۔ یہ قول کسی عامی کا نہیں، زبان کے ماہروں کا ہے۔ انگریزی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس میں اِس طرح کے ستّر عیب نکالے جا سکتے ہیں۔ زبان ہو، رسمِ خط ہو یا املا؛ اِن

کا حال کیلنڈر کا سا نہیں ہوتا کہ آخری تاریخ ختم ہوتے ہی ایک دم ورق اُلٹ دیا اور سب کچھ بدل گیا۔ سیکڑوں سال میں جو نقش مرتسم ہوتے ہیں، اُن کو ایک دن میں نہ مٹایا جا سکتا ہے نہ بدلا جا سکتا ہے۔

یہاں پر ایک یہ مختصر سی بات بھی کہنا چاہوں گا کہ علمی اور سائنسی حقیقتوں کے علاوہ، رواج اور روایت کی بنائی ہوئی حقیقتیں بھی ہوا کرتی ہیں؛ بہت سے مواقع اور مقامات ایسے ہیں جہاں سائنسی صداقت اور علمی حقیقت پسندی کو، روایت کی تراشیدہ اور پروردہ حقیقتوں کا احترام کرنا پڑتا ہے اور اِس مجبوری کا بھی ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

اِس طرح کی انقلابی تجاویز پیش کرنے والوں میں سے بعض لوگ اِس خیال یا دوسروں کے اعتراض سے بھی متاثر تھے کہ اُردو کے املا میں ساری خرابیاں ہم آواز حرفوں اور زائد حرفوں کی پیدا کی ہوئی ہیں؛ یہ نکل جائیں تو اُردو کو سب لوگ پڑھنے لگیں گے۔ مگر یہ محض ایک مفروضہ تھا۔ اِس کے سوا کہ ایسی تجاویز نا قابلِ عمل ہیں؛ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ آپ جب کسی زبان کو سیکھنا چاہیں گے تو تفہیمِ زبان کے پورے آداب کے ساتھ اُس کو سیکھنے پر مجبور ہیں اور ایسی کوئی زبان نہیں جس میں کچھ نہ کچھ مشکلیں یا اُلجھنیں نہ ہوں۔ یہ مشکلیں زبان کے رگ ریشے میں اِس طرح پیوست ہو چکی ہوتی ہیں کہ اُن کو زبان سے الگ نہیں کیا جا سکتا؛ اس لیے کہ زمانہ دراز کے پیہم عملِ ارتقا کے وسیلے سے، اُن مختلف اجزا کے عناصر زبان میں جذب ہو گئے ہیں۔ کہیں اوپر سے اُن کا جوڑ نہیں لگایا گیا تھا کہ آسانی سے اُن کو اُدھیڑ پھینکا جائے۔

اس طرح کی تجاویز سے فائدہ تو کچھ ہوا نہیں، ہو بھی نہیں سکتا تھا، البتہ نقصان یہ ہوا کہ صحتِ املا اور اصلاحِ املا کے حقیقی مسائل کی طرف سے توجہ ہٹ گئی۔ یہ بڑا نقصان تھا۔ جو توجہ املا کے قواعد مرتب کرنے پر صرف ہوتی، وہ اِس کارِ فضول کی نذر ہو کر رہ گئی۔ اُردو املا میں کس بلا کا انتشار اور غلط نگاری ہے؛ اِس کی طرف توجہ کم سے کم مبذول ہو پائی۔

بہ ہر صورت، ہم کو دو باتیں صاف طور پر مان لینا چاہیے: ایک تو یہ کہ اُردو کے رسمِ خط کو نہیں بدلا جا سکتا، اور دوسری یہ کہ اُس کے املا میں کسی بھی نوع کی انقلابی تجاویز کو بھی شامل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں باتیں نا قابلِ عمل ہیں۔ یہاں علمی صداقت سے بحث نہیں، عملی سچائی کا معاملہ ہے۔ اِسی کے ساتھ، اِس بات کو بھی واضح طور پر ماننا چاہیے کہ اُردو املا میں غلط نگاری نے بہت کچھ راہ پالی ہے، اور عدمِ تعین نے انتشار کو پھیلا رکھا ہے۔ اِس سلسلے میں اس کی

ضرورت ہے کہ ایسے الفاظ کا مفصّل جائزہ لیا جائے اور ضابطوں کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اِسی حیثیت سے اُس کے مفصّل ضابطے مرتّب کیے جائیں۔

صحتِ املا کے اہم مسئلے کی طرف وقتاً فوقتاً مختلف حضرات نے توجہ کی، مگر اکثر یہ ہوا کہ اُس کے ساتھ ایسی تجاویز کو بھی منسلک کر دیا گیا جو قابلِ قبول نہیں ہو سکتی تھیں، اور کبھی املا کی بحث، رسمِ خط کی بحث میں الجھ گئی۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ جستہ جستہ باتیں کہی گئیں، ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے، تفصیل کے ساتھ اُس کے سارے متعلقات کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اِس وجہ سے املا کی ساری خرابیوں کا پورا پورا اندازہ عام طور پر نہیں ہو پایا۔ یہ بات نہیں کہ اس موضوع کی طرف توجہ ہی نہ کی گئی ہو۔ اب سے بہت پہلے یعنی 1905 میں، مولانا احسن مارہروی مرحوم نے صحتِ املا کے قاعدوں کی طرف توجہ کی تھی اور رسالۂ 'فصیح الملک' میں کچھ اہم تجاویز کو پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفا خاں نے اپنی کتاب 'علمی نقوش' میں تفصیل کے ساتھ مولانائے مرحوم کی اِن خدمات کا ذکر کیا ہے، اور اُن تجاویز کو نقل کیا ہے۔ اُن کی عبارت یہ ہے:

['مئی 1905 کے رسالۂ 'فصیح الملک' میں مولانا احسن مارہروی نے املا پر بہت زور دیا... اُنھوں نے خصوصاً اِن باتوں پر زور دیا:

دیکھیے، دیجیے، اِس لیے، وغیرہ میں، 'ے' سے پہلے 'ہمزہ' نہ لکھا جائے۔ ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں 'ہائے مختفی نہ ہو، بل کہ 'الف' ہو جیسے: پتا، بھروسا، سامنا، دھوکا، کلیجا، مہینا، ٹھیکا وغیرہ۔ اِسی طرح حلوا، معما، تمغا، چلیپا، ناشتا وغیرہ میں خواہ مخواہ 'ہ' نہ لکھی جائے۔

جس لفظ کے آخر میں 'ہ' آئے تو فاعلیت، مفعولیت اور اضافت کی حالت میں اُسے 'ے' لکھا جائے، جیسے: 'کسی زمانے میں'۔ اِسی طرح، حالتِ ترکیبی یعنی عطف و اضافت میں بھی عربی فارسی الفاظ اُسی طرح لکھے جائیں جس طرح بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: 'لب و لہجے میں'، 'مقدمے بازی میں' وغیرہ...'

'نون' کے متعلق لکھتے ہیں:

'نون کا تلفظ اُردو میں دو طرح ہے۔ جو نون آخرِ لفظ میں ظاہر کر کے پڑھا جائے، وہ نقطے دار ہوگا، جیسے جان، تان۔ اور جو اِس طرح ظاہر نہ ہو، اُس میں نقطہ نہ ہوگا، جیسے: یہاں، کہاں۔ درمیانِ لفظ میں اگر نون بالاظہار ہو تو اُس پر معمولاً صرف نقطہ ہوگا، جیسے تنکا۔ اور اگر بہ اعلان نہ ہو، تو اُس پر نقطے کے بجائے، یہ نشان (٘) الٹا جزم ہوگا، جیسے: تانبا۔'

اِسی طرح 'ہائے' مخلوط کے متعلق لکھتے ہیں:

'ہمارے نزدیک صرف وہی 'ہ' جو ہجّوں میں اپنے اول و آخر حروف سے ملے، جیسے: بھی، بھان؛ اُس کی کتابت دو چشمی 'ھ' سے ہوگی۔ باقی ہر لفظ میں ایک ایک شوشے سے لکھی جائے گی، جیسے: کہیں، جگہ، ہو وغیرہ۔'

اِسی رسالے میں مولانا لکھتے ہیں کہ:

'جو الفاظ الگ الگ لکھے جانے میں اجنبی نہیں معلوم ہوتے، اور جن کی ترکیب بھی جداگانہ ہے، اکثر جدا جدا لکھے جائیں گے، جیسے آئیں گے، ہوں گے، جس کی، آپس میں، غرض کہ، بل کہ، کیوں کہ، علاحدہ، حال آں کہ، چناں چہ، چوں کہ، کون سی، اس واسطے کہ، دل چسپ، دل کش، ہم سر، کم یاب، دست یاب، خوب صورت وغیرہ۔']

یہ تجاویز ناتمام اور مختصر سہی، مگر نہایت درجہ اہم ہیں اور اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانائے مرحوم کے ذہن میں اِس موضوع کی اہمیت کا احساس موجود تھا؛ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اِس طرف کماحقہٗ توجہ نہیں کر سکے۔ اِس زمانے میں ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی مرحوم واحد شخص تھے جنھوں نے اِس موضوع کا، مستقل موضوع کی حیثیت سے مطالعہ کیا اور بار بار لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ رسالۂ ہندستانی، رسالۂ اُردو، رسالۂ معیار (پٹنہ) میں اُن کے نہایت اہم مضامین محفوظ ہیں۔ اِن مضامین کے علاوہ مختلف کتابوں کے تبصروں اور مقدموں میں بھی وہ اِن مسائل کا بار بار ذکر کرتے رہے۔ اِن میں مقدمۂ کلیاتِ ولی، مقدمۂ خطوطِ غالب (مرتبۂ منشی مہیش پرشاد مرحوم)، تبصرۂ 'مکاتیبِ غالب' (مرتبۂ عرشی صاحب) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِس کے علاوہ، بہت سے خطوں میں اُنھوں نے املا کے مسائل و اغلاط کی طرف لوگوں کو

متوجہ کیا۔ نقطے، شوشے، حرفوں کے جوڑ، حروف کی ترتیب، حروف کا تعین؛ غرض اِن سب باتوں کی طرف وہ زندگی بھر لوگوں کو متوجہ کرتے رہے۔ اُن کی مختلف تحریروں نے واقعتاً بہت سے لوگوں کے ذہن میں اِس موضوع کی اہمیت کا احساس پیدا کیا۔ انجمن ترقّیِ [ترقی] اُردو نے اصلاحِ املا کی تجاویز کو جس انداز سے مرتب کیا تھا (جن کا ذکر آئے گا) اور جس طرح اِس موضوع کو اہمیت دی تھی؛ اُس میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کاوشوں کو بہت زیادہ دخل تھا۔

مجھے سب سے پہلے مرحوم ہی کے مضامین سے املا کے مسائل سے دل چسپی پیدا ہوئی۔ 1960 کے اوائل میں مَیں نے یہ طے کیا کہ اِس موضوع کی طرف باقاعدہ توجہ کرنا چاہیے۔ اِس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے یہ کوشش کی کہ مختلف رسالوں اور کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس کو دیکھا جائے۔ مطالعے کے دوران میں اندازہ ہوا کہ یہ موضوع واقعتاً وسیع ہے اور قاعدوں کے مرتّب نہ ہونے سے انتشار اور غلط نویسی جس قدر پھیل چکی ہے، اُس کا احاطہ کرنا کچھ آسان نہیں۔ میں نے سب سے پہلے انجمن ترقّیِ [ترقی] اُردو (مرحوم) کی اُن تجاویز اصلاحِ املا کو سامنے رکھا، جو 1944 کے رسالۂ 'اُردو' میں شائع ہوئی تھیں۔ یہ دراصل اُس اصلاحِ املا کمیٹی کی رپورٹ ہے، جو 1943 میں مقرر کی گئی تھی۔ اِن تجاویز کو میں نے اپنے کام کی بنیاد بنایا۔ یہ تجاویز مختصر اور نا تمام ہیں۔ اِن میں صرف چند اُمور سے بحث کی گئی ہے اور وہ بھی اختصار کے ساتھ، اِس کے باوجود، اِن تجاویز کی حیثیت بنیادی ہے۔ اِسی کے ساتھ میں نے ڈاکٹر صدّیقی مرحوم کی مختلف تحریروں کو جمع کیا اور اِس طرح ابتدائی کام کا خاکا سا بن گیا۔ اِس سلسلے میں مَیں نے صدیقی صاحب مرحوم کی خدمت میں ایک عریضہ پیش کیا۔ یہ دسمبر 1960 کی بات ہے۔ مجھے اِس سے پہلے نہ تو کبھی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا اور نہ کبھی خط لکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ موصوف نے بزرگانہ شفقت کے ساتھ جواب لکھا اور اِس موضوع کے انتخاب پر جس طرح مبارک باد دی اور جن الفاظ میں مدد کا وعدہ کیا، اُس سے ہمت بندھی اور حوصلہ بڑھا۔

اِس کے بعد میں نے کئی بار بہت سے سوالات لکھ کر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھیجے اور مرحوم نے ضعیفی کے باوجود، نہایت مفصّل جوابات دیے۔ مثلاً ان میں کا ایک خط، مکتوبۂ 7 مارچ 1961، باریک قلم سے لکھے ہوئے، فل اسکیپ سائز کے 6 صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس خط کا آغاز اِس طرح ہوتا ہے: 'آپ کو بہت انتظار کھینچنا پڑا جس کا افسوس ہے، لیکن میں مجبور

تھا۔ یہ کوشش بھی ضروری تھی کہ بات تشنہ نہ رہے۔' ایک اور طویل خط کے آخر میں لکھا ہے: 'یہ خط کئی دن ہوئے شروع کیا تھا۔ آج ختم ہوا (28 مئی 1961)'۔ آج جب اِن خطوں کو دیکھتا ہوں تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ ان خطوط کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مکتوب نگار یہ چاہتا ہو کہ کسی نہ کسی طرح ساری معلومات مکتوب الیہ تک پہنچا دی جائے۔ ایک بات پوچھی، اُس کے جواب کے ساتھ، کئی اور ضمنی باتوں کو بھی لکھ دیا، اجمال کے ساتھ نہیں، خوب سمجھا سمجھا کر، جس طرح سامنے بیٹھے ہوئے شاگرد کو سبق پڑھایا جا رہا ہو۔ دوسروں تک اِس شفقت کے ساتھ، اور ایک فریضہ سمجھ کر، علم پہنچانے کا یہ جذبہ واقعی کم یاب ہے۔ میں نے اس جذبے اور اِس انداز کے اب تک تین بزرگ دیکھے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ اُن کو معلوم ہے، وہ سب کو معلوم ہو جائے اور جن کی شفقت کے سایے میں چھوٹے بڑے سب کو یک ساں بار ملتا ہے۔ ان میں سے ایک تو صدیقی صاحب مرحوم تھے۔ دوسرے دو بزرگ، قاضی عبدالودود صاحب اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی (مدظلہم العالی) ہیں۔ ایسے ہی بزرگوں کے سامنے عقیدت کے سر جھک جاتے ہیں اور روح دوزانو ہو جاتی ہے۔

صدیقی صاحب مرحوم کے لکھے ہوئے جوابات کے علاوہ، میں نے مرحوم کے خطوں کو بار بار اِس نگاہ سے بھی دیکھا کہ حرفوں کے جوڑ، شوشے، نقطے، کششیں اور رموزِ اوقاف؛ ان سب کو بھی نگاہ میں بسا لیا جائے اور اِس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔

خوش بختی سے قاضی عبدالودود صاحب کے قلم سے لکھی ہوئی ایک طویل ترین تحریر کو تفصیل کے ساتھ مجھے بار بار پڑھنے کا موقع ملا۔ قاضی صاحب قبلہ نے 'قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ' کے نام سے غالب کے رسائلِ نثر کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جو چھپ چکا ہے۔ موصوف نے ازراہِ شفقتِ خاص اِس مجموعے کی کاپیاں پڑھنے کا کام شروع میں میرے سپرد کیا تھا۔ اِس کتاب کا مکمل مسودہ قاضی صاحب نے اپنے قلم سے لکھا تھا۔ جو لوگ قاضی صاحب سے واقف ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ موصوف املا پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اِس مسودے کو دیکھ کر، میں نے یہ بھی سیکھا کہ جس کتاب کو مرتب کیا جائے، اُس کا مسودہ مرتب کو اپنے ہاتھ سے لکھنا چاہیے، ناقل یا ٹائپ مشین کو درمیان میں نہیں لانا چاہیے؛ کیوں کہ اِس صورت میں مختصاتِ املا برقرار نہیں رہ سکتے۔ یہ نہایت اہم بات ہے۔ اِس مسودے کو بار بار پڑھنا پڑا اور ہر بار میں نے مختلف الفاظ کے طریقِ نگارش اور رموزِ اوقاف کو غور سے دیکھا۔ اِس طرح بھی

بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں اور اتفاق و اختلاف کی کچھ نیرنگیوں کا بھی اندازہ ہوا۔

اِسی دوران میں 'لغت نامۂ دہخدا' کا چالیسواں حصہ ہاتھ آیا، جس میں 'املای فارسی' کے عنوان سے آقاے احمد بہمنیار کا ایک مفصّل اور گراں ارز مقالہ شامل ہے۔ اِس میں بعض اور مضامین بھی کام کے ہیں۔ اِس سے فارسی املا کے بہت سے مسائل کو سمجھنے میں مدد ملی اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ املا کی جن مشکلوں کے ہم شکوہ سنج ہیں، فارسی والے بھی اُنھی مسائل سے دوچار ہیں اور یہ کہ عدمِ تعین اور غلط نگاری کے اثرات فارسی میں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ اِس سے بھی مجھے اپنے کام میں بہت مدد ملی۔

مخدومی مولانا امتیاز علی خاں عرشیؔ کے دو پُر از معلومات مقالے املاے فارسی سے متعلق نظر سے گزرے۔ ایک مقالہ بہ عنوانِ 'امیر خسرو کا فارسی تلفظ' مجلّہ 'فکر و نظر' (علی گڑھ) کے شمارہ 46-45 میں شائع ہوا ہے اور دوسرا طویل مقالہ: 'فارسی کا ہندستانی لہجہ' 'ارمغانِ مالک' (جلد اوّل) میں شامل ہے۔ یہ دونوں مقالے بلند پایہ ہیں، اور املا کے کئی اہم مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ 'فکر و نظر' کے اِسی شمارے میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا بھی ایک اہم مقالہ 'ہاے مختفی سے متعلق مسائل پر شائع ہوا ہے، اِس کا عنوان ہے: 'ہاے مختفی اور اُس سے متعلق دستوری واملائی مسائل'۔ اِن مقالوں سے بھی مجھے متعدد امور کو سمجھنے میں بیش قیمت مدد ملی اور کئی الجھی ہوئی باتیں سلجھ گئیں۔

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ جہاں تک نظر اور معلومات ساتھ دے، املا کے مسائل کا احاطہ کیا جائے اور الجھے ہوئے مسائل کو اُن کے حال پر نہ چھوڑ دیا جائے۔ غلطیوں کی تصحیح کی جائے، اصلاحات کو صحیح طور پر شامل کیا جائے، عدمِ تعین کے پھیلائے ہوئے انتشار اور دورنگی کو ختم کیا جائے، اِس طرح پر کہ ایسے الفاظ کے املا کی معیار بندی کی جائے اور مرجح صورتوں کا تعین کیا جائے۔ اِس بات کو بہ طورِ خاص ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کسی قسم کی جدّت طرازی کو دخل نہ دیا جائے۔ املا کے مسائل پر مختصراً بہت کچھ لکھا جا چکا ہے؛ اِس ذخیرے میں سے مستند اور قابلِ قبول تحریروں اور تجویزوں کو بنیاد بنایا جائے اور اِنھی تحریروں اور تجویزوں کی مدد سے قاعدے مرتب کیے جائیں، اور اِنھی کی روشنی میں، دوسرے الفاظ کو قیاس کے دائرے میں لایا جائے۔ ایسی کوئی بات نہ کہی جائے جو مسلّمات کے خلاف ہو۔ یہ اہتمام کیا جائے کہ جہاں تک ممکن ہو، حوالے ضرور دیے جائیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، وہ کوئی نئی بات یا انفرادی اپج

نہیں، اور اِس طرح اِس تحریر کے وزن و وقار میں اضافہ ہو اور قبولِ عام کے لیے راستہ ہموار ہو جائے۔ اِس سلسلے میں مختلف اہم لُغات کے اندراجات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور اِس کے لیے اور لغات کے علاوہ 'فرہنگِ آصفیہ' اور 'نور اللغات' کی آٹھوں جلدوں کی از اوّل تا آخر ورق گردانی کی گئی ہے۔ اِن کے علاوہ متعدد اساتذہ کے مکاتیب اور رسائل اور قواعدِ صرف ونحو کی بعض کتابوں کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ اس سرمایے کے علاوہ، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر شوکت سبزواری، جناب حیات اللہ انصاری اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے متعدد مقالوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مجلّہ 'اُردو نامہ' (کراچی) کے متعدد شماروں میں املا سے متعلق مضامین شائع ہوئے ہیں، اِس کے اکثر شمارے پیشِ نظر رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ بزرگوں کی رہ نمائی اور دوستوں کی ہمت افزائی ساتھ نہ ہوتی تو اِس صبر آزما کام کا انجام تک پہنچنا مشکل تھا۔

طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ مختلف مسائل کو، حروفِ تہجّی کے تحت منضبط کیا گیا ہے۔ فہرستِ مضامین سے بہت کچھ تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔ آخر میں ضروری الفاظ پر مشتمل ایک فہرست بہ ترتیبِ حروفِ تہجّی بھی شامل کر دی گئی ہے، اِس کی مدد سے بہت سے لفظوں کو تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔

حروف کے بعد، دوسرے ضروری مسائل کو، مختلف عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔ ایک مستقل باب املاے فارسی سے متعلق ہے۔ فارسی املا کے مسائل بھی ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں اور اُن کی طرف بھی کماحقہٗ توجہ نہیں کی گئی ہے۔ یہ باب دو فصلوں میں منقسم ہے: پہلی فصل میں فارسی کے ہندستانی اور کلاسکی لہجے کی نسبت سے یاے معروف و مجہول، واوِ معروف و مجہول اور نونِ غنہ کے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور دوسری فصل میں فارسی املا کے عام قاعدوں پر بحث کی گئی ہے۔

آخر میں 'تدوین اور املا' اور 'لغت اور املا' کے عنوان سے دو اجزا شامل کیے گئے ہیں۔ اِن کی اہمیت اور ضرورت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ ان موضوعات سے تعلقِ خاطر رکھتے ہیں، اُن کو اندازہ ہوگا کہ یہ موضوعات، اپنی اہمیت کے باوجود، مستقل موضوع کی حیثیت سے اب تک محرومِ توجہ رہے ہیں۔

جگہ جگہ کچھ مثالیہ اشعار یا فقرے بھی ملیں گے۔ اِس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ صرف

خاص خاص الفاظ کے ذیل میں مثالوں کو لایا جائے۔ اکثر جگہ اِن مثالوں سے استناد مقصود نہیں بل کہ محلِ استعمال کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ گویا اِن مثالوں کی حیثیت، وضاحتِ قول کی سی ہے۔

'نور اللغات' اور 'فرہنگِ آصفیہ' کا جگہ جگہ نام آیا ہے؛ اول الذکر کے لیے اکثر جگہ 'نور' اور ثانی الذکر کے لیے 'آصفیہ' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اگر کہیں 'سرمایہ' اور 'نفس' آئے، تو اُن سے مراد 'سرمایۂ زبانِ اُردو' اور 'نفس اللغۃ' سے ہوگی۔ اول الذکر جلال کا لغت☆ ہے اور آخر الذکر میر علی اوسط رشک کا۔ اِسی طرح 'نفائس' سے مراد ہوگی 'نفائس اللغات' سے۔ 'امیر اللغات'، 'نفس اللغۃ'، 'نور اللغات' اور 'فرہنگِ آصفیہ' کی اولین اشاعتوں سے کام لیا گیا ہے۔ 'نفائس اللغات' کی اشاعتِ 1281ھ (مطبعِ مصطفائی) پیشِ نظر ہے۔

رشید حسن خاں
شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
7 جولائی 1973

[مقدمہ 'اردو املا' از رشید حسن خاں]

☆☆☆

☆ 'لغت' مذکر اور مونث دونوں طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے 'لغاتِ روزمرہ' از شمس الرحمٰن فاروقی (ادارہ)

عبدالستار صدیقی

اُردو اِملا

ہر زبان کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے املا کے قاعدے منضبط ہوں اور اُن قاعدوں کی بنیاد صحیح اُصول پر ہو۔ اگر قاعدے معین نہ ہوں تو زبان کی یکرنگی اور یکسانی کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوگا اور اُردو اِس وقت اِسی قسم کے خطرے میں ہے۔ عربی، فارسی، انگریزی؛ غرض کہ ہر شائستہ زبان میں جو قاعدے مقرر ہیں، ہر لکھنے والا اُن کی پوری پوری پابندی کرتا ہے، مگر اُردو والے اپنے تئیں ہر قید سے آزاد سمجھتے ہیں۔ املا کی خرابی یا بے ضابطگی کی صورتیں جب کسی متمدن قوم کو پیش آئیں تو اُس کے زبان دانوں نے فوراً خرابی کی اصلاح کی۔ ترقی کرنے والی قومیں اس زمانے میں بھی اپنی زبان کے لفظوں کی لکھاوٹ میں ضروری ترمیم اور مناسب اصلاح کرتی رہتی ہیں۔ عام طور پر اصلاح کی ضرورت اِس لیے پڑتی ہے کہ ایک لکھنے والا اپنی رائے کو دخل دے کر ایک غلط راہ اختیار کر لیتا ہے اور دوسرے بغیر تحقیق کیے ہوئے اُس کی غلطی کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ جہاں کسی غلطی کی تکرار ہوئی وہ کتابوں اور اخباروں میں راہ پا گئی۔ عوام کے لیے یہ ایک بڑی سند ہوگئی کہ فلاں لفظ ایک کتاب میں یا کسی اخبار میں یوں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اُن لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جو صحت اور اُصول پر نظر رکھتے ہیں۔ بڑا گروہ مقلدوں یا عادت کے بندوں کا ہوتا ہے، اور تدارک یا اصلاح کی ذمے داری اہلِ تحقیق پر عائد ہوتی ہے۔ پس ایسی خرابیوں کا انسداد یوں ہی ہوسکتا ہے کہ علمی انجمنیں اپنے فرض کا احساس کر کے نہ صرف قاعدے بنائیں بلکہ ہر ممکن ذریعے سے اُنھیں عمل میں لانے کی کوشش کریں۔

اِس وقت صرف چند ضروری مسئلے پیش کیے جاتے ہیں:

(1) مختفی ہ یا الف ؟

جہاں تک تلفظ سے بحث ہے اُردو لفظوں میں مختفی ہ کا وجود نہیں ہے بلکہ مختفی ہ فارسی کی چیز ہے، اُردو ہندی لفظوں میں نہیں آسکتی، لفظ کی ابتدا یا بیچ میں کبھی نہیں آتی، آخر ہی میں آسکتی ہے۔ اُردو اور ہندی کی طرح فارسی کی بھی یہ ایک خصوصیت ہے کہ لفظ کا آخر حرف ساکن ہوتا ہے البتہ بعضے فارسی لفظ ایسے ہیں کہ پرانی فارسی زبان میں اُن کے آخر میں ایک ک تھا جو ک سے گ ہوا اور پھر گر گیا۔ اگر اُس ک یا گ سے پہلے الف تھا تو وہ بغیر کسی دقت کے قائم رہا، جیسے پرانے لفظ ازہاک سے ازدہارہ گیا۔ دقت اُن لفظوں کی کتابت میں آپڑی جن کے آخر میں ک تھا اور اُس سے پہلے زبر، اِس لیے کہ اخیر حرف پر حرکت رہ گئی اور عام قاعدے کے بہ موجب اُس اخیر حرف کو ساکن ہونا چاہیے تھا۔ مثال کے طور پر صرف ایک لفظ کو لیجیے:
'بندہ'۔ پرانی فارسی زبان میں 'بندک' اور 'بندگ' تھا۔ بعد کو (یعنی اسلامی دور سے شاید کچھ پہلے ہی) گ گر گیا تو 'بند' رہ گیا اور کتابت میں 'بندہ' اور 'بند' میں کوئی فرق نہ رہا۔ پہلوی تحریر میں تو پرانی کتابت (یعنی بندک) جاری رہی مگر جب عربی حرف اختیار کیے گئے تو فکر ہوئی کہ اخیر حرف کی حرکت جو تلفظ میں آتی ہے، تحریر میں کیوں کر ظاہر کریں۔ تدبیر یہ ٹھہری کہ ایک ہ اخیر میں لکھیے اور اُسے زبر کی طرح پڑھیے، ہ کی آواز اُس میں نام کو نہ ہو۔ اسی لیے اُس کا نام 'مختفی' پڑا اور اُس کے مقابلے میں اصلی ہ کو 'ملفوظ' کہنے لگے۔ یاد رہے کہ یہ سب کچھ فارسی ہی میں ہوا۔ عربی میں اِن دونوں اصطلاحوں کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

فارسی لغت کی اکثر کتابوں میں ہر موقعے پر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ فلاں لفظ کے آخر میں جو ہ ہے وہ 'مختفی' ہے یا 'ملفوظ'۔ فارسی میں بھی املا کے متعلق بہت احتیاط برتی جاتی ہے اور کبھی کوئی وہ لفظ جس کے آخر میں الف ہے ہ سے نہیں لکھا جاتا سوائے اِس کے کہ قافیے کی ضرورت سے 'آشکارا' کو 'آشکارہ' اور 'خارا' کو 'خارہ' لکھ دیں۔ آج سے بیس پچیس برس پہلے تک اُردو والے بھی اِس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

ایک بات اور بھی اِس سلسلے میں بیان کرنے کے لائق ہے، وہ یہ کہ فارسی والوں نے جب عربی کے بہت سارے لفظ اپنی زبان میں لیے تو اُن میں سے کسی کسی میں تصرّف بھی کیا۔ اُنھیں میں سے ایک تصرّف یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ عربوں کے ہاں ایک حرف ہے جو بعض اسموں کے

آخر میں آتا ہے۔ شکل اُس کی ہ کی ہے مگر اُسے معمولاً ت پڑھتے ہیں۔ اسی لیے اُس پر دو نقطے لگا دیتے ہیں: (ۃ)۔ جب اِس گول ۃ والا کوئی لفظ کسی جملے کے آخر میں آپڑتا ہے اور آواز ۃ پر ٹوٹتی ہے تو اُس کا تلفظ ملفوظ ہ کا سا ہوتا ہے اور اُس سے پہلے زبر بھی ہوتا ہے۔ اکثر اس ہ کا تلفظ گہرا نہیں ہوتا، کس واسطے کہ آواز کا زور اُس پر ختم ہوتا ہے اور اس وجہ سے دھیما پڑ جاتا ہے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ چیز اُن کے مختفی ہ سے بہت ملتی جلتی ہے، اکثر صورتوں میں اُسے مختفی ہ کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ اور کہیں کہیں اُس کو ت قرار دے کر اسی طرح بولنے اور لکھنے لگے۔ عزۃ، خدمۃ، حجۃ وغیرہ کو عزت، خدمت، حجت بنا دیا اور درجۃ، مدرسۃ وغیرہ کو درجہ، مدرسہ۔ کہیں کہیں لفظ کو دونوں سانچوں میں ڈھال لیا جیسے اجازہ اور اجازت، ادارہ اور ادارت، افاقہ اور افاقت وغیرہ۔ ان لفظوں میں جہاں جہاں ۃ سے ہ ہوگئی وہ مختفی ہی قرار پا گئی۔ یہ مفرس لفظ فارسی سے اُردو میں آئے تو یہاں بھی اُن کا تلفظ وہی رہا جو فارسی والوں نے اختیار کیا تھا۔

اس طرح اُردو میں مختفی ہ فارسی اور عربی لفظوں کے ساتھ مخصوص ہے مگر اس ہ کی اصلیت کو لوگوں نے بھلا دیا اور خود اپنی تحریر کے لیے کوئی معیار قائم نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بدمذاقی پھیلی اور ٹھیٹھ اُردو لفظوں میں بھی لوگ مختفی ہ لکھنے لگے۔ ہندی کے دیوناگری خط میں تو ایک आ ہے اور اُس کا نمائندہ اُردو میں سوائے الف کے اور کوئی حرف ہو ہی نہیں سکتا، ہندی لفظ تو ایک طرف رہے۔ طرہ یہ کہ وہ عربی فارسی لفظ بھی جن کے آخر میں الف ہے ہ سے لکھے جانے لگے۔ یہ املا سراسر غلط ہے۔ قاعدہ اِس کا یوں ہے:

1- ہندی لفظ ہو تو الف سے لکھا جائے (سوائے بعض مقاموں کے ناموں کے جیسے آگرہ، پٹنہ، کلکتہ، کس واسطے کہ یہ نام ہیں اور ہمیشہ سے اسی طرح لکھے جاتے ہیں) مقاموں کے ناموں کے سوا جتنے لفظ ہیں اُن کو الف ہی سے لکھنا چاہیے، جیسے: اکّا (اِسے 'یکہ' لکھنا تو یوں بھی غلط ہے کہ تلفظ کے سراسر خلاف ہے۔ فارسی میں یہ لفظ گاڑی کے معنی میں موجود بھی نہیں۔ ہمارے اُردو لفظ 'ایک' سے بنا ہے نہ کہ فارسی لفظ 'یک' سے۔ اسی طرح 'موم بتی کا اِکا'، 'تاش کا اِکا'۔ (زیور جسے عورتیں صرف ایک ہی بازو پر باندھتی ہیں اور اُس میں ایک ہی بڑا نگینہ ہوتا ہے، جس میں زیادہ نگینے ہوتے ہیں اُسے 'نونگا' کہتے ہیں)۔ اکیلا، آنولا، باجا، باجرا، بادلا (ایک قسم کا نفیس کپڑا)، باڑا ('امام باڑا' وغیرہ مرکبوں میں بھی آتا ہے)، بٹوا، بٹوارا، بچپنا، بچکانا، بچھڑا، بچھونا، بچھیرا، بلبلا، بنجارا، بھانجا، بھتیجا، بھروسا، بھیڑیا، تانگا،

پانوڑا، پتا (نشان کے معنوں میں)، پتّا، پتّا، پتا (باپ)، پُتلا، پتیلا، پٹاخا، پٹارا، پٹھا، پچھتاوا، پڑاقا، پسینا، تارا (جسے فارسی میں 'ستارہ' کہتے ہیں)، تایا (چچا، جو باپ سے عمر میں بڑا ہو)، چارا (گھاس وغیرہ)، چبوترا، چراندا، چرچا، چرسا، چکارا، چلّا، چھالا، چھلّا، چھلّا، داسا، دُپٹا، دُیلکا (دو پلک والا، ایک مصنوعی نگ جسے بدور کے دو ٹکڑوں کو ملا کر بناتے ہیں)، دُخما (یعنی دو خم والا نیچہ)، دھلا، دھکّا، دھوکا، دَوریا، دَرہ خما (یعنی ڈیڑھ خم والا نیچہ)، راجا، سروتا، کتّھا، کوئلا، کھلونا، لڑاکا، مہینا، میلا، ناتا (رشتہ داری)۔ یاد رہے کہ مذکر صفتیں بھی الف ہی سے صحیح ہیں، جیسے چلبلا، دبنگا، نچلا وغیرہ۔

اِسی طرح وہ لفظ بھی، جو یورپ کی زبانوں سے آئے ہیں، جیسے بلّا (تمغا وغیرہ کے معنوں میں)، ڈراما، فرما، کمرا، مارکا، (نشان) وغیرہ اور یہی حال اُن لفظوں کا ہے جو فارسی یا عربی سے نکلے تو ہیں مگر خود اُن زبانوں میں اُن کا وجود اِس ہیئت میں نہیں ہے، جیسے بدلا، بےفکرا، نو دولتا، کبابیا (کباب والا)، برفیا (برف والا)، خاصا ('اچھا خاصا' پورا کے معنوں میں)، بعضا (بعض)، مسالا، ملیدا (ف: 'مالیدہ')، سپنا وغیرہ۔

[خاصا (جمع: خاصے اور مونث خاصی) اور بعض (بعضے، بعضی) میں آخر کے الف یا ے کو ہ سے ظاہر کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ جن معنوں میں 'خاصہ' فارسی میں استعمال ہوتا ہے، اگر اُنھیں معنوں میں استعمال ہو تو البتہ اُس کو ہ سے لکھنا ٹھیک ہوگا۔ مسالا ہر معنی میں س اور الف سے لکھنا چاہیے۔ (1) 'گرم مسالا' (2) 'مسالا' (گوٹا کناری وغیرہ) (3) 'مسالا' (کسی چیز کے اجزا یا ضروریات اور لوازمات وغیرہ)۔ 'مصالح' لکھنا یوں غلط ہے کہ یہ 'مصلحت' کی جمع ہے۔ ہمارے لفظ کو اِن معنوں سے اصلاً تعلق نہیں۔ مزید برآں یہ کہ تلفظ بھی مختلف ہے۔ یہی حال 'مصالحہ' کا ہے۔ 'مصالحہ' کے معنی ہیں 'لڑنے والے فریقوں کے درمیان صلح'۔ 'ملیدا' کا تلفظ بھی فارسی 'مالیدہ' سے بدل گیا ہے اور اُس نے ایک خاص مفہوم اختیار کر لیا ہے پس اِسے بھی اُسی طرح لکھنا چاہیے جس طرح ہم بولتے ہیں۔ 'دسپنا' اور فارسی 'دست پناہ' میں بھی معنی اور تلفظ دونوں بدلے ہوئے ہیں۔ 'دست پناہ' فارسی میں 'چمٹے' کے معنی میں نہیں بولا جاتا بلکہ اُس کے معنی ہیں 'دستانہ'۔]

اُن لفظوں کے آخر میں بھی الف ہی لکھنا چاہیے جو ایک اُردو اور ایک فارسی یا عربی جز سے بنے ہیں؛ جیسے 'دَرہ خما' (یعنی وہ چیز جس میں ڈیڑھ خم ہو)، 'تِماہا'، 'چھماہا'، 'پچرنگا'،

'سترنگا' وغیرہ۔

اِس سے یہ ایک کلّیہ ہاتھ آیا کہ جب کسی اور زبان کا لفظ اُردو میں دوسرے معنی اور اُسی کے ساتھ دوسرا تلفظ اختیار کرلے تو اُس کا املا ٹھیٹ اُردو لفظوں کی طرح ہونا چاہیے۔

-2 جو لفظ خود فارسی ہی میں الف سے لکھے جاتے ہیں وہ ہرگز ہ سے نہ لکھے جائیں۔ اِن لفظوں کی تفصیل یہ ہے:

(الف) وہ جامد اسم یا صفتیں جن کے آخر میں الف ہے اور حرفِ اصلی کی حیثیت رکھتا ہے: جیسے: اژدہا، آسیا (چکی)، آشکارا، آشنا، بوریا، چلیپا، پارسا، خارا (ایک قسم کا پتھر)، دارا، درا ('گھنٹا'، 'بانگِ درا')، دِلاسا، دوبالا، دوتا، سیما ('دیو سیما' یعنی دیو کی سی شکل والا)، سارا ('خالص' جیسے 'عنبر سارا' میں)، شوربا (شور+ با۔ با کے معنی ہیں پکائی ہوئی چیز۔ یہ لاحقہ کھانوں کے بہت سے ناموں میں آتا ہے)، شیوا ('فصیح' کے معنی میں جیسے 'شیوا زبان' مگر ڈھنگ اور حرکات وسکنات کے معنی میں جو لفظ ہے وہ ہ سے لکھا جاتا ہے 'شیوہ')، ناشتا، قرنا، گندنا۔

(ب) فارسی فعلوں سے بنے ہوئے اسم فاعل اور صفتِ مشبّہ وغیرہ، جیسے: بویا، بینا، نابینا، دانا، زیبا، پذیرا، جویا، گویا، جہان آرا، جان فرسا، جان فزا، دل کشا، صبر آزما، ہوش رُبا وغیرہ۔

(ج) بعض لفظ جن کے آخر سے کوئی حرف گر کر الف رہ گیا ہو، جیسے پا (پاے)، خدا (خداے)، نا (ناے) وغیرہ، یا جیسے آوا ('آواز' کا مخفف)، اُفتا ('اُفتادن' کا مخفف) وغیرہ۔

(د) وہ لفظ جو ہا بڑھا کر جمع بنے ہوں، جیسے صدہا، ہزارہا، دلہا وغیرہ۔

(ہ) بعض لفظ یا نام جن کے آخر میں پیار، حقارت یا ندا کے لیے الف بڑھا دیا گیا ہو، جیسے: بازاریا (یعنی بازاری)، بشیرا، رکنا، طالبا، حافظا، سعدیا وغیرہ۔

[یاد رکھنے کی بات ہے کہ 'شفیعا' ایک قسم کا خط ہے جسے مُلا شفیعا نے ایجاد کیا تھا اس لیے 'خطِ شفیعا' مشہور ہوا۔ اُسے 'شفیعہ' یا 'شفیہ' لکھنا غلط ہے]

-3 ترکی لفظ جو فارسی اُردو میں مستعمل ہیں اور جن کا املا الف ہی سے ہونا چاہیے: التمغا، تمغا، طغرا۔ اِس لیے 'تمغۂ شرافت' اور 'طغرۂ سلطانی' غلط ہوگا۔ صحیح 'تمغاے شرافت' اور

’طغرائے سلطانی‘ ہے۔

4- عربی کے جو لفظ خود عربی میں الف سے لکھے جاتے ہیں اُن کو ہ سے لکھنا صحیح نہیں۔ وہ الف ہی سے لکھے جائیں۔ اِن لفظوں کی تفصیل یہ ہے:

(الف) وہ اسم جو افتعال یا استفعال کے وزن پر مصدر ہیں اور اُن کے آخر میں الف کے بعد ایک ہمزہ ہے۔ یہ ہمزہ اُردو میں گر جاتا ہے اور الف رہ جاتا ہے، جیسے: ابتدا، اجتبا، ارتضا، ارتقا، اصطفا، اقتدار، اکتفا، التوا، امتلا، انتہا، استثنا، استدعا، استسقا، استعفا، استغنا، استفتا، استقرا، استقصا، استنجا، استیلا وغیرہ۔

(ب) یہ لفظ جن میں سے بعض اسم جامد ہیں اور بعض صفت، ان کو بھی ہ سے لکھنا غلط ہے۔ جیسے: حلوا، سقا، شہلا (’نرگس شہلا‘)، غرّا، (’شاعرِ غرّا‘)، بیضا (’یدِ بیضا‘)، متحابا، مُدارا، مُداوا وغیرہ۔

(ج) بعض مذکر نام الف پر ختم ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے آخر میں ایک ہمزہ بھی تھا سو وہ اُردو میں گر چکا، اور بعض کے آخر میں ہمزہ تھا ہی نہیں صرف الف تھا۔ ہ اِن میں سے کسی میں نہ تھی: برخیا، زکریا، عادیا، مسیحا وغیرہ۔

(د) بعض مونث ناموں کی حالت بھی یہی ہے: زہرا (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام)[٭]، سارا، حوا وغیرہ۔

(ہ) بعض جمعیں، جیسے: بقایا، برایا، ثنایا، رعایا، عطایا، وصایا، ہدایا وغیرہ۔

(و) بعض متعلق فعل جن کی تنوین فارسی اور اُردو میں گر گئی ہے، جیسے: اصلا، ظاہرا۔

(ز) اِن لفظوں کے آخر میں الف مقصورہ تھا، جسے عربی کے قاعدے سے یوں (یٰ) لکھتے ہیں، مگر فارسی اور اُردو میں اُس کے لیے ایک معمولی الف لکھتے ہیں۔ ہ سے اِن لفظوں کو لکھنا سراسر غلط ہے: تماشا، تقاضا، ماجرا، مدعا، معنا، مربا، متوا، منقا، دعوا، تقوا، مصفا، مطلا، معرا وغیرہ۔

[بعض لوگ عربی املا کی پیروی میں ’دعوا‘، ’تقوا‘ یا ’مربا‘ اور ’منقا‘ کو الف مقصورہ کے ساتھ لکھتے ہیں جو جائز ہے۔ مگر اُردو میں سیدھے سادھے الف کو ترجیح ہونا چاہیے]

فائدہ: بعض عربی یا فارسی الفاظ ایسے ہیں کہ اُن کے آخر میں ہ آتی ہے مگر جب اُن کی جمع بناتے ہیں تو اُس مختفی ہ کو الف سے بدلنا ضروری ہو جاتا ہے، یعنی اُن تمام مونث اسموں اور بعض

مذکر اسموں کی جمع میں ہ کو الف سے بدل کر جمع کی علامت لگاتے ہیں، جیسے: 'بیوہ' سے بیوائیں، بیواؤں، 'دایہ' سے دایائیں، دایاؤں، 'قحبہ' سے قحبائیں، قحباؤں، 'قابلہ' سے قابلائیں، قابلاؤں وغیرہ اور 'خلیفہ' سے خلیفاؤں، 'علامہ' سے 'علاماؤں'۔[4] [بعض لوگ 'بیووں'، 'دایوں' وغیرہ بولتے اور لکھتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔]

ان تمام تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اردو کا خاص حرف الف ہے اور ہر موقعے پر ہمیں اسی کو کام میں لانا چاہیے سوائے چند فارسی اور عربی الفاظ کے جن کا املا ہ سے ہے (اور اس ہ کی آواز الف کی سی ہے)۔ اب جن عربی یا فارسی لفظوں کے آخر میں ہ ہے، ان کو بھی ہم بعض حالتوں میں ہ کی جگہ الف سے لکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک حالت تو اوپر بیان ہو چکی۔ دو تین حالتیں اور بھی ہیں:

(۱) جب قافیے میں مختفی ہ، الف کے متقابل ہو تو اس مختفی ہ کو لکھنے میں الف سے بدل دینا چاہیے، جیسے: تغافلہاے بے جا کا گلا کیا۔

(۲) ایسے لفظوں میں جو اردو میں گھل مل گئے ہیں اور ان کی غیریت محسوس نہیں ہوتی، ہ کی جگہ الف لکھنا جائز ہے، جیسے: 'مزہ' کی جگہ 'مزا'۔

(۳) ایسے الفاظ جن میں اردو والوں نے کوئی تصرف کر لیا ہو، جیسے: 'دوماہی' سے دوماہا۔ 'دخما' (یعنی دو خم والا) وغیرہ۔

(2) مختفی ہ یا ے؟

(الف) مختفی ہ پر ختم ہونے والے مذکر اسم کی جمع میں تو لوگ باقاعدہ، آواز کے مطابق لکھتے بھی ے ہی ہیں۔ جیسے 'دو بچے کھیل رہے تھے'۔ مگر جب یہی لفظ واحد محرف حالت میں ہوتے ہیں اور تلفظ ان کا وہی ہوتا ہے جو جمع قائم کی حالت میں ہوتا ہے تب بھی اکثر لوگ ان کو ہ سے لکھتے ہیں۔ یہ کسی طرح درست نہیں۔ انھیں لکھنا بھی ویسے ہی چاہیے جیسے وہ بولے جاتے ہیں؛ یعنی یوں:

'وہ چھٹے درجے میں پڑھتا ہے'۔ 'میں مدرسے جاتا ہوں'۔ 'اُس بچے نے اس مسئلے کو حل کر لیا'۔ 'شیر کے پنجے میں بڑی طاقت ہوتی ہے'۔ 'اس واقعے سے سب کو عبرت ہوئی'۔[5]

(ب) پانچ کے بعد کے عدد 'چھ' کو لوگ عام طور پر مختفی ہ کے ساتھ لکھتے ہیں، حالاں کہ اس

لفظ کا فصیح تلفظ 'جھے' ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اسی طرح نہ لکھا جائے۔

(ج) 'کیوں کر' کی جگہ اگلے وقتوں میں 'کیونکے' بولتے تھے اور ے کے ساتھ لکھتے تھے۔ ایک دوسرا لفظ ہے 'کیونکہ' (یعنی کیوں کہ' جس میں 'کہ' کاف بیانیہ ہے)۔ لوگوں نے 'کہ' اور 'کے' کے معنی میں فرق نہ کر کے 'کیونکے' کو 'کیونکہ' بنا دیا اور پرانے استادوں: میر، سودا، درد وغیرہ کے دیوانوں میں 'اصلاح' فرما دی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ اصلاح نہیں، تصحیف ہے۔ 'کیونکر' کے معنی میں 'کیونکے' اب تحریری زبان سے تو گویا خارج ہو گیا ہے لیکن بعض شہروں کے لوگ بول چال میں بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ پس نہ صرف پرانے اساتذہ کے کلام میں بلکہ بول چال کی بنا پر اِس زمانے کی تحریروں میں بھی ہم اس لفظ سے کہیں نہ کہیں دوچار ہوں گے۔ اس لیے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر 'کر' کا قائم مقام ہو تو 'کے' اور نہیں تو 'کہ' لکھا جائے، جیسے:

نہ جانوں کیونکے مٹے داغِ طعنِ بدعہدی — غالب

(3) نون غنّہ

بعض لفظ، جن میں نون غنہ ہے، کئی طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ اُن میں سے صرف اسی طرز کو اختیار کرنا چاہیے جو تلفظ میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ 'کنوا'، 'کنواں'، 'کوااں' تین طرح سے لکھتے ہیں۔ اِن تینوں میں بہتر 'کنوا' ہے (اور 'کنوے'، 'کنووں')، اِسی طرح 'دھنوا' (اور 'دھنوے'، 'دھنووں')۔ 'گانو' (جمع: گانوؤں)۔ 'چھانو'، 'آنو'، 'دانو' (جمع: 'دانوؤں)، 'پانو' (جمع: پانوؤں)۔

اِس طرح پر 'کنواں'، 'دھنواں'، 'کواں'، 'دھواں'، 'پاوں'، 'گاوں'، 'داوں'، 'چھاوں' وغیرہ صورتیں ترک ہو جائیں گی۔[ا]

البتہ 'ڈھلواں'، 'گتھواں'، 'چڑھواں' اور ترتیبی گنتیاں جیسے: 'پانچواں'، 'ساتواں'، 'آٹھواں'، 'نواں'، 'دسواں' وغیرہ اور 'پانچویں'، 'پانچویں' (مونث) وغیرہ درست ہیں۔

گنتی کے لفظوں میں (11 سے 18 تک) اخیر کا حرف 'ہ' ہے۔ بعض لوگ اُن کے آخر میں اں لکھ دیتے ہیں، اِس لیے کہ بعض خطوں میں 'کھاراں'، 'باراں' وغیرہ بولتے ہیں۔ اور جو لوگ 'کھارا'، 'بارا' بولتے ہیں وہ کبھی کبھی اُسی طرح لکھ بھی جاتے ہیں مگر یہ درست نہیں، کس واسطے کہ

اِن لفظوں میں ہ اصلی اور ملفوظ ہے۔ پس اُن گنتیوں کو ہ کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ یعنی 'گیارہ'، 'بارہ'۔ اب جس کا جی چاہے وہ 'گیارا' یا 'گیاراں' بول لے۔ یہ وہی بات ہے کہ 'ہوا' کو بعض جگہ 'وا' بولتے ہیں مگر اس طرح لکھ نہیں سکتے۔

بعض لوگ 'دونوں' کو 'دونو' بغیر ں کے لکھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ صحیح ہے 'دونوں'۔ جیسے 'تینوں'، 'چاروں'، 'پانچوں'، 'چھیوں'، 'ساتوں' وغیرہ۔

جمع منادا کے ساتھ کبھی کبھی لوگ ایک 'ں' بھی لکھ دیتے ہیں یعنی 'اے لڑکوں!'۔ یہ درست نہیں؛ بغیر نون کے لکھنا چاہیے، جیسے: 'اے لڑکو!'، 'صاحبو!'۔

جھوٹ کہتا نہیں، میں سچ جانو
کافرِ عشق ہوں، مسلمانو! (قلق لکھنوی)

(4) ہمزہ (ء)

(الف) اِس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمزہ، الف کا قائم مقام ہے۔ پس جب دو حرف علّت اپنی اپنی آواز الگ الگ دیں تو اُن کے بیچ میں ہمزہ آ سکتا ہے، نہیں تو نہیں۔ اِس لیے 'آؤ'، 'جاؤ'، 'گیت گاؤ'، 'دولہا کے آئے'، 'آپ آئے'، 'میں آؤں تو کیا لاؤں'؟ 'میں چاہتا ہوں کہ آرام سے سوؤں' وغیرہ میں ہمزہ لکھا جائے؛ مگر 'بناو سنگار'، 'بھاو تاؤ'، 'نبھاؤ'، 'گھاؤ'، 'کڑھاؤ' میں ہمزہ کا کچھ کام نہیں۔ اِسی طرح 'گائے'، 'چائے'، 'رائے'، 'ہائے' میں بھی ہمزہ نہ ہونا چاہیے اور یہی حال 'دیو' اور 'سیو' اور 'ریوریا' وغیرہ کا ہے۔ ان لفظوں میں الف ے الف و یاے مل کر ایک آواز دیتے ہیں اِس لیے اُن کے بیچ میں ہمزہ کی گنجائش نہیں۔

(ب) 'لیے' (دونوں معنوں میں) 'اُس نے دو سو روپے دیے اور دو گھوڑے لیے'۔ 'اُس نے اپنے لیے چار جوڑ موزے لیے اور اپنے بھائی کے لیے ایک ہی جوڑ'۔ 'سیکڑوں دیے جل رہے ہیں۔ دیوالی کی بہار ہے'۔

اوپر کے جملوں میں دیے اور لیے کی بہت سی مثالیں آئیں۔ ہمزہ کہیں نہیں آنا چاہیے۔ 'چاہیے'، 'دیجیے'، 'لیجیے' وغیرہ میں بھی ہمزہ نہیں بلکہ ے ہے۔ اِسی طرح 'تھالیوں'، 'ڈلیوں' وغیرہ میں۔

ہمزہ اُسی وقت آئے گا جب اُس سے پہلے زبر ہو۔ اگر اُس سے پہلے زیر ہوگا تو ے آئے گی یعنی 'گئے' میں ہمزہ ہے مگر 'کیے' میں ے۔

(ج) جہاں ہمزہ لکھنا ضروری ہے وہاں لوگ اکثر کاہلی کے مارے اُسے چھوڑ جاتے ہیں، جیسے: 'پچھوؤں' کو 'بچھووں' بلکہ کبھی 'بچھوں'، 'لکھنؤ' کو 'لکھنو'، 'ہندوؤں' کو 'ہندووں' یا 'ہندوں'، یہ درست نہیں۔

(5) ں ب اور ن ب

جب کسی لفظ میں نون غنہ کے بعد ہی ب ہو تو یہ دونوں حرف مل کر م کی آواز دیتے ہیں، جیسے: آنب سے آم (جس کی تصغیر 'انبیا' کا تلفظ 'امبیا' بلکہ 'امیا' ہوتا ہے)، نیب سے نیم، سینب سے سیم۔ ان لفظوں کو م ہی سے لکھنا چاہیے۔ فارسی عربی لفظوں زنبور، تنبورہ، شنبہ، گنبد۔ جنب میں جو ساکن ن ہے وہ تلفظ میں م ہو جاتا ہے مگر لکھا ن ہی جاتا ہے۔ البتہ جب 'گنبد' سے اُردو والوں نے 'گمز' بنایا اور اُس کی تصغیر 'گمزی'، تو ان دونوں لفظوں کو م ہی سے لکھنا پڑا۔ پس قاعدہ یہ نکلا کہ فارسی عربی کا لفظ ہو تو املا میں اُنھیں زبانوں کی پیروی کی جائے نہیں تو م لکھا جائے۔

(6) ذ یا ز؟

فارسی اور اُردو لفظوں میں ذ اور ز کے لکھنے کے متعلق ہمارے ملک میں بڑا اختلاف ہے۔ سب سے پہلے مولوی نذیر احمد دہلوی نے ایک خط میں، جو انھوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا، یہ خیال ظاہر کیا کہ ذ عربی کے مخصوص حرفوں میں ہے۔ اس لیے، فارسی لفظوں کو ز سے لکھنا چاہیے نہ کہ ذ سے۔ ادیبوں اور شاعروں کے گروہ میں یہ مسئلہ مدتوں زیرِ بحث رہا اور اب بھی کبھی کبھی یہ بحث چھڑ جاتی ہے۔[8] واقعہ یہ ہے کہ ذ عربی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور حقیقت میں ث بھی مخصوص نہیں۔ یونانی اور قدیم ایرانی زبانوں میں ان دونوں حرفوں کی آوازوں کا وجود تھا۔[9] چناں چہ عربی زبان میں جو لفظ یونانی یا فارسی سے لیے گئے ہیں اُن میں یہ دونوں حرف ملتے ہیں۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ 'اُستاذ' کی د پر عربوں نے تصرّف کرکے ایک نقطہ لگا دیا۔ اصلیت یوں ہے کہ انھوں نے ایرانیوں سے 'اُستاذ' ہی سنا اور اُسی طرح بولنے اور لکھنے لگے۔ خود ایرانیوں کی زبان میں بعد کو وہ ذ، د ہو گئی۔ اِس لیے کہ اسلامی زمانے میں بلکہ شاید اُس سے کچھ پہلے ہی ث اور ذ کی

آوازیں زبان سے جاتی رہیں۔ ہر ذ، دَ ہوگئی مگر اِنے گنے لفظوں میں ذ کا تلفظ زَ سے بدل گیا۔ لیکن اُن لفظوں کو لوگ پرانی عادت کے مطابق ذ ہی سے لکھتے رہے جیسے: 'آذر'، 'گذشتن'، 'پذیرفتن'، 'تذرو'، کاغذ۔ ایک 'گنبذ' ایسا لفظ ہے جو دونوں طرح سے بولا اور لکھا جاتا ہے یعنی 'گنبد' اور 'گنبذ'۔ ہندستان میں لوگوں نے اِسی لفظ کی دوسری صورت سے 'گمز' بنالیا اور اُس کی تصغیر 'گمزی' ہوئی۔ ایران کے بعض مقامات میں 'تذرو' کی جگہ 'تدو' اور 'کاغذ' کی جگہ 'کاغد' بھی سنا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اِن فارسی لفظوں میں اگر آواز کا لحاظ کیجیے تو زَ ہے اور قدیم زبان اور کتابت کو مانیے تو ذ۔

اُردو میں 'گزر' اور 'گزار' اور اُس کے مشتقات کو زیادہ تر زَ ہی سے لکھتے ہیں اور یہ کچھ بے جا نہیں مگر ذ بھی ان لفظوں میں صحیح اور جائز ہے۔ 'آذر' اور 'کاغذ' کو ہمیشہ اور 'پذیرا' وغیرہ کو اکثر ذ سے لکھتے ہیں، اِن کو یوں ہی رہنے دینا چاہیے۔ اِن فارسی لفظوں کے علاوہ جن لفظوں میں ذ آتی ہے وہ عربی سے آئے ہیں۔ اب چاہے وہ ٹھیٹ عربی ہوں یا کسی اور زبان سے عربی میں مستعار۔ ایسے لفظوں میں عربی املا کی پیروی لازم ہے گو کہ آواز کے لحاظ سے اُردو میں ایک اکیلی زَ ہی ذ، ضَ اور ظَ کی قائم مقام ہے۔

چند عربی اور فارسی لفظوں کا غلط املا رواج پا گیا ہے، البتہ محتاط لوگ اُس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اُن لفظوں میں سے یہ مثالیں زیادہ اہم ہیں:

(1) 'بحر زخّار' کو بعض کم سواد لوگ 'بحر ذخّار' لکھتے ہیں۔ غالباً اِس دھوکے میں کہ 'زخار' 'ذخیرہ' سے بنا ہوگا۔ اصلیت یوں ہے کہ 'زخّار' کو 'ذخیرہ' سے اصلاً تعلق نہیں بلکہ 'زخار' کے معنی ہیں 'بہت اُمنڈتا ہوا (سمندر) یا چڑھا ہوا (دریا)'۔

(2) 'ذکی' اور 'زکی' اپنی اپنی جگہ پر دونوں صحیح ہیں۔ مگر لوگ 'زکی' کے محل پر بھی 'ذکی' لکھا کرتے ہیں۔ یعنی 'زکی الدین' یا 'محمد زکی'۔ کسی کا نام ہو تو اُس کو زَ ہی سے لکھنا چاہیے، اس لیے کہ 'زکی' کے معنی ہیں 'پاک' اور 'ذکی' کے معنی 'تیز فہم' بھی ہیں اور 'قابلِ ملامت' بھی۔

(3) 'زکریا' کو بعض لوگ غلطی سے ذ سے لکھتے ہیں بلکہ بعض تو یہ ستم کرتے ہیں کہ 'ملازم' میں بھی ذ لکھ دیتے ہیں۔

(4) 'آزوقہ' عربی لفظ نہیں ہے فارسی ہے اور اُس کا املا زَ سے صحیح ہے۔ غلطی سے لوگ ذ سے لکھ دیتے ہیں اور یہ غلطی فارسی کتابوں میں بھی دیکھنے میں آتی ہے۔

(5) ’آزر‘ (حضرت ابراہیم کے چچا کا نام) زَ سے ہے اِسے فارسی لفظ ’آذر‘ سے کوئی تعلق نہیں۔

(6) ’ذات‘ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ’نفس‘ یا ’نفسِ نفیس‘ یا ’شخص‘۔ ’نژاد‘ یا ’قوم‘ وغیرہ کے معنی نہیں ہیں۔ ان معنوں میں جو لفظ اُردو میں بولا جاتا ہے وہ حقیقت میں سنسکرت کے لفظ ’جاتِ‘ سے نکلا ہے۔ ہندی میں تَ کا کسرہ اِس وجہ سے گر گیا کہ کسی لفظ کا آخر حرف متحرک نہیں ہوسکتا۔ اُردو والوں نے جَ کو زَ کی آواز سے بدل دیا۔ چاہیے تھا کہ اِس لفظ کو زَ سے لکھتے، لیکن عربی لفظ ’ذات‘ کے دھوکے میں اِس کو بھی ذَ ہی سے لکھنے لگے۔ اِس غلط طریقے کو یقیناً ترک کرنا چاہیے اور جہاں ’نژاد‘، ’قوم‘ وغیرہ کے معنی ہیں وہاں زَ ہی لکھنا چاہیے [جیسے: ’زات پات‘، ’زات جماعت‘، ’زات رات‘، ’وہ زات کا برہمن ہے‘، ’اُس کی زات کھری ہے‘۔

(7) عربی کا ایک لفظ ’ذرّہ‘ ہے (جس کی رَ پر تشدید ہے)۔ اِس کے معنی ہیں ’کسی چیز کا بہت چھوٹا ٹکڑا‘۔ اُردو میں یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اِنھیں معنوں میں بولا جاتا ہے۔ مگر اِس کے علاوہ ایک اور لفظ بھی ہے جو صرف صفت یا متعلق فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور جس کے معنی ہیں ’تھوڑا‘۔ اس کی رَ پر تشدید نہیں اور تیسرا حرف اَ ہے ہ نہیں؟ مگر بعض لوگوں کو اصرار ہے کہ چوں کہ اس لفظ کے پیدا ہونے کا باعث عربی لفظ ’ذرہ‘ ہوا ہے اِس لیے بھی ذَ ہی سے لکھنا چاہیے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ تلفظ میں ایک چھوڑ دو دو تصرف ہوئے۔ معنوں میں فرق ہوگیا۔ یوں کہنا چاہیے کہ اُردو نے یہ ایک بالکل نیا لفظ پیدا کیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ زَ سے نہ لکھا جائے۔ ادیبوں اور شاعروں کے رایوں میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ذَ سے لکھو، کچھ لوگوں کا قول ہے کہ اِس کا املا زَ ہی سے صحیح ہے اور ذَ سے غلط۔ اصولاً زَ کو ترجیح ہے۔ اس لیے کہ اب عربی لفظ ’ذرہ‘ سے اِسے نہ تلفظ کی رو سے کچھ واسطہ رہا اور نہ معنی کی جہت سے، بلکہ ’زرا‘ ٹھیٹ اُردو لفظ ہوگیا۔

(7) صَ یا سَ؟

فارسی والوں نے اپنی زبان کے بعض لفظوں کو عربی حرفوں سے لکھنا شروع کردیا۔ اس لیے کہ ہم آواز لفظوں کا ایک دوسرے سے امتیاز ہوسکے۔

'صد' سو کے معنی میں، حقیقت میں سؔ سے ہے؟ مگر اس کا رواج ایسا متواتر ہے کہ اب غلطی کی اصلاح کچھ ناممکن سی ہوگئی ہے۔

'شصت' (ساٹھ) دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے۔ اس لیے اگر اُردو میں کبھی اس فارسی لفظ کے استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو شست لکھنا بہتر ہوگا۔

'مسالا' کی بحث اوپر آچکی ہے (دیکھو الفؔ اور مختفی ہؔ کا بیان)۔

(8) فارسی اور ترکی کے بعض لفظ کسی نہ کسی وجہ سے ت کے بجائے کبھی ط سے بھی لکھے جاتے ہیں، جیسے: طپش، طپیدن، طشت، طوطی۔ محتاط لوگ ت ہی سے لکھتے ہیں اور ہم کو یہی املا اختیار کرنا چاہیے، یعنی: تپش، تشت، تشتری، توتا، توپ، تماچا۔ 'تیار' کو 'طیار' بھی لکھتے ہیں۔ ہم کو 'تیار' اختیار کرنا چاہیے، سوا اِس کے کہ یہ لفظ 'اُڑنے والا' کے معنی میں استعمال ہوا ہو۔

(9) کچھ اور لفظ

بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ وہ صحیح لکھے جاتے ہیں لیکن اُن کا غلط املا بھی ایک حد تک رائج ہوگیا ہے۔ اُن میں سے چند خاص توجہ کے قابل ہیں:

صحیح املا	معنی	غلط املا
ازدحام	ہجوم، بھیڑ	ازدہام، اژدہام، اژدحام
اسراف	فضول خرچی	اصراف
تباشیر	بنس لوچن	طباشیر
تریاق	زہر کا مارگ	طریاق
تلاطم	سمندر یا دریا کا تھپیڑے مارنا	طلاطم
توتیا	......	طوطیا
دوات	روشنائی کا برتن	داوات
عوض	بدلہ	عیوض
مرہم	زخم کی دوا	مرحم، ملہم
مُسرف	فضول خرچ آدمی	مصرف
مع	ساتھ، سمیت	معہ

حواشی:

۱۔ یہی گ 'بندگاں' اور 'بندگی' میں اور اس قبیل کے بہت سے فارسی لفظوں (جیسے: زندگان، مژگان، زندگی، شرمندگی وغیرہ) میں اپنی اصلی حالت پر رہا۔ آگے والے حرف نے اُسے گرنے سے روک لیا۔
اسی گ کو عربوں نے ج کر دیا جو بہت سے معرب لفظوں میں دکھائی دیتا ہے جیسے بروج، بنفسج، بابرنج، رنج، شبترج، کرج وغیرہ میں۔ جو لفظ عربوں نے جاہلیت کے عہد میں ایرانیوں سے سریانیوں کے توسط سے لیے اُن کے آخر میں گ کے بجائے ک تھا، پس اُن معرب لفظوں میں ج کی جگہ ق پایا جاتا ہے جیسے خورزق، خندق وغیرہ میں۔

۲۔ اگر فارسی کے بعض مصنفوں نے ہندی لفظوں کو مختفی ہ سے لکھا تو یہ تفریس تھی۔ اُردو والے کسی طرح اُس کی سند نہیں پکڑ سکتے۔

۳۔ 'زہرہ' اِس سے مختلف ہے۔ ایک سیارے کا نام زُہرہ ہے۔ کبھی بچیوں کا نام اِس مناسبت سے بھی رکھا جاتا ہے۔

۴۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھو رسالہ 'اُردو' اورنگ آباد، بابت 1923، صفحہ 42-241

۵۔ دیکھو ایضاً، ص 54-253

۶۔ بعض لوگوں کو اس پر اصرار ہے کہ 'کنواں' وغیرہ لکھنا چاہیے۔ اِس لیے کہ اِس لفظ کے پہلے اور دوسرے دونوں بول غنہ رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ فقط پہلے ہی بول میں ہے اور دوسرا پہلے سے گونہ متاثر ہو گیا ہے۔

۷۔ یہ خط 'موعظۂ حسنہ' میں درج ہے۔

۸۔ سنہ 1905 اور سنہ 1906 میں رسالہ 'فصیح الملک' (دہلی) میں اس پر مسلسل بحث ہوتی رہی۔ سنہ 1907 میں رسالہ 'عالم گیر' (ہردوئی) کے ایک مضمون پر غالباً یہ سلسلہ ختم ہوا اور گونہ بے لطفی کے ساتھ۔ پھر 'فصیح الملک' کے تمام مضمونوں کو جو اس بحث سے متعلق تھے، جناب وصل بلگرامی نے، کہ وہی اس بحث کے چھیڑنے کے ذمے دار تھے۔ رسالہ 'مرقع' لکھنؤ بابت اپریل و مئی سنہ 1928 میں اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا۔ باوجود ایسی تفصیلی بحث کے فارسی میں ذ کے ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ تشنہ ہی رہا۔

۹۔ کسی آئندہ موقعے پر تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کی جائے گی۔

۱۰۔ 'ندو' بغیر رَ کے۔

(مقالاتِ صدیقی (پہلا حصہ)، مرتب: مسلم صدیقی)

□□□

اُردو املا رپورٹ

(سہ ماہی 'اردو'☆ جنوری 1944، جلد نمبر 24، شمارہ نمبر 1)

کمپیوٹر پر املا کی وہ صورتیں نقل نہیں ہوسکتیں جو اس مضمون کی خصوصیات ہیں لہٰذا اصل متن پڑھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے ضمیمہ، ص 326-309

اس میں تو مطلق شبہ نہیں کہ ہندستان کے ہر حصے میں اردو زبان نہ صرف سمجھی جاتی ہے بلکہ بولی بھی جاتی ہے اور ہندستان کے باہر جہاں کہیں اہلِ ہند کاروبار کی ضرورتوں سے جا کر بسے ہیں، وہ اسی زبان سے کام لیتے ہیں، لیکن تقریر سے بڑھ کر اب زمانہ تحریر کا اور عام تعلیم کا آگیا ہے اور اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اردو کی تعلیم و تعلم اور اُس کی طباعت میں ایسی آسانیاں پیدا کریں کہ غیر زبان والوں میں بھی اسے خوب رواج دیا جاسکے۔ اردو کے دوسرے بہی خواہوں کی طرح انجمن ترقّی [ترقی] اُردو اِن مسائل پر ایک مدّت سے غور و بحث کرتی رہی ہے اور اس نے طرزِ تعلیم و تحریر میں بعض اصلاحات بھی کی ہیں جن کو عموماً پسند کیا گیا۔ لیکن یہ جزئی اصلاحات ہیں جو حضرات اردو کو لوہے کے ٹائپ میں چھاپنے کے شدّومد سے حامی ہیں وہ ہمارے رسمِ خط میں اور زیادہ تبدیلیوں کا تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ انھی تقاضوں کی بنا پر کاتب الحروف نے گذشتہ سال چند تجاویز مرتّب کی تھیں جن کو چھاپ کر خاص خاص اہلُ الرائے کی خدمت میں بھیجا گیا اور انجمن کے دفتر دہلی میں اسی مجلسِ ماہرین کا ایک جلسہ بہ تاریخ 22 مارچ 1943 منعقد ہوا۔ ذیل میں پہلے ابتدائی تجاویز کی نقل پھر مجلس کی روداد پیش کی جاتی ہے اور آخر میں وہ قراردادیں درج ہیں جو کُل ہند اردو کانفرنس، ناگ پور میں مجلس اصلاحِ رسمِ خط نے منظور کیں۔

ناظرینِ رسالہ 'اُردو' سے درخواست ہے کہ وہ اس تمام کارروائی کو بہ غور مطالعہ فرمائیں اور مناسب ہو تو اپنی رائے اور مشورے سے استفادے کا موقع دیں۔ یہ مسئلہ زبانِ اردو کی

☆ سہ ماہی 'اردو' ہی اب سہ ماہی 'اردو ادب' ہے جو انجمن ترقی اردو (ہند) سے شائع ہوتا ہے اور اول الذکر انجمن ترقی اردو پاکستان سے (ادارہ)

ترویج واشاعت کے حق میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انجمن ترقیِ اُردو چاہتی ہے کہ منظور شدہ اصلاحات کو اپنی مطبوعات میں اختیار کر لے اور ملک میں عام طور پر انھیں رواج دینے کی کوشش کرے۔

(1) ابتدائی تجاویز

رسمِ خط کے متعلّق چند تجاویز

1— ہماری تحریر میں بعض حروف منفصل اور بعض متصل ہیں، لہٰذا تحریر یکساں قاعدے کے تحت میں نہیں ہوتی۔ حرفِ منفصل کے بیچ میں آجانے سے لفظ ٹوٹ جاتا ہے اور بعض صورتوں میں: (1) ایک رکن کے حرف اپنے اصلی جوڑ سے جدا بلکہ دوسرے رکن سے مل کر آتے ہیں، جیسے کریم، قرینہ، کھر چنا، کہ اِن تینوں میں وسطی رکن کا ایک حرف ایک طرف اور دوسرا دوسرے رکن کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ (2) اس خلطِ مبحث کی سب سے بدتر صورت وہاں پیدا ہوتی ہے جب کہ حروفِ منفصل مخلوط بھی ہوں یعنی: دھ، ڈھ، ڑھ اور الفاظ کے بیچ میں آئیں جیسے: سدھنا، پڑھنا وغیرہ، جن میں دوچشمی 'ھ' نہ صرف اپنے رکن بلکہ اصل حرف سے جدا لکھی جاتی ہے۔

2— علاماتِ مصدر، مفعول و مستقبل وغیرہ ملا کر لکھا جاتا ہے اور حروف متصّل ہوں تو مرکّب الفاظ بھی ملا کر لکھ دیے جاتے ہیں جیسے: جھینکنا، پٹیلنا، چھچلتا، مجھیگا اور (ب) ستونتی، رہبر، بیصبر، ہمعصر وغیرہ۔

3— ہم آواز حروفِ عربی عام ہندی تلفّظ میں ادا نہیں ہوتے اور ان کے لکھنے میں اکثر غلطیاں ہوتی ہیں۔

(ب) عربی کے بعض مرکّب الفاظ خصوصاً حروفِ شمسی کا الف لام لکھا جاتا ہے مگر تلفّظ میں نہیں آتا اور معمولی خواندہ لوگ ان کے پڑھنے میں غلطی کرتے ہیں۔

(ج) 'ی' اور 'وُ' کی تین آوازیں آتی ہیں مگر ان کے اعراب ابھی مسلّم نہیں ہوئے ہیں۔

(د) بعض اور مخلوط حروف بھی زبان میں آتے ہیں جن کی تحریر کے لیے کوئی عام قاعدہ نہیں بنا ہے۔

(2)

صحتِ تحریر نیز ٹائپ بنانے کی سہولت کے لحاظ سے میری تجویز یہ ہے کہ اوّل تو:

(ا) خواندگی کی ابتدائی کتابوں میں لفظ کے ہر رُکن کو علاحدہ لکھا جائے اور

(ب) دوسرے یہ ہے کہ حروفِ متصل کو بے قیدِ تعداد ملا کر نہ لکھا جائے بلکہ اس عمل کو چار حروف تک محدود کر دیا جائے یعنی کسی ایک لفظ میں چار سے زیادہ حروف ملا کر نہ لکھے جائیں (مگر مشدّد اور غنّہ یا مخلوط ہای آواز والے ایک حرف شمار ہوں گے)

اس تجویز کے مطابق ابتدائی کتابوں میں مثالاً لفظ 'مصیبت' کی املا 'مُ صی بت' اور عام تحریر میں 'مُصی بت' ہوگی۔

(2) دوسرا ایک ضروری قاعدہ یہ بنانا چاہیے کہ کسی رکن کا ایک حرف لفظ کے ایک جز میں اور دوسرا جداگانہ دوسرے جز میں ملا کر نہ لکھا جائے، جیسے: آجکل، گھرکنا، قرینہ وغیرہ الفاظ میں ملا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بالکل بے اصولی کی بات ہے اور مبتدی اور کم علم لوگوں کو اردو عبارت کے صحیح پڑھنے میں اس سے بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ میں تو یہاں تک سفارش کرتا کہ ایک رکن کے حروف کو دوسرے رکن کے ساتھ بالکل نہ ملایا جائے لیکن چوں کہ ہم کسی بڑے تغیر سے بھی بچنا چاہتے ہیں لہٰذا اس تجویز پر قناعت کی کہ ایک رکن کے حرفوں کو دو مختلف رکنوں کے ساتھ الگ الگ نہ ملایا جائے، صرف ایک اور رکن کے ساتھ ملا کر لکھنا جائز رکھا جائے یعنی گھرکنا اور قرینہ کو موجودہ املا کی بجائے اس طرح لکھا جائے: گھرک نا، قری نہ۔

(ب) جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مخلوط حروف ہای دھ، ڈھ، ڑھ کے لکھنے میں اور بھی قباحت یہ پیش آتی ہے کہ خود حرف کا ایک جز (یعنی دوچشمی ھ) اپنے اصل سے جدا لکھا جاتا ہے، لیکن دوچشمی ھ سے مخلوط حروف بنانے کا طریقہ اب اتنا عام ہو گیا ہے کہ اسے ترک کرنا دشوار ہوگا۔ البتہ میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ ہم ان تین مخلوط حروف کے لکھنے میں تھوڑی سی تبدیلی کر دیں اور ان حروف میں بھی دوچشمی ھ کو اصل حرف سے ملا کر اس طرح تحریر کیا جائے:

ڈھ، رھ، ڑھ

خوش نویسی میں یہ صورت نئی نہیں ہے۔ دوسرے جب ہم نے مان لیا ہے کہ یہ جداگانہ مخلوط آواز کے حرف ہیں تو ان کی تحریر میں عربی فارسی قواعد کی پابندی لازمی نہیں سمجھنی چاہیے۔ ہم نے اپنی

ضرورت سے ب، پ سے بھ، پھ کی شکلیں ایجاد کرلی ہیں تو منفصل حروف مخلوط کی شکلوں میں بھی حسبِ ضرورت تصرّف کر سکتے ہیں۔

(4) علاماتِ مصدر وغیرہ ہر قسم کے لاحقے اور سابقے جو اصل مادّے میں یعنی عموماً صیغۂ امر پر اضافہ کیے جاتے ہیں ان کو ملا کر نہ لکھا جائے بلکہ جدا تحریر کیا جائے، جیسے: لکھ نا، سنبھل نا، بیٹھ کر وغیرہ۔

(ب) مرکّب الفاظ کے اجزائے ترکیبی کو لازماً علاحدہ علاحدہ لکھا جائے، جیسے:

بل ونت، کن کٹا، بے دِل وغیرہ

ضروری تاکید: جب کہ ہم بعض صورتوں میں متصل حروف کو بھی الگ الگ لکھنے کی سفارش کر رہے ہیں، الفاظ کو جگہ چھوڑ چھوڑ کر لکھنا پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہو جائے گا۔ اس وقت بھی جو لوگ لفظوں کے درمیان کافی فصل نہیں چھوڑتے وہ غلطی کرتے ہیں کیوں کہ ہمارے یہاں لفظ کے ختم ہونے کی کوئی علامت مروّج نہیں ہے اور نہ اسے ایزاد کرنے کی اب سفارش کی جاتی ہے، لیکن قلمی تحریر میں ہر لفظ کو دوسرے سے الگ کر کے لکھنا چاہیے اور پتھر کے چھاپے میں پنجاب کی درسیات یعنی چار خانے کا مسطر اور الفاظ کے درمیان لازماً ایک خانہ چھوڑنے کا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ٹائپ میں ہر لفظ کو فصل دے کر لکھنا نسبتاً سہل ہے اور اس پر عموماً عمل بھی کیا جاتا ہے۔

(5) ہم آواز عربی حروف کی پانچ قسمیں ہیں:

ا — ع

ت — ط

ث — س — ص

ح — ہ

ز — ذ — ض — ظ

ہندی لوگوں کا ان آوازوں کو الگ الگ ادا کرنا تکلّف سے خالی نہیں۔ خصوصاً تیسری قسم کی تین اور آخری قسم کی چار آوازوں کا علاحدہ تلفّظ کوئی نہیں کرتا اور ان کی املا میں بھی غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ ان حروف کے بہ کثرت الفاظ ہماری زبان میں رائج ہو چکے ہیں اور ان میں کوئی انقلابی اصلاح کی جائے تو ہمارے طلبہ کو پچھلی کتابوں سے

استفادہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور عربی فارسی تحریر سے دوری بھی اہلِ اُردو خصوصاً مسلمانوں میں مقبول نہ ہوگی۔ ان تمام مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھ کر میری تجویز یہ ہے کہ اردو میں ان پانچ قسموں کے صرف دو دو حرف سے کام لینا جائز قرار دیا جائے اور حروف ص، ز، ض کو قاعدۂ ابتدائی کے آخر میں بچّوں کو پڑھا دیا جائے کہ وہ ان کی شکلوں سے نا آشنا نہ رہیں۔

(ب) اردو کی املا میں ص، ض اور ز کو ترک کر کے ص کی بجائے س اور ز اور ض کی بجائے ذ اور ظ سے کام لیں، ان کو موردِ اعتراض نہ بنایا جائے۔

ف[1]: ہم نے ز کو ترک کرنا اس لیے جائز قرار دیا ہے کہ اس شکل کے اردو میں چار حرف موجود ہیں اور ض کا صحیح تلفظ تو اردو داں کیا عربی داں حضرات میں بھی محلِ مناقشہ بنا ہوا ہے۔ پھر اگر ہم ض کو چھوڑیں تو اس کی بہن ص کی بجائے بھی س سے کام لے سکتے ہیں۔

ف[2]: اگرچہ صحیح مخرج کے اعتبار سے ز کی بجائے ظ اور ض کی بجائے ذ کا استعمال بہتر ہوتا۔ لیکن صورت کی مناسبت سے لوگ غالباً ز کو ذ اور ض کو ظ سے بدلنا پسند کریں گے۔

ف[3]: واضح رہے کہ ہم اس تبدیلی کو صرف جائز قرار دینے کی سفارش کرتے ہیں۔ لازم کر دینے پر مصر نہیں ہیں۔

(6) عربی حروفِ شمسی و قمری کا اردو میں فرق اٹھا دیا جائے اور مرکب الفاظ میں جب پہلے لفظ کے آخر فتحہ ہو تو الف لام کو ساکت نہ کیا جائے بلکہ جس طرح وہ قمری حروف سے مل کر ادا ہوتا ہے، اسی طرح جملہ حروف سے مل کر ملفوظ ہو، یعنی جس طرح اہل القمر میں بولا جاتا ہے اسی طرح اہل الشمس، اہل الدین وغیرہ شمسی حروف سے ملا کر بھی بولا جائے، یعنی (قاعدۂ عربی کے مطابق) ال کو چھوڑ کر ملنے والے حرف کو مشدد نہ کیا جائے۔

اکثر مستشرقینِ یورپ اسی قاعدے پر عمل کرتے ہیں تا کہ جو حروف تحریر میں آئیں وہ زبان سے بھی ادا ہوں۔

(ب) جب پہلے ترکیبی لفظ کے آخر میں فتحہ یا کسرہ ہو اور اسے دوسرے جز کے لام سے ملا کر پڑھا جائے اور الف ساکت ہو جیسے: ابن اللہ، بالفعل، بالکل وغیرہ میں تو الف پر گول جزم بنا دیا جائے اور ایسے جزم کو ہر جگہ حرف کے غیر ملفوظ ہونے کی علامت قرار دیا جائے۔

واضح رہے کہ عربی تحریر میں حرف پر اعراب نہ ہونا اس کے ساکت ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن اردو میں بلا اعراب کا حرف مفتوح قرار دیا گیا ہے لہٰذا ہمیں ساکت حرف

کے لیے الگ علامت بنانی چاہیے جیسا کہ اوپر تجویز کی گئی۔

(7) واوری کی تین آوازوں کو ادا کرنے کی انجمن ترقی اُردو نے علامتیں تجویز کی ہیں، لیکن میرے خیال میں ماقبلِ مفتوح اور معروف لکھنے کے جو قاعدے عربی اور فارسی اور اردو میں اب تک رائج رہے ان کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ہمیں مجہول آواز کے لیے جو ہندی لب و لہجے کی خصوصیت ہے، جداگانہ علامت بنا لینی چاہیے۔ اس کے لیے ہم اُلٹا جزم مقرر کر سکتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوگا کہ یہاں یہ حرف اپنی پوری آواز نہیں دیتا۔ جیسے: ہوٗ، بوٗ، کوٗ اور لئے، دے وغیرہ میں۔ غالباً اس علامت کا مطلب ناواقف لوگ بھی آسانی سے سمجھ لیں گے۔

(ب) وٗ اور یٗ مجہول کی یکساں علامت قرار دینے کے بعد ہم وٗ کی طرح یٗ کی بھی صرف ایک شکل سے ہر جگہ کام لے سکیں گے۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق کرنے اور بچوں کو الگ الگ پڑھانے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

(8) الف اور وٗ کی مخلوط آواز جو فارسی اور انگریزی الفاظ میں اکثر آتی ہے، جیسے: خواہر، Lord-Ball-Hall وغیرہ ہیں۔

(ب) ہندی الفاظ میں یا ے مخلوط کی آواز، جیسے: کیا، پیار وغیرہ میں۔

(ج) ہندی یا غیر زبانوں میں دو حرفوں کی مخلوط آواز، جیسے: تسانگ، کرشن وغیرہ میں۔

ان سب صورتوں کے واسطے میرے خیال میں مخلوط حروف کے نیچے خط کھینچ دینے کا طریقہ عام طور پر مسلّم اور مروّج کر لیا جائے، یا اور کوئی امتیازی علامت مقرر کی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے رسم الخط [رسمِ خط] کا امتیازی وصف حروف کو ملا کر لکھنا ہے اور اس میں وقت اور جگہ دونوں کی کفایت ہوتی ہے لیکن اول تو حروفِ منفصل کی موجودگی سے یہ خصوصیت جملہ الفاظ میں قائم نہیں رہتی۔ دوسرے بڑے بڑے لفظ اور علمی اصطلاحات یا غیر زبانوں کے اعلام و اسما کا صحتِ اعراب کے ساتھ لکھنا پڑھنا دقت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب جب کہ ہماری زبان کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور وہ محض بول چال اور شعر و شاعری ہی کی نہیں بلکہ درسی اور علمی زبان بن گئی ہے، ہمیں صحتِ تحریر اور پڑھنے پڑھانے کی سہولت نیز ٹائپ بنانے کی آسانیاں دیکھ کر اتصالِ حروف کے رواج کو محدود اور خاص خاص اصول کا پابند بنانا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ جو اصلاحی تجویزیں اس وقت پیش کی گئی ہیں اُن میں یہ مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ

موجودہ رسم الخط [رسمِ خط] میں کوئی انقلابی یا اساسی تغیر نہ کیا جائے جسے قبول کرنا لوگوں کو دشوار ہو یا جس سے ہماری طرزِ تحریر بالکل بدل جائے۔

---

(2) روداد مجلس منعقدہ 22 مارچ سنہ 1943

کمیٹی اصلاحِ رسمِ خط

(مرتبہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی)

اردو رسمِ خط کے متعلق چند تجویزوں پر غور کرنے کے لیے انجمن ترقّی [ترقی] اُردو (ہند) کے دفتر واقع دریا گنج، دہلی میں کمیٹی کا اجلاس 22 مارچ 1943 کو 11 بجے صبح منعقد ہوا جو اُسی دن تیسرے پہر برخاست ہوا۔ حسبِ ذیل صاحبوں نے شرکت کی:

1- مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

2- پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی

3- مولوی وہاج الدین صاحب کنتوری

4- ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

5- ڈاکٹر مولوی عبدالحق (داعی)

حسبِ ذیل تجویزیں منظور کی گئیں:

1- سفارش کی جاتی ہے کہ اردو کی کتابت اور خاص کر چھاپے میں ان امور کی پابندی کی جائے:

(ا) دو لفظوں کے درمیان واضح فاصلہ رکھا جائے اور یہ فاصلہ یکساں ہو نیز یہ فاصلہ اس فاصلے سے زیادہ ہو جو ایک ہی لفظ کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں رکھا جائے۔

(ب) ایک لفظ کے اوپر دوسرا لفظ یا ایک حرف کے اوپر دوسرا حرف کسی حالت میں نہ لکھا جائے، یعنی 'سرفراز' لکھا جائے نہ کہ 'سرفراز'، 'درد' لکھا جائے، نہ کہ 'درد'، 'گھبراہٹ' نہ کہ 'گھبراہٹ'۔

(ج) مرکب لفظ، جو دو یا زیادہ لفظوں سے بنے ہوں، آپس میں ملا کر نہ لکھے جاویں، بلکہ ہمیشہ الگ الگ لکھے جائیں؛ البتہ ان کے درمیان میں فاصلہ صرف اُتنا ہو جتنا ایک ہی لفظ کے

دو ٹکڑوں کے بیچ میں، جیسا کہ اِن مثالوں سے واضح ہوگا: جیسے آج کل، بن مانس، پن ڈبّی، کل جُگ، کل مُنتہا، کل دار، شاہ نامہ، شاہ جہاں آباد، شاہ جہاں پور، جے پور، اُدے پور، فرّخ نگر، ناگ پور، کان پور، دل لگی، گُل کاری، پھُل کاری۔

(د) بعضے مفرد لفظ دو طرح لکھے جاتے ہیں: بی بی اور بیبی، دُل دُل اور دلدل، ان کی منفصل لکھاوٹ اختیار کی جائے، اس طرح: کھل بلی، جھٹ پٹا، جھُن جھنا، گن گنا، ہَل چَل، گُل گُلا، رس گلا، لس لسا، کھٹ کھٹانا، کھٹ کھٹاہٹ، کھن کھناہٹ، کھن کھنانا، کھن کھناہٹ، داننا رکل رکل، جھن جھٹ۔

(ہ) ہمزہ جب کسی منفصل حرف کے بعد آئے تو بالکل جدا لکھا جائے، اس طرح پر کہ اس کے لیے کوئی شوشہ نہ ہو اور نہ ہمزہ کسی حرف کے اوپر لکھا جائے، بلکہ یوں ہو: آءی، آءے، بھاءی، ناءی، ملاءی، بھلاءی، بُراءی، رؤءی، اؤءی، سؤءی، سؤءیاں، دھوءیں، دوءیں، ڈوءیاں، آءِے، جاءِے، سُناءِے، کھاءِے، ترش رؤءِی، عیب جؤءِی، یؤسف زءِی، زاءِل، قاءِل، طاءِر، ماءِل، گھاءِل، ساءِل، زاءِد، قاءِدہ، قاءِم، داءِم، داءِر، ساءِر، لاطاءِل، ضاءِع، جراءِم، وظاءِف، تاءِید، ساءِلیس، رءِیس، عزراءِیل، میکاءِیل
[خود عربی میں اِن لفظوں کی لکھاوٹ دیکھیے: براءۃ، قراءۃ، سموءل]

(و) فارسی لفظ بہ، نہ، چہ، کہ، بے وغیرہ جو خود فارسی میں بھی کبھی دوسرے لفظ سے ملا کر اور کبھی الگ لکھے جاتے ہیں، اُردو عبارت میں الگ لکھے جائیں، جیسے: بہ خوبی، بہ ہر حال، بہ کمالِ شفقت، بہ دولت، نہ خورد، نہ گفت، چہ کنم، چے می گوءِی، چہ می گوءِیاں، حال آں کہ، بل کہ، چوں کہ، چناں چہ، غرض کہ، تاوقتے کہ، بہ شرطے کہ، بے شک، بے تحاشا، بے محابا وغیرہ۔

لمبے ے کو جو خاص کر ٹاءِپ [ٹائپ] میں دقتیں پیدا کرتی ہے اور اکثر بہت بدنما ہوتی ہے، قطعاً ترک کر دینا چاہیے۔ اس کی جگہ آدھے داءِرے [دائرے] والی یَ سے کام لیا جائے اور جب یَ سے پہلے مفتوح حرف ہو، تو بھی ی آدھے داءِرے [دائرے] کی ہو مگر اِس پر جزم ضرور ہو، جیسے جے، شے، مے، نے ہے۔

دھ، ڈھ، رھ، ڑھ لکھنے میں دو دو حروف ہیں۔ حال آں کہ ایک ہی آواز کو ادا کرتی ہیں۔ ان کو ملا کر لکھنا چاہیے اور منفصل حرف قرار دینا چاہیے، یعنی کسی حال میں اگلے حرف سے نہ ملیں۔ اس طرح ان کی شکلیں یہ قرار پاتی ہیں: دھ، (یا دھ)، ڈھ، (یا ڈھ)، ڑھ، (یا ڑھ)۔

مثالیں: ڈھ ن (بہ جاے ڈھن)، ادھ ڈ را (بہ جای ادھوُرا)۔ اسی طرح دھ ان، دھ رتی، دھ رم، دھ وبی، ڈھ ولی، ڈھ انپ، کاڑھ نا، کھڑاءی، ڈیڑھ وغیرہ۔

نون غنہ ہمیشہ منفصل لکھا جائے اور شکل اس کی یہ ہو: ں۔

مثالیں: بان س، پھان س، پھن س، کھون س، ہن س، وہ یہ سُن کر ہن سے گا، سن گھاڑے کہاں بکتے ہیں۔

5- عربی لفظوں کی کتابت کے متعلق سفارش کی جاتی ہے کہ:

(ا) اِن، عَن، مِن، فی (جو خود عربی میں الگ لکھے جاتے ہیں) اُردو میں بھی دوسرے لفظ سے ملا کر نہ لکھے جائیں، بل کہ یوں لکھنا چاہیے: ان شاء اللہ، عن قریب، من جانب، فی صد، فی کس وغیرہ۔☆

(ب) عربی کے حرفِ تعریف (ال) کی کتابت کے متعلق طے ہوا کہ:

(1) ال کے بعد کا لفظ اگر قمری حرف (یعنی ا، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی میں سے کسی حرف) سے شروع ہوتا ہو، اور ال سے پہلے بھی کوءی [کوئی] لفظ آکر اُس سے مرکّب ہوا ہو تو ال کی صرف الف پر گول جزم (بطورِ سکوت کی علامت) ہو؛ اس طرح: بالکل، بالفعل، عبدالجبار، عبدالقادر۔

(2) ال کے بعد کا لفظ اگر شمسی حرف (یعنی ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن میں سے کسی حرف) سے شروع ہوتا ہو تو ال کی ل پر سکوت کی علامت ہو (الف پر ضرورت نہیں)، لیکن اگر ال سے پہلے کوءی [کوئی] عربی لفظ آکر اُس سے مرکّب ہوا ہو، تو الف اور ل دونوں پر (اس طرح سے: اْلْ) سکوت کی علامت ہو، جیسے 'اْلسّلام علیکم'، 'علیکم اْلسّلام'۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ الف پر سکوت کی علامت ہو، ل خالی رہے مگر شمسی حرف پر تشدید ضرور لگادی جائے۔ اس صورت میں سیکھنے والے کو یہ بتایا جائے کہ اگر ل کے بعد والے حرف پر تشدید ہو، تو ل تلفظ میں نہ آئے گا۔

(ج) وہ عربی لفظ (یا نام) جو خود عربی میں دو طرح لکھے جاتے ہیں اُن کی اُس لکھاوٹ کو اختیار کرنا چاہیے جو اردو لکھاوٹ کے مطابق یا اُس سے قریب ہے، اور ان کی تفصیل یہ ہے:

☆ فارسی والوں نے انھیں ملا کر لکھنے پر اصرار کیا مگر یہ سراسر بے جا اور غلط ہے۔

(1)	ابرٰهیم	ابراهیم	اُردو میں صرف دوسری طرح لکھے جاتے ہیں یعنی ابراہیم، سلیمان، لقمان، شیطان اور اسی طرح لکھنا چاہیے۔
	سُلیمٰن	سُلیمان	
	لُقمٰن	لقمان	
	شیطٰن	شیطان	
(2)	اسمٰعیل	اسماعیل	اُردو میں بھی دونوں طرح؛ مگر ان کو بھی صرف دوسری طرح (اسماعیل، رحمان) لکھنا چاہیے۔
	رحمٰن	رحمان	
(3)	حیوٰة	حیاة	
	نجوٰة	نجاة	اردو میں حیات، نجات، رِبا، منات لکھتے ہیں اور اسی طرح لکھنا چاہیے۔
	رِبٰو	رِبا	
	منوٰة	مناة	
(4)	زکوٰة	زکاة	
	صلوٰة	صلاة	اردو میں زکات، صلات، مشکات لکھنا چاہیے۔
	مشکوٰة	مشکاة	

فائدہ: عربی میں ان لفظوں کی پہلی لکھاوٹ بہت پرانی ہے اور جب قرآن کا متن پہلے پہل لکھا گیا تو یہ لکھاوٹ اختیار کی گئی۔ اس کے بعد اس کو بدلنا پسند نہیں کیا گیا اور اب تک ہر حرف اُسی پرانی صورت اور ہیئت میں موجود ہے۔ مگر جب عربی میں کتابت کے اصول مقرر کیے گئے تو یہ لفظ پورے الف سے لکھا گیا اور ماسوا قرآن کے عربی کتابوں میں اکثر و بیش تر پورے الف والی لکھاوٹ پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ بڑی مستند کتابوں میں جب قرآن کی آیتیں نقل ہوئی ہیں اور ان میں ایسے لفظ آگئے ہیں تو بھی پورے الف سے لکھے گئے ہیں۔

(د) عربی کی ۃ کو اردو میں ہمیشہ ت لکھنا چاہیے۔

وہ عربی لفظ، جن میں الف مقصورہ لکھنا غلط ہے (مگر لوگ نادانستہ ان میں بھی مقصورہ الف لکھ دیتے ہیں جیسے استعفٰی، ارتضٰی، اجتبٰی، اصطفٰی) صحیح طریقے سے لکھے جاءیں [جائیں] یعنی استعفا، ارتضا، اجتبا، اصطفا۔

(و) عربی میں جو لفظ الف مقصورہ سے لکھے جاتے ہیں اردو میں وہ معمولی الف سے لکھے جاءیں اور ان کی تفصیل یہ ہے: اعلیٰ، ادنیٰ، اولیٰ، علیٰ حالہٖ، علیٰ حدہ، مولیٰ، مولٰینا، مُعلّٰی، مُصلّٰی، مثنّٰی، مجلّٰی، مربّٰی، معرّٰی، مدعٰی علیہ وغیرہ۔ ان میں بہت سے لفظ اردو (اور فارسی) میں معمولی الف سے لکھے جاتے ہیں، جیسے مربّا، معرّا، مصلّا، معمّا، منقا، تقاضا، تماشا، تمنا، تبرّا، تولا۔ کچھ

لفظ دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، جیسے مولا (یا مولیٰ)، مولانا (یا مولیٰنا)، معلاّ، مدّ عا علیہ۔ کچھ ایسے ہیں کہ ایک زمانے میں سیدھے الف سے لکھے جاتے تھے مگر لوگوں نے رجعت کی اور وہ پھر الف مقصورہ سے لکھے جانے لگے جیسے اعلا، ادنا، اولا☆۔ 'علیٰ حِدَۃ' دو لفظ ہیں (اور عربی میں کبھی ملا کر نہیں لکھے جاتے) مگر اردو والے ان کو ملا کر لکھتے ہیں 'علٰحدہ' یا 'علیحدہ'۔ بہتر ہے کہ 'علاحدہ' لکھا جائے، ان سب لفظوں کو یوں لکھنا چاہیے: ادنا، اعلا، اولا، لؤلا، مولا، مولانا، مدعا علیہ، متوفا، مستثنا، صلّ علا، مجلاّ، معمّا، مربا، علاحدہ۔ ناموں کو بھی یوں لکھ سکتے ہیں: عیسا، موسا، مصطفا، مرتضا، کسرا، صُغرا، کُبرا وغیرہ۔

6- فارسی اور عربی کے سوا کسی غیر زبان کا لفظ اردو میں لکھا جاے [جائے] تو اس کی صوتی ٹکڑوں کو جہاں تک ہو سکے، الگ الگ کر کے لکھنا چاہیے؛ جیسے (انگریزی): اِن فارمل، انس پک ٹر، مس ٹر، م ِسز، ڈاک ٹر، ک لک ٹر، اوورسی ء ر، سؤ پر داء زر، اِنس ٹی ٹیوٹ، کانگ رس، کان فرنس، یونی ورسٹی، سوپر اِن ٹن ڈنٹ، ٹی لی فون، رے ڈیو، اِس ٹے شن، ڈی پارٹ منٹ۔

کمیٹی کو اس امر کا پورا احساس ہے کہ کسی غیر زبان کے لفظوں کو ٹھیک تلفظ کے مطابق ادا کرنے کے لیے یہ تدبیر نا کافی ہے اور لغت اور لسانیات وغیرہ کی کتابوں کی لیے ہر زبان کی خصوصیاتوں کو پیشِ نظر رکھ کر زیادہ تفصیلی تجویزیں عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ اس لیے تجویز کی گئی کہ یہ مسئلہ کسی آیندہ موقعے تک ملتوی رکھا جاے [جائے]۔

7- رسمِ خط کو زیادہ آسان بنانے کی غرض سے چند اور تحریکیں بھی پیش ہوئیں جن پر دیر تک بحث ہونے کے بعد طے ہوا کہ تعلیمی ضرورتوں خاص کر بالغوں کی تعلیم میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ان امور کی سفارش کی جاے [جائے]:

(ا) مصدر یا کسی صیغے کے آخر میں جو نا (نی نے) تا (تی تے) وغیرہ آتے ہیں وہ اصل (یا مادّی) سے جدا کر کے لکھے جائیں، جیسے لے نا، لے تا، لے تی، لے تیں، دے نا، دے نی، دے نے، لکھ نا، لکھ تے، لکھ تی، لکھ تیں، سمجھ نا، سمجھ تے، سمجھ تی، بھیج نا، بھیج وانا، دل وانا وغیرہ۔

(ب) یٰ بھی (مثل اور حروفِ علّت آ اور وٗ کے) منفصل حرفوں میں شامل کی جائے اور

☆ خود عربی میں اس قسم کے لفظ بعض حالتوں میں معمولی الف سے لکھے جاتے ہیں جیسے: اعلاھُم، ادناہُ، مولانی وغیرہ۔

کتابت کی صورتیں، تلفظ کے مطابق، اس شکل سے ہوں:

مجہول	ماقبل مفتوح	معروف
بے ر	بے ن	بی ن
پھے ر	پے ر	پی ر
شے ر	صے د	شی ر
پے ٹ	پے ٹھ	پی ٹھ
کے لا	کے لاش	کی لا

(ج) خواندگی کی ابتداءی [ابتدائی] کتابوں میں لفظ کا ہر صوتی ٹکڑا (یا رُکن) علاحدہ لکھا جاءے [جائے] اور حروفِ متصل کسی حال میں چار سے زیادہ ملا کر نہ لکھے جاءیں [جائیں] مثلاً: بجائے 'مصیبت' کے 'مُ صی بت'، بجائے 'قرینہ' کے 'ق ری نہ'، بجائے 'گھر کنا' کے 'گھُ رک نا'

کمیٹی کے نزدیک اس تجویز میں ایک ترمیم یہ کی جاسکتی ہے کہ لفظ کا پہلا حرف اگر ایک صوتی رکن ہو مگر متصل حرفوں میں سے ہو تو وہ اگلے ٹکڑے سے الگ نہ کیا جائے نیز مشدد حرف دوبارہ نہ لکھا جائے یعنی بجائے 'ق ری نہ' کے 'قری نہ' اور بجائے 'عز زت' کے 'عزّ ت' لکھا جائے۔

اس امر کا آخری فیصلہ کہ ان دونوں میں سے کون سی صورت زیادہ مناسب ہوگی ان اصحاب کی راءے [رائے] پر چھوڑنا چاہیے جن کو تعلیم اور خصوصاً بالغوں کی تعلیم سے تعلق ہے۔

فائدہ: ان تینوں تجویزوں کے متعلق یہ بات بھی بحث میں آئی کہ شاید اس تجویز پر یہ اعتراض ہو کہ اگر ابتدائی تعلیم میں اس طرح کی سہولت بہم پہنچائی گئی تو جن لوگوں نے اس ڈھنگ سے پڑھنا سیکھا ہوگا وہ معمولی چھپی ہوئی کتابوں کو نہ پڑھ سکیں گے، اس لیے کمیٹی یہ بتادینا چاہتی ہے کہ اس طریقے سے تعلیم کے صرف ابتدائی مرحلوں میں کام لیا جاءے [جائے] گا اور جب پڑھنے والے ترقی کرلیں گے تو انھیں حرفوں کے مروّج جوڑ توڑ بنا کر ان کی مشق کرادی جاءے [جائے] گی اور یہ ہرگز دشوار نہ ہوگا۔

تجاویز اصلاحِ رسمِ خط

[منظور کردہ مجلس ذیلی کل ہند اردو کانفرنس، ناگ پور]

21 جنوری 1944 کو حسبِ اعلان رسمِ خط کی ذیلی مجلس کا، ناگ پور کانفرنس کے

شان دار پنڈال میں اجلاس ہوا۔ قریب قریب چالیس حضرات نے شرکت فرمائی۔ انجمن کی رسمِ خط کمیٹی کے میرِ مجلس ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی کوشش کے باوجود، ریل کے بروقت الہ آباد سے نہ چلنے کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ عبدالرحمان صاحب صدیقی ایم.ایل.اے (کلکتہ) نے جلسے کی صدارت فرمائی۔

انجمن کی کمیٹی نے اس باب میں جو تجاویز اپنے 22 مارچ 1943 کے اجلاس میں مرتب کی تھیں، وہ یکے بعد دیگرے پیش ہوئیں اور کافی غور و مباحثے کے بعد خفیف ترمیم و اضافے کے ساتھ منظور کی گئیں۔ یہ تجاویز 16 ستمبر 1943 کے اخبار 'ہماری زبان' میں شائع ہو چکی ہیں۔ ملخصاً دوبارہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں:

1- کتابت اور خاص کر چھاپے میں دو لفظوں کے درمیان واضح فصل چھوڑا جائے۔ ایک لفظ کے اوپر دوسرا لفظ نہ لکھا جائے۔ مرکب الفاظ کو ملا کر نہ لکھا جائے، جیسے: آج کل، کل جُگ، گُل کاری وغیرہ۔ اسی طرح ایسے مفرد الفاظ بھی جو دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، آیندہ منفصل ہی لکھے جائیں، جیسے: بی بی، کھل بلی، جھٹ پٹا، جھن جھناہٹ، بل چل وغیرہ۔ اور فارسی حروف بہ، نہ، چہ وغیرہ کو بھی ملا کر نہ لکھا جائے بلکہ علاحدہ تحریر کیا جائے، جیسے: بہ خوبی، بہ ہر حال، چناں چہ۔

2- ہمزہ جب کسی منفصل حرف کے بعد آئے تو جداگانہ لکھا جائے اور اس کے لیے کوئی شوشہ نہ بنایا جائے، جیسے آءی، ناءی، ساءِل، گھاءِل وغیرہ۔ (ایک گروہ کی راے میں جہاں آسانی سے ممکن ہو وہاں ہمزہ کی بجاے حرف الف ہی سے کام لیا جائے، جیسے: عزرااِیل، سااِیس وغیرہ)

3- دھ، ڈھ، رھ، ڑھ کو لکھنے میں ہاے مخلوط کو اصل حرف سے ملا کر لکھا جائے، یعنی: دھ، ڑھ۔ اور اصل حرف کی مثل انھیں بھی حرفِ منفصل قرار دیا جائے اور دوچشمی ہ کو لفظ کے دوسرے ٹکڑوں سے ملانے کی بجاے حسبِ ذیل طریق پر لکھا جائے:

دُھن (بجاے دُھن)، دھرتی (بجاے دھرتی)، پڑھنا (بجاے پڑھنا)

[حرف یؔ اور نونِ غنہ کے متعلق کمیٹی کی پہلی تجاویز مسترد کر دی گئیں اور قرار پایا کہ ان کی موجودہ کتابت جو انجمن ترقّی [ترقی] اُردو نے اختیار کی ہے، برقرار رکھی جائے]

4- عربی کے حرف اِن، مِن وغیرہ علاحدہ لکھے جائیں، جیسے: اِن شاء اللہ، لیکن آگے عربی ضمیر آنے کی صورت میں ملا کر تحریر ہوں، جیسے عنہُم، منہُم۔

5- عربی حرفِ تعریف ال کا الف یا لام جہاں ساکت ہوں وہاں اُن کے اوپر چھوٹا خط بنا دیا جائے، جیسے: السّلام اور علیکم السّلام وغیرہ۔

6- عربی ناموں اور عام الفاظ میں الف مقصور کی بجائے پورا الف لکھا جائے، جیسے ابراہیم، سلیمان، حیات، رِبا، اوراعلا، ادنا، مولانا وغیرہ۔

7- غیر زبان کے الفاظ کو الگ الگ ٹکڑوں میں لکھا جائے، جیسے: اِنس پک ٹر، ڈاک ٹر، یونی ورسٹی، اِنس ٹی ٹیوٹ، ڈپارٹ منٹ وغیرہ۔ لیکن حروفِ متصل جب شروع میں آئیں تو ایک رُکن ہونے کے باوجود اُنھیں جدا نہ لکھا جائے (جیسے مسز کا میم ہے)

8- صرف ابتدائی تعلیم کی حد تک کمیٹی نے یہ تجویز بھی قبول کی کہ علاماتِ مصدر یا ماضی وحال، اصل مادّے سے جدا لکھے جائیں، جیسے: لکھ نا، لکھ تے، سمجھ نا وغیرہ۔

(ب) دوسرے یہ کہ ان ابتدائی کتابوں میں ہر لفظ کے ایک ایک رُکن کو جدا کر کے لکھا جائے، لیکن شروع میں حرفِ متصل ہو تو اسے ملا کر ہی لکھا جائے گا، جیسے: مصی بت، قری نہ وغیرہ الفاظ ہیں۔

9- ایک اہم تجویز یہ منظور ہوئی کہ اعرابی یٰ کو الف اور واو کی مثل حرفِ منفصل قرار دیا جائے اور اس کی مجہول، معروف اور ماقبل مفتوح شکلوں کی کتابت وہی رہے جو انجمن نے اختیار کر رکھی ہے، جیسے: بےر (مشہور پھل)، بی ر (بہ معنی بھائی) اور بےر (بہ معنی دُشمنی)۔

10- ایک اور اہم قرار داد یہ پیش کی گئی کہ اصل تجاویز (مرتبہ راقم الحروف) کی دفعہ 5 کو ازسرِ نو رائے کے لیے اخبار 'ہماری زبان' میں شائع کیا جائے کیوں کہ کمیٹی کی رائے میں اس قسم کی اصلاح ضرور ہونی چاہیے۔ یہ تجویز حسبِ ذیل ہے:

عربی کے ہم آواز حروف جن کی تین اور چار شکلیں آتی ہیں، ان کو اردو تحریر میں گھٹا کر صرف دوشکلوں پر اکتفا کرنا جائز قرار دیا جائے، یعنی:

ث، س، ص میں سے ص کو، اور ز، ذ، ض، ظ میں سے ض اور ز کو حذف کر دیا جائے یا جو لوگ ان کی بجائے س اور ذ، ظ سے کام لیں ان پر حرف گیری نہ کی جائے۔ ایسے حروف کی باقی تین قسمیں یعنی (ا، ع، ت، ط اور ح، ہ، بہ دستور رہیں گے۔

اس آخری تجویز کی نسبت ہماری استدعا ہے کہ ناظرینِ اخبار اور دیگر اہل الرائے حضرات ہمیں اپنی رائے سے مستفید فرمائیں۔ ☆☆

انجمن کی املا کمیٹی، اُس کے ارکان اور اُس کے افکار

انجمن ترقیِ [ترقی] اردو (ہند) نے 1944 میں اردو املا کی بہتری کے لیے جو سفارشات پیش کی تھیں انھیں ایک کمیٹی نے مرتب کیا تھا۔ یہ سفارشات انجمن کے جریدوں سہ ماہی 'اردو' اور پندرہ روزہ 'ہماری زبان' میں بھی شائع ہوئی تھیں (ہفت روزہ 'ہماری زبان' اُس زمانے میں پندرہ روزہ ہوا کرتا تھا)۔ اطہر فاروقی صاحب، معتمدِ عمومی، انجمن ترقی اردو (ہند) کی فرمایش کی تعمیل میں اس کمیٹی میں شامل اصحاب کی مختصر سوانح، ان کے علمی کام اور املائی رجحانات پر کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔

ازراہِ کرم یہ ملحوظ رہے کہ یہاں املا سے متعلق صرف ان تجاویز اور افکار کو زیرِ بحث نہیں لایا گیا جو انجمن کی املا کمیٹی میں پیش کیے گئے تھے بلکہ انجمن کی املا کمیٹی کے ارکان کے ان املائی خیالات اور تجاویز کو بھی اس تحریر میں شامل کیا گیا ہے جو انھوں نے دیگر مواقع پر پیش کیے، خاص طور پر عبدالستار صدیقی کی املا سے متعلق آرا اور تجاویز مختلف مآخذ سے جمع کر کے یہاں پیش کی گئی ہیں۔ درحقیقت صدیقی صاحب اس کمیٹی کے گلِ سرسبد تھے۔ مولوی عبدالحق کی کمیٹی میں اپنی پیش کردہ تجاویز کیا تھیں وہ کہیں لکھی نہیں گئیں، لیکن ان کی مختلف تحریروں سے انھیں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ اور بات ہے کہ مولوی صاحب نے املا اور اصلاحِ املا پر بہت کم لکھا ہے۔

اس عاجز طالبِ علم نے ان تجاویز پر اپنی طالبِ علمانہ رائے بھی پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ امید ہے اہلِ علم اس جسارت کو تفہیم کی کوشش اور علمی استفسار کی ایک صورت اس لیے

سمجھیں گے کیوں کہ راقم کو کسی قسم کا کوئی دعوا یا کوئی خوش فہمی نہیں۔

ثانیاً، حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ ان اکابر کی تجاویز یہاں نقل کرتے ہوئے وہی املا رکھا جائے جو ان کی ترجیح تھی، البتہ بعض مقامات پر مجبوری یہ تھی کہ ان کے بعض مخصوص الفاظ یا املا کو کمپیوٹر میں لکھنا ممکن نہیں تھا، مثلاً حرف 'ی' کو لین یا مجہول کی صورت میں بعض اہلِ علم، خاص کر عبدالستار صدیقی اور پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، آدھی یا کٹی ہوئی لکھنا بہتر خیال کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ یہاں ممکن نہیں تھا۔ نیز بعض مقامات پر تصریح یا تفصیل ضروری تھی وہاں راقم نے اضافہ کیا ہے اور احتیاطاً ایسے تمام اضافے چوکور خطوطِ وحدانی (square brackets) یعنی [ ] میں کیے گئے ہیں تاکہ وہ اصل مصنف کے قوسین سے ممیز رہیں۔

حواشی آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔ البتہ حواشی کی تعداد اس تحریر کے نصف کے قریب پہنچ کر حد سے تجاوز کر گئی تو خیال آیا کہ یہ قاری کے لیے بھی الجھن کا باعث ہوگا اور اشاعت و طباعت میں بھی گراں باری کا سبب بنے گا، چناں چہ املائی تجاویز سے متعلق مآخذ کا حوالہ پہلی بار حواشی میں دینے کے بعد مزید تجاویز کا حوالہ وہیں متن کے بعد دے دیا گیا ہے اور قوسین میں صفحات نمبر کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ مآخذ کی دیگر تفصیل حسبِ دستور حواشی میں موجود ہیں۔ تمام مآخذ کی فہرست آخر میں الف بائی ترتیب سے پیش کر دی گئی ہے۔

املائی تجاویز کے ساتھ یہاں شمار کا عدد لکھا گیا ہے جو بعض صورتوں میں اصل متن میں نہیں تھا، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان تجاویز پر آخر میں تبصرہ کرتے وقت آسانی ہو اور پوری تجویز دوبارہ نہ دُہرانی پڑے۔

☆ انجمن ترقی اردو ہند کی اصلاحِ املا کمیٹی

انجمن نے اردو املا کی اصلاح کے لیے جو کوششیں کیں ان میں 1943 اور 1944 میں کیے گئے اقدامات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ 1944 میں پیش کی گئی املا کی سفارشات کا ڈول 1943 میں ڈالا گیا تھا۔ انجمن کے جریدے سہ ماہی 'اردو' دہلی (بعد میں اس کا نام 'اردو ادب' کر دیا گیا تھا) کے جنوری 1944 کے شمارے میں مولوی سید ہاشمی فرید آبادی کی ایک تحریر بہ عنوان 'اصلاحِ رسمِ خط' شائع ہوئی تھی جس سے اصلاحِ املا کی اس کمیٹی اور اس کی تجاویز/ سفارشات کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

لیکن تعجب ہے کہ اصلاحِ املا کے ضمن میں پیش کی گئی تجاویز، قرارداد اور انجمن کی کمیٹی کے اجلاس کی روداد کا احوال 'املا' کے بجائے 'رسمِ خط' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، غالباً اس لیے کہ اس میں بعض الفاظ کے لکھنے کے طریقے (اندازِ کتابت یا لکھاوٹ کے طرز) میں بھی تبدیلی کی سفارش کی گئی ہے۔ لیکن طرزِ کتابت میں تبدیلی بھی درحقیقت املا ہی کا حصہ ہے نہ کہ رسمِ خط کی تبدیلی کا۔ لیکن بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ چوں کہ ان تجاویز میں سے کچھ اردو لکھائی کے انداز میں بنیادی تبدیلیوں سے متعلق تھیں اور بعض تجاویز اردو رسمِ خط کے بنیادی اصولوں سے ہٹ کر تھیں اس لیے غالباً اسے یہ نام دیا گیا ہوگا۔ (ان کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

بنیادی طور پر انجمن کی 1944 کی تجاویز یا سفارشات املا کی اصلاح کے لیے تھیں نہ کہ رسمِ خط کی اصلاح کے لیے، اور دونوں میں فرق ہے، جیسا کہ رشید حسن خاں نے لکھا ہے:

> 'رسمِ خط کسی زبان کو لکھنے کی معیاری صورت کا نام اور رسمِ خط کے مطابق صحت سے لکھنے کا نام املا ہے، بہت سی بحثیں ایسی ہوئیں جو دراصل املا کے مسائل سے تعلق رکھتی تھیں مگر وہ رسمِ خط کے عنوان سے شروع ہوئیں ...کس لفظ کو کن حروف سے مرکب ہونا چاہیے یا لفظ میں ان کی ترتیب کیا ہونی چاہیے، یہ مسئلہ رسمِ خط کا نہیں۔ یا یہ کہ کون سے حرفِ تہجی ختم کردیے جائیں یا کسی خاص آواز کے لیے کسی نئی علامت کا اضافہ کیا جائے یہ بھی املا کے متعلقات ہیں۔ فرض کر لیجیے کہ آپ نے اردو کے حروفِ تہجی میں سے آٹھ حرف نکال دیے یا پانچ حرف یا چار نئی علامتیں بڑھادیں مگر اس سے رسمِ خط کی صورت تو نہیں بدلی۔ لفظوں کو لکھنے میں یا پڑھنے میں کبھی کوئی مشکل پیش آئی تو یہ کہا گیا کہ اردو کے رسمِ خط میں اصلاح کی ضرورت ہے اور اس بنیادی بات کو فراموش کردیا گیا کہ اصلاح املا میں ہوسکتی ہے رسمِ خط میں نہیں، وہ یا تو رہے گا یا نہیں رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسمِ خط میں تغیر ہوسکتا ہے اصلاح نہیں ہوتی۔'[1]

بہر حال، انجمن نے ان تجاویز کو املا کی اصلاح کے بجائے رسمِ خط کی اصلاح ہی کے عنوان سے پیش کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ہاشمی فرید آبادی کے مطابق اردو میں طباعت میں آسانیاں پیدا کرنی

ضروری تھیں تا کہ 'غیر زبان والوں میں بھی اسے خوب رواج دیا جاسکے۔' اسی مضمون میں مزید لکھتے ہیں کہ اردو کے دیگر بہی خواہوں کی طرح انجمن ترقی اردو بھی ان مسائل پر غور و بحث کرتی رہی ہے اور:

'جو حضرات اردو کو لو ہے کے ٹائپ میں چھاپنے کے شدّ و مدّ سے حامی ہیں وہ ہمارے رسمِ خط میں اور زیادہ تبدیلیوں کا تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ انھی تقاضوں کی بنا پر کاتب الحروف نے گذشتہ سال چند تجاویز مرتب کی تھیں جن کو چھاپ کر خاص خاص اہل الرائے کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔'[2]

ظاہر ہے کہ یہاں رسمِ خط میں تبدیلی سے مراد املا کی اصلاح ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انجمن کی 1944 کی املا کی تجاویز کا آغاز 1943 میں ہوا، پھر اہلِ علم کو یہ تجاویز ارسال کی گئیں اور پھر ان حضرات کو ایک اجلاس میں مدعو کیا گیا۔ یہ اجلاس، جیسا کہ ہاشمی صاحب کی تحریر سے ظاہر ہے، انجمن کے دفتر (دہلی) میں 22 مارچ 1943 کو ہوا۔[3] ہاشمی صاحب کے مطابق اس کے بعد ابتدائی تجاویز نیز مجلس کی روداد اور مجلس کی مزید تجاویز تحریر کی گئیں۔ سہ ماہی 'اردو' کے اس مضمون کے آخر میں ہاشمی صاحب نے کل ہند اردو کانفرنس (ناگ پور) کی مجلسِ اصلاحِ رسمِ خط کی منظور شدہ قراردادوں کو بھی پیش کیا ہے۔

'کمیٹی اصلاحِ رسمِ خط' کے اجلاس کی یہ روداد (مع تجاویز) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب نے مرتب کی تھی اور اسے ہاشمی صاحب کی اسی تحریر میں یعنی سہ ماہی 'اردو' کے مضمون میں شامل کرلیا گیا تھا البتہ وضاحت کردی گئی کہ یہ روداد اور املا کی تجاویز ڈاکٹر صدیقی صاحب کے قلم سے ہیں (بقیہ مضمون ہاشمی صاحب نے لکھا تھا)۔ عبدالستار صدیقی اس سے قبل 1931 میں بھی اردو املا سے متعلق اپنی تجاویز پیش کر چکے تھے (صدیقی صاحب کی ان تجاویز کا ذکر آگے آرہا ہے)۔

'اردو' کے اس شمارے میں عبدالستار صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

'اردو رسمِ خط کے متعلق چند تجویزوں پر غور کرنے کے لیے انجمن ترقی [ترقی] اردو ہند کے دفتر واقع دریا گنج، دہلی، میں کمیٹی کا اجلاس 22 مارچ 1943 کو صبح گیارہ بجے منعقد ہوا جو اسی دن تیسرے پہر برخاست

ہوا۔حسبِ ذیل صاحبوں نے شرکت کی:

1- مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

2- پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی

3- مولوی وہاج الدین صاحب کنتوری

4- ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

5- ڈاکٹر مولوی عبدالحق (داعی)،[4]

اس کمیٹی اور اس کے پس منظر کے مختصر ذکر کے بعد اب ان اصحاب کے مختصر سوانحی حالات اور املا و زبان کے ضمن میں ان کے افکار مختصراً پیش ہیں جو اس کمیٹی میں شامل تھے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی پیش کردہ املائی تجاویز کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

1- مولوی سید ہاشمی فرید آبادی

مولوی سید ہاشمی فرید آبادی نہایت عالم فاضل اور وسیع المطالعہ شخص تھے۔ تاریخ دان، نثر نگار، مترجم، شاعر اور متبحّر عالم ہونے کے ساتھ مولوی عبدالحق کے سب سے معتمد علیہ اور انجمن ترقی اردو کے مخلص کارکن تھے۔ طویل عرصے تک مولوی صاحب کے ساتھ مل کر انجمن اور اردو کی خدمت کرتے رہے۔

☆ سوانح

سید ہاشمی فرید آبادی کا اصل نام میر سید ہاشم علی حسنی تھا، 30 جنوری 1890 کو پیدا ہوئے۔[5] جائے پیدائش فرید آباد ہے[6] (جو دہلی کے قریب واقع ہے)۔ سید ہاشمی فرید آبادی کی والدہ غالب کی شاگرد اور رئیسِ لوہارو نواب علاء الدین خان علائی کی صاحب زادی تھیں، والد احمد شفیع سادات کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔[7] گویا علاء الدین علائی سیّد ہاشمی فرید آبادی کے حقیقی نانا تھے۔ احمد شفیع کے تین صاحب زادے تھے: مطلّی فرید آبادی، ابوتمیم فرید آبادی اور ہاشمی فرید آبادی اور تینوں ادیب و شاعر، لیکن جو ناموری سید ہاشمی فرید آبادی کے حصے میں آئی وہ ان کے دو بھائیوں کو نہیں ملی۔[8] سید ہاشمی نے 1907 میں میٹرک کیا اور علی گڑھ کے ایم اے او کالج میں داخل ہوئے۔[9]

اگرچہ کسریٰ منہاس نے لکھا ہے کہ 1913 میں بی اے کیا اور جنگِ بلقان میں

برطانوی حکومت کے خلاف چند نظمیں لکھیں چناں چہ علی گڑھ سے نکالے گئے[۱۰]۔ لیکن معاملہ تھوڑا سا مختلف ہے۔ نصر اللہ خان نے لکھا ہے کہ سید ہاشمی کی نظمیں 'زمیندار' اخبار میں بھی چھپتی تھیں اور ان کی نظم 'چل بلقان چل' نے قیامت برپا کر دی تھی۔ نیز یہ کہ کان پور کے سنگین واقعے کے بعد ہاشمی فرید آبادی نے 'سانحۂ کان پور: گورنمنٹ سے خطاب' کے عنوان سے جو نظم کہی تھی، نصر اللہ خان کے مطابق، اس کی پاداش میں انھیں علی گڑھ سے نکال دیا گیا اور اس طرح انھیں بی اے کی ڈگری نہ مل سکی[۱۱]۔

اس کے بعد سیّد ہاشمی کھل کر قومی سیاست میں آ گئے، حسرت موہانی کے ساتھ رہے اور سودیشی تحریک میں بھی ہاتھ بٹایا[۱۲]، اگرچہ بعد میں سودیشی تحریک کے مخالف ہو گئے تھے لیکن آزادی کی تحریک کے حامی رہے۔ ان کی نظم 'ناگن' بہت مشہور ہوئی اور پنڈت نہرو کی فرمائش پر سیّد ہاشمی نے انھیں آنند بھون میں یہ نظم سنائی تھی[۱۳]۔

سیّد یوسف بخاری دہلوی نے لکھا ہے کہ ہاشمی صاحب 1917 میں ریاستِ حیدر آباد (دکن) میں ملازم ہو گئے[۱۴] لیکن یہ درست نہیں۔ ہاشمی صاحب نے اپنے خودنوشت حالات میں لکھا ہے کہ '[میں] 1916 میں دارالترجمہ، حیدر آباد دکن، میں مقرر ہوا۔ آخر میں وہاں محکمۂ ہوم سکرٹری [کذا] میں مددگار مقرر کیا گیا' نیز یہ کہ 1912 میں مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مقرر ہوئے تو ان کے دفتر اورنگ آباد کی ابتدائی تنظیم میں حصہ لیا[۱۵]۔ ہاشمی صاحب بعد ازاں انجمن کی مجلسِ نظما کے بھی رکن رہے اور 1938 میں دہلی میں انجمن کے علمی کاموں میں شریک ہوئے[۱۶]۔ آزادی کے بعد پاکستان چلے آئے اور انجمن ترقیِ اردو پاکستان (کراچی) میں شریکِ معتمد (جوائنٹ سکریٹری) رہے[۱۷]۔ کچھ عرصے بعد لاہور چلے گئے اور وہاں پنجاب یونی ورسٹی کے زیرِ انتظام مرتب کیے جانے والے 'اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ' (اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جو بعد ازاں تیئیس (23) جلدوں میں مکمل ہوا) کے شعبے میں نظرِ ثانی کے کام پر مامور کیے گئے[۱۸]۔ انجمن کے رسالے 'اردو' کے سرورق اور لوح پر خاصے عرصے تک سیّد ہاشمی کا نام مولوی عبدالحق کے ساتھ بطورِ مدیر شائع ہوتا رہا۔ انجمن کی بعض کتابوں میں بھی انھیں 'جوائنٹ سکریٹری' لکھا گیا۔

وہ مولوی عبدالحق کے ساتھ انجمن ترقی اردو (دہلی) میں کام کرتے رہے اور کراچی آنے کے بعد انجمن کے دفتر میں کئی برس رہے۔ مولوی صاحب بھی وہیں رہتے تھے اور دونوں

میں بہت گہری دوستی تھی لیکن بعد میں کچھ لوگوں نے دونوں دوستوں میں اختلاف پیدا کروادیا اور وجہ بقول نصر اللہ خان یہی رہی ہوگی کہ مولوی صاحب کانوں کے بہت کچے تھے[۱۹]۔ یوسف بخاری دہلوی نے لکھا ہے کہ مولوی عبدالحق کانوں کے کچے، غصیل اور بہت جلد بدگمان ہو جانے والے تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب کے خلاف سازشیں عروج پر تھیں، عمر بھی خاصی ہو چکی تھی اور قوا مضمحل ہو چکے تھے۔ کسی سازشی نے کہہ دیا کہ ہاشمی صاحب آپ کی جگہ لینا چاہتے ہیں[۲۰] اور غالباً یہیں سے مولوی صاحب کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ ماہر القادری نے مولوی عبدالحق پر اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

'مولوی سیّد تقی الدین مرحوم سے مولوی صاحب کے پرانے تعلقات تھے، اردو کالج کی انھی نے بنا ڈالی تھی۔ ان کو مولوی صاحب نے کھڑے کھڑے علاحدہ کر دیا۔ یہی صورت سیّد ہاشمی فرید آبادی کے ساتھ پیش آئی۔ ہاشمی صاحب مولوی صاحب کے انتہائی مخلص رفیقِ کار تھے، کم از کم 35 سال سے وہ ہر مرحلہ [کذا: 'مرحلے' چاہیے] پر مولوی صاحب کے دست و بازو بنے رہے'[۲۱]۔

جلیل قدوائی نے لکھا ہے کہ مولوی عبدالحق سے اختلاف کے بعد سید ہاشمی نے انجمن سے لاتعلقی اختیار کر لی اور لاہور میں مقیم ہو گئے[۲۲]۔ یہ واقعہ 1954 کا ہے اور ہاشمی صاحب اس صورتِ حال پر بہت دل گرفتہ تھے[۲۳]۔ لاہور جانے کے بعد بھی سیّد ہاشمی مولوی عبدالحق کو بہت یاد کرتے تھے اور مولوی صاحب بھی سید ہاشمی کو کسی بہانے سے واپس بلانا چاہتے تھے، چناں چہ جب اردو کی ایک ضخیم و بسیط لغت کی تیاری و اشاعت کے لیے 1958 میں کراچی میں ترقیِ اردو بورڈ کا قیام عمل میں آیا (جس کا نام بعد ازاں اردو لغت بورڈ کر دیا گیا) اور مولوی عبدالحق اس کے پہلے مدیرِ اعلا مقرر ہوئے تو انھوں نے سیّد ہاشمی کو کراچی بلا کر اردو بورڈ میں مدیر کی خدمت تفویض کر دی[۲۴]۔

سیّد یوسف بخاری دہلوی (جو دہلی کی جامع مسجد کے امام کے بھتیجے تھے) بھی ہجرت کر کے کراچی آ چکے تھے۔ یوسف بخاری صاحب مولوی عبدالحق سے بھی قریب تھے اور سیّد ہاشمی سے بھی (جیسا کہ ان کے بیان کردہ کئی واقعات سے اندازہ ہوتا ہے)۔ یوسف بخاری صاحب بعد ازاں مولوی صاحب کی نظرِ عنایت کے سبب اردو بورڈ میں ملازم بھی ہو گئے تھے، لہٰذا بعض

روایات کے چشم دید گواہ ہیں۔ ان کے بقول ہاشمی صاحب کی لاہور سے واپسی اور اردو بورڈ سے وابستگی کا یہ واقعہ 1959 کا ہے اور چوں کہ اس وقت تک بورڈ کا کتب خانہ قائم نہیں ہوا تھا اور مولوی صاحب انجمن کے معتمد بھی تھے اور اردو بورڈ کے مدیرِ اعلا بھی، لہٰذا انجمن کے کراچی کے دفتر اور کتب خانے ہی میں بورڈ کی لغت کا کام ہو رہا تھا اور مولوی عبدالحق سے سید ہاشمی کی پرانی رفاقت اور بے تکلفی بحال ہو گئی تھی۔[۲۵]

سیّد ہاشمی کا دل صاف تھا اور وہ مولوی صاحب کی نود (90) سالہ سال گرہ بہت اہتمام سے منانا چاہتے تھے اور اس موقعے پر ایک یادگاری کتاب کے لیے خاصے مضامین بھی انھوں نے ہندستان اور پاکستان کے اہلِ قلم سے لکھوا لیے تھے لیکن افسوس یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اسی کتاب کے سلسلے میں ایک کمیٹی بنی تھی اور جلیل قدوائی کو کمیٹی کا اعزازی معتمد بنایا گیا تھا۔ لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ سازشی اپنا کام کر رہے تھے اور کچھ بدگمانیوں اور اختلافات کی وجہ سے جلیل قدوائی اس کمیٹی سے الگ ہو گئے۔[۲۶] تقریباً ایک سال بعد جون یا جولائی 1960 میں سیّد ہاشمی نے اختلافات کی وجہ سے ترقیِ اردو بورڈ (اردو لغت بورڈ) سے استعفا دے دیا اور لاہور چلے گئے۔ چند برس بعد وہیں لاہور میں ان کا انتقال ہو گیا۔[۲۷] سیّد ہاشمی فرید آبادی نے لاہور میں 19 جولائی 1964 کو انتقال کیا۔[۲۸]

☆ علمی کام

محولہ بالا اور بعض دیگر مآخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیّد ہاشمی فرید آبادی نہایت عالم فاضل، وسیع المطالعہ اور قابل انسان تھے۔ تاریخ پر عمیق نظر تھی اور تاریخ پر بہت وقیع کام بھی کیا۔ کثیر تعداد میں کتابیں اور مضامین لکھے اور تراجم بھی کیے۔ شاعر بھی تھے۔ مجموعۂ کلام 'سہ نظمِ ہاشمی' کے عنوان سے شائع ہوا۔ انگریزی میں بھی کچھ علمی و تحقیقی مضامین لکھے جن میں سے بعض حیدر آباد (دکن) کے رسالے اسلامک کلچر اور کچھ لندن سے بھی شائع ہوئے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لیے بھی تاریخی شخصیات پر کچھ مقالے لکھے۔ تصانیف و تراجم کی تعداد پینتیس (35) سے متجاوز ہے جن کا ذکر مختلف مآخذ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے[۲۹] اور ان میں سے چند یہ ہیں: تاریخِ یونانِ قدیم (ترجمہ، تین جلدیں)، تاریخِ پاکستان و بھارت (دو جلدیں)، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقیِ اردو، مشاہیرِ یونان و روما (ترجمہ، چار جلدیں)، مآثرِ لاہور، تاریخِ ہند (دو

جلدیں)۔ ہاشمی فرید آبادی کے کچھ مضامین انجمن کے جریدے 'اردو' میں بھی شائع ہوئے۔

☆ املا سے متعلق ہاشمی صاحب کے خیالات اور تجاویز

سید ہاشمی فرید آبادی انجمن کی املا کمیٹی میں تھے اور بے شک اس کے پوری طرح اہل بھی تھے لیکن اس سے قبل انھوں نے املا کے ضمن میں بہت ہی کم لکھا تھا اور ان کا ایک کام جو انجمن کے جریدے اردو کی جولائی 1921 کی اشاعت میں (یعنی املا کمیٹی کی تشکیل سے کوئی بائیس سال قبل) شامل ہے، غالباً اس موضوع پر ان کا پہلا کام تھا۔ اس کے عنوان میں بھی اصلاحِ املا کے بجائے 'تجویزِ اصلاحِ رسمِ خط درج' ہے۔ اس مضمون کے مصنف کی حیثیت سے ان کے نام کے ساتھ 'رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ' لکھا گیا تھا کیوں کہ اس زمانے میں وہ اس سے وابستہ تھے۔

سہ ماہی 'اردو' کے جولائی 1921 کے شمارے میں شامل ہاشمی صاحب کے اس مضمون کی ابتدا اس جملے سے ہوتی ہے کہ اردو کے جنوری (1921) کے شمارے میں عبداللہ یوسف علی کا مضمون اسی عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے مرکب افعال والفاظ کو ملا کر لکھنے سے متعلق چند قاعدے بتائے تھے لیکن، سید ہاشمی کے مطابق:

1- یہ سب قاعدے ایک مقررہ اصول کے تحت آتے ہیں اور وہ اصول یہ ہے: 'تمام مستقل الفاظ خواہ وہ مفرد استعمال کیے گئے ہوں اور خواہ مرکب الفاظ کا جزو بن گئے ہوں، علاحدہ علاحدہ اور بغیر ملائے تحریر کرنے چاہییں۔'[39]

2- اس مضمون میں عبداللہ یوسف علی کی بعض تجاویز سے سید ہاشمی نے اختلاف کیا اور مذکورہ بالا اصول کو درست مانتے ہوئے کہا کہ 'مرکب الفاظ کے جواجزا ترمیم وترخیم کی وجہ سے اب مستقل لفظ نہیں رہے ان کو صاحب موصوف کی تجویز کے مطابق ہم علاحدہ لکھنا درست نہیں سمجھتے۔' (ص469)

3- کن پھٹا اور پن گھٹ کا درست املا (ہاشمی صاحب کے خیال میں) کنپھٹا اور پنگھٹ ہونا چاہیے۔ ان کے خیال میں اس طرح کے مرکب الفاظ کو الگ الگ لکھنا، یعنی کن پھٹا اور پن گھٹ جیسا کہ عبداللہ یوسف علی نے لکھا تھا، 'تکلف سے خالی نہیں اور پتھر کے چھاپے یا عام تحریر میں اس کی پابندی کرنی محال ہوگی۔' (سہ ماہی 'اردو' جولائی 1921، ص470)

-4 دوسری تجویز جو عبداللہ یوسف علی نے دی تھی وہ 'ی' اور 'و' اور اعراب سے متعلق تھی۔ سید ہاشمی نے اعتراض یہ کیا کہ اردو کے بعض الفاظ بغیر اعراب کے صحیح نہیں لکھے جا سکتے جس کی طرف عبداللہ صاحب نے، بقول ہاشمی صاحب کے، کوئی توجہ نہیں دی (ص 470)۔

-5 سیّد ہاشمی مزید لکھتے ہیں کہ دَیر (یعنی معبد) اور دَور (یعنی چکر) میں دال پر زبر لگانے سے ان کا صحیح تلفظ ظاہر ہوتا ہے جسے 'ماقبل مفتوح' کہا جاتا ہے۔ (سہ ماہی 'اردو' جولائی 1921، ص 470)

-6 سیّد ہاشمی نے 'ی' یعنی یاے معروف اور واوِ معروف کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ مثلاً دِیر (فارسی تلفظ بمعنی تاخیر) اور دُور (یعنی بعید) پر اعراب (پیش یا زیر) لگانے سے تلفظ واضح ہوتا ہے لیکن واو مجہول اور یاے مجہول کے لیے کسی اعراب کی ضرورت نہیں کیوں کہ پھیر، ڈھیر، ڈول اور گھول وغیرہ میں کوئی علامت (یعنی زیر یا پیش) لگائے بغیر بھی ان کا درست تلفّظ واضح ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بقولِ ہاشمی صاحب کے اردو میں ان حروف (واوِ مجہول اور یاے مجہول) کو خود حرفِ علت [یعنی مصوتہ یا vowel] مان لیا گیا ہے۔ ایسے الفاظ کے لیے اردو میں کوئی علامت مقرر نہیں۔ (ص 470)

-7 اس کے بعد سید ہاشمی نے ہکاری یا ہائیہ آوازوں (aspirated sounds) کے لیے ہاے مخلوط یعنی دوچشمی ہ (ھ) کے لکھنے پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ 'لمبی ی کی طرح پنجاب والوں نے اردو میں دوچشمی ہ کے حروف (بھ، پھ، وغیرہ) بنا کر ایک اور بے اصولی پیدا کر دی ہے' (ص 471)۔ لیکن ان کا یہ خیال بھی تھا کہ ان مخلوط آوازوں (ان کی مراد ہائیہ آوازوں بھ، تھ، پھ، وغیرہ یعنی aspirated sounds سے ہے) کے لیے پنجاب کے محکمۂ تعلیم نے جو قاعدے مقرر کیے ہیں وہ 'خوبی اور سہولت' کی بنا پر ملک میں رائج ہوتے جا رہے ہیں۔ (ص 471)

-8 ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ان ہائیہ یا ہکاری آوازوں کو 'علاحدہ یا مستقل حرف کی آواز قرار دینا محض غیر ضروری ہے۔' (ص 471)

-9 ایک تجویز یہ تھی کہ نون غنے اور نون میں امتیاز کرنے کے لیے نون کے نقطے پر الٹا جزم بنایا جائے (ص 472)، جیسے لفظ گنوار پر۔ (ص 473)

-10 نیز جن الفاظ میں 'ی' کی آواز الف کے ساتھ مل کر نکلتی ہے مثلاً کیا (حرفِ استفہام)،

پیاس، دھیان، گیان وغیرہ، ان الفاظ کے درست تلفّظ اور 'ی' کو ظاہر کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے (ص 471)۔ اسی طرح جو الف، بقول ان کے، لفظ کے شروع میں حروفِ صحیحہ (ان کی مراد مصمّتے یا consonant سے ہے) سے مل کر نکلتا ہے جیسے اسمتھ اور اسکول، اس کو ظاہر کرنے کا بھی کوئی قاعدہ نہیں اور پھر تجویز پیش کرتے ہیں کہ ان سب کی وضاحت کے لیے 'اہلِ پنجاب نے نَ غنہ کو تحریر میں ظاہر کرنے کا جو قاعدہ نکالا ہے وہ اس قسم کے تمام حروفِ مخلوط کے واسطے اختیار کرلیا جائے۔' (سہ ماہی 'اردو' جولائی 1921، ص 473)

اصلاحِ املا کے ضمن میں سیّد ہاشمی فرید آبادی کی جو تحریر جنوری 1944 کے 'اردو' میں شامل ہوئی اس میں انھوں نے املا سے متعلق کچھ آرا پیش کی تھیں[۱۲]۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

11- ایک تجویز یہ تھی کہ چوں کہ اردو الفاظ کے بعض رکنوں کے حروف لکھائی میں اس طرح آتے ہیں کہ ایک رکن کے بجائے دوسرے رکن سے جڑ جاتے ہیں (یہاں رکن سے ان کی مراد غالباً صوت رکن یعنی سلیبل syllable ہے) اس لیے انھیں توڑ کر لکھا جائے۔ اس سلسلے میں جو مثالیں دی گئی ہیں وہ ہیں: قرینہ، کھرچنا، گھرکنا (ص 104-06)۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ 'صحتِ تحریر اور ٹائپ بنانے کی سہولت کے لحاظ سے 'تجویز ہے کہ خواندگی کی ابتدائی کتابوں میں ہر رکن کو علاحدہ لکھا جائے اور 'حروفِ متصل کو بے قیدِ تعداد ملا کر نہ لکھا جائے بلکہ اس عمل کو چار حروف تک محدود کردیا جائے۔' پھر مثال دی ہے کہ لفظ 'مصیبت' کو ابتدائی کتابوں میں 'مُ صی بت' اور عام تحریر میں 'مصی بت' لکھا جائے (ص 105)۔ گھرکنا کو 'گھر ک نا' اور 'قرینہ' کو 'قری نہ' لکھا جائے (ص 105-06)۔ اسی سے ملتی جلتی ایک تجویز یہ تھی کہ علامتِ مصدر (یعنی نا)، سابقے اور لاحقے اصل مادے سے توڑ کر الگ لکھے جائیں، مثلاً لکھنا کو لکھ نا [یعنی لکھ الگ اور نا الگ]، سنبھلنا کو سنبھل نا، بلونت کو بل ونت، کنکنا کو کن کنا اور بیدل کو بے دل لکھا جائے (ص 106)۔

12- اردو میں ہائے مخلوط لکھنے کے لیے دو چشمی ہ (ھ) لکھی جاتی ہے لیکن ڑھ، دھ اور ڈھ کے لکھنے میں ھ کو جدا لکھا جاتا ہے چناں چہ انھیں ایسے لکھا جائے کہ دال اور ڈال وغیرہ کا نچلا سرا دو چشمی ھ کے حلقے سے مل جائے۔ (ص 107)

13- اردو کے حروفِ تہجی میں سے ص، ض اور ز کو ترک کر دیا جائے۔ (ص 107) اگرچہ اس تجویز کو لازم نہیں صرف 'جائز' قرار دینے کی تجویز دی گئی تھی۔ (ص108)

14- حروفِ شمسی اور حروفِ قمری کا فرق مٹا دیا جائے، مثلاً اہل الشمس اور اہل الدّین میں شمسی حروف بھی بولے جائیں۔ (ص108)

15- جہاں الف 'ساکت' ہو [اسے اب ہم غیر ملفوظی (silent) کہتے ہیں اور جس حرف پر جزم ہو اسے اب ہم ساکت نہیں ساکن کہتے ہیں] وہاں اس پر ایک 'گول جزم' بنا دیا جائے، مثلاً 'بالکل' یا 'بالفعل' میں الف پر۔ (ص109)

16- اعراب سے متعلق کہا گیا کہ ماقبل مفتوح (لین) اور معروف کے قاعدے بدلنے کی ضرورت نہیں لیکن واوِ مجہول کے لیے تجویز پیش کی گئی کہ واوِ مجہول کے اوپر الٹا جزم بنایا جائے (ص109)۔ اسی طرح یائے مجہول پر بھی الٹا جزم بنا دیا جائے تو چھوٹی ی اور بڑی ے کا فرق الگ سے کرنے اور بچوں کو پڑھانے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی (ص 109)۔ [الٹے جزم سے مراد یہ شکل ہے: ˇ]

17- ایک رائے یہ تھی کہ الف اور واو کی مخلوط آواز جو فارسی کے الفاظ مثلاً خواہر اور انگریزی کے الفاظ مثلاً hall, ball, lord میں آتی ہے، نیز ہندی کی یائے مخلوط جو کیا [حرفِ استفہام، what کے مفہوم میں] اور پیار وغیرہ میں آتی ہے اور دیگر مخلوط آوازوں مثلاً تسا تنگ یا کرشن میں، اس مخلوط آواز کے نیچے خط کھینچ دیا جائے یا کوئی اور علامت مقرر کی جائے۔ (ص109)

آخر میں کہا گیا ہے:

> 'اس میں شک نہیں کہ ہمارے رسمِ خط کا بنیادی وصف حروف کو ملا کر لکھنا ہے اور اس میں وقت اور جگہ دونوں کی کفایت ہوتی ہے لیکن اول تو حروفِ منفصل کی موجودگی سے یہ خصوصیت جملہ الفاظ میں قائم نہیں رہتی۔ دوسرے بڑے بڑے لفظ اور علمی اصطلاحات یا غیر زبانوں کے اسماو اعلام کا صحتِ اعراب کے ساتھ لکھنا پڑھنا دقت سے خالی نہیں رہتا... ہمیں صحتِ تحریر اور پڑھنے پڑھانے کی سہولت نیز ٹائپ بنانے کی آسانیاں دیکھ کر اتصالِ حروف کے رواج کو محدود اور خاص خاص اصول کا

پابند بنانا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ جو اصلاحی تجویزیں جو اس وقت پیش کی گئی ہیں ان میں یہ مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ موجودہ رسمِ خط میں کوئی انقلابی یا اساسی تغیر نہ کیا جائے جسے قبول کرنا لوگوں کے لیے دشوار ہو یا جس سے ہماری طرزِ تحریر بالکل بدل جائے۔'(ص 10-109)

☆ معروضات

اب ان تجاویز پر یہ عاجز طالبِ علم مختصراً کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہے گا۔ یہاں شمار کا عدد وہی رکھا گیا ہے جو اوپر تجاویز کے ساتھ درج ہے:

1 تا 3۔ شمارہ جولائی 1921 میں شامل ان کی ایک تجویز الفاظ کے اجزا کو ملا کر لکھنے سے متعلق تھی اور کہا گیا کہ تمام مستقل الفاظ الگ الگ لکھنے چاہییں۔ گویا 'کن' اور 'پن' کو مستقل لفظ ماننے کے بجائے محض سابقے سمجھا گیا اور اسی لیے کہا گیا کہ کنپھٹا اور پنگھٹ کو الگ الگ لکھنا محض تکلف ہے۔ چلیے اس بحث کو موقوف کرتے ہیں کہ کن (کان کی تخفیف شدہ صورت) اور پن (پانی کی تخفیف شدہ صورت) مستقل الفاظ ہیں یا نہیں ہیں لیکن یہ کہنا کہ ان کو عام تحریر میں لکھنا اور ٹائپ میں چھاپنا مشکل ہوگا نا قابلِ فہم ہے۔ الگ الگ لکھے ہوئے اجزاے الفاظ کو ٹائپ میں چھاپنا آسان ہوتا اور پتھر (یعنی لیتھو) کی چھپائی یا عام تحریر میں الگ الگ لکھنے کی پابندی بھلا کیوں کر محال ہوتی؟ بلکہ اردو ٹائپ میں تو آسانی الگ الگ لکھنے اور چھاپنے میں تھی۔ لیکن بہ ہر حال یہ ان کی رائے تھی۔ البتہ موجودہ دور میں جب طالبِ علموں کو کسمپرسی (کس مپُرسی) کا تلفظ 'کسم پرسی' اور دستکاری (دست کاری) کا تلفظ 'دس تکاری' کرتے سنتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ ان الفاظ/مرکبات کے اجزا کو الگ الگ لکھنا ہی بہتر ہے۔ لیکن ملے ہوئے املا کو غلط نہیں کہا جا سکتا اور انھیں بھی درست ماننا چاہیے۔

4 تا 6۔ یاے مجہول اور واوِ مجہول کے ضمن میں ان کی تجویز معقول تھی کہ ان پر کوئی اعراب نہ لگائے جائیں اور یہ عام طور پر اب بھی رائج ہے (اگرچہ رشید حسن خاں صاحب اس سے متفق نہیں تھے)۔ کراچی کے اردو لغت بورڈ (جس کا نام پہلے ترقی اردو بورڈ تھا) نے بھی اسی طرح کا قاعدہ پیشِ نظر رکھا ہے اور بورڈ کے زیرِ انتظام و ادارت کراچی کی بڑی لغت کی تدوین کا آغاز کیا گیا تو اعرابِ مکتوبی کے لیے جو اصول وضع کیے گئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا

کہ واوِ لین اور یاے لین (جسے ماقبل مفتوح بھی کہا جاتا ہے) کے لیے 'ی' اور 'و' سے پہلے والے حرف پر فتحہ (زبر) لگایا جائے گا۔ جب کہ واو سے پہلے والے حرف پر ضمہ (پیش) مجہول اور 'ی' سے پہلے والے حرف پر کسرہ (زیر) معروف ہونے کی علامت ہے۔ نیز یہ کہ جس 'و' اور 'ی' سے پہلے ضمہ یا کسرہ یا فتحہ (زبر) نہ ہو اُسے مجہول سمجھنا چاہیے'[۳۲]۔ پاکستان کی حد تک تو یہ اصول تقریباً پوری طرح رائج ہے اور صرف لین اور معروف ہی کے لیے اعراب لگائے جاتے ہیں نیز کوئی اعراب نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسے مجہول پڑھنا ہے۔

7 اور 8۔ بقول ہاشمی فرید آبادی کے، اہلِ پنجاب نے بھ، پھ جیسے حروف دو چشمی ھ سے لکھ کر 'بے اصولی پیدا کر دی' کیوں کہ ان کے خیال میں یہ مخلوط آوازیں الگ حرفِ تہجی نہیں ہیں۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اردو میں ہکاریت (aspiration) انگریزی کے برعکس بالکل واضح ہوتی ہے اور تمام ہائیہ آوازیں (aspirated sounds) الگ الگ فونیم (phoneme) یا صوتیے کی حیثیت رکھتی ہے اور چوں کہ حروفِ تہجی آوازوں کی علامت ہوتے ہیں لہٰذا ہر آواز کی اصولاً ایک الگ علامت (یعنی حرفِ تہجی) ہونا چاہیے۔ اسی لیے ہائیہ آواز کے لیے الگ حرف ہونا بالکل درست بلکہ سائنٹفک ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس کو تسلیم کیا اور اردو لغت بورڈ (کراچی) نے بھی اسے اختیار کیا اور بعدازاں ہمارے کئی ماہرینِ لسانیات (مثلاً مسعود حسین خان) نے بھی اس کی توثیق کی ہے[۳۳]۔

کچھ ہی عرصے میں اردو کی تمام مطبوعات (بشمولِ مطبوعاتِ انجمن ترقی اردو) میں ہائیہ یا ہکاری آوازوں کے لیے دو چشمی ہا (ھ) لکھی جانے لگی۔ لسانیاتی قاعدوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ لسانیات کی روشنی میں بھی ان آوازوں کو الگ آواز ماننا درست ہے۔ اردو حروفِ تہجی میں ایسی پندرہ (15) ہائیہ آوازوں کے لیے الگ الگ حروفِ تہجی ہیں، یہ اور بات ہے کہ دیوناگری رسمِ خط کے برعکس اردو والوں نے ان آوازوں کے لیے الگ حرفِ تہجی وضع نہیں کیے بلکہ ان کو دو چشمی ھ سے لکھ کر مرکب حرفِ تہجی یعنی بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ بنا لیے (دیوناگری میں ان میں سے تمام ہائیہ آوازوں کے لیے الگ حروف ہیں اور اسی لیے بعض ماہرین مثلاً گوپی چند نارنگ اردو میں دس یا گیارہ ہائیہ آوازوں کو مانتے ہیں لیکن ان کا یہ خیال اردو کی حد تک درست نہیں ہے)۔

وقت نے ثابت کیا کہ ان آوازوں کو کہنی والی 'ہ' سے لکھنے سے جو الجھن پیدا ہوتی تھی

دوچشمی ھ کی وجہ سے اس الجھن سے اردو کو نجات مل گئی۔ ورنہ کھانا کو 'کہانا'، پھر کو 'پہر' اور پھل کو 'پہل' لکھنا پڑتا۔ 'اہلِ پنجاب' کی یہ اختراع اردو کے لیے فالِ نیک ثابت ہوئی۔

9 اور 10۔ اگر اہلِ پنجاب نے یائے معروف اور یائے مجہول کی علامات کو الگ الگ پہچاننے کے لیے چھوٹی 'ی' اور بڑی 'ے' لکھنی شروع کی تو یہ بھی اردو پر احسان کیا ورنہ آج کے دور میں تلفظ کے بہت لطیفے سننے کو ملتے۔ نون غنّہ پر الٹے جزم کی علامت جو بقول ان کے اہلِ پنجاب کی تجویز تھی بہت معقول تھی اور اردو لغت بورڈ (کراچی) نے بھی اسے اپنی لغت کے املائی اصولوں میں شامل کیا اور نون پر 'الٹا سکون' (یعنی الٹا جزم) جو اردو کے ہندسے آٹھ (8) کو الٹنے سے بنتا ہے (اور جس کی شکل یہ ہے: ˇ) غنہ یا مغنونہ ہونے کی علامت ٹھہرا۔[۳۴]

دوسری طرف اہلِ پنجاب کی نون غنّے کو ظاہر کرنے کے لیے الٹے جزم کی تجویز انھیں اتنی اچھی لگی کہ باقی تین آوازوں کے لیے بھی اسے تجویز کر دیا۔ لیکن دوچشمی ھ کے رواج کے بعد ہائیہ آوازوں کو کہنی والی 'ہ' اور الٹے جزم کو ملا کر لکھنے کی تجویز، خود سیّد ہاشمی کے الفاظ مستعار لیے جائیں تو، 'تکلف سے خالی نہیں۔'

11 تا 14۔ یہ طالبِ علم عرض کرتا ہے کہ ان میں سے بعض تجاویز (مثلاً اردو کے حروفِ تہجی سے بعض حروف کا اخراج اور حروفِ شمسی و قمری کا فرق ختم کرنے کی تجویز نیز اردو کے اندازِ کتابت یا لکھائی کے بنیادی اصولوں سے انحراف) ایسی ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ انجمن ترقی اردو کے دفتر سے ایسی تجاویز آسکتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان تجاویز کا بنیادی مقصد و منشا صرف اردو میں پتھر (لیتھو) کی چھپائی کے بجائے ٹائپ کی طباعت کو فروغ دینا ہے اور اس میں آسانیاں پیدا کرنا ہے، چاہے اس کے لیے اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد کم کرنی پڑے یا اردو رسمِ خط کے بنیادی اصولوں میں تبدیلی کرنی پڑے۔ مثلاً اردو لکھائی میں بعض حروف اپنے سے پہلے آنے والے حروف سے تو جڑ سکتے ہیں لیکن اپنے سے بعد والے حروف سے نہیں جڑتے، جیسے ا (الف)، د، ڈ ذ، ر، ڑ، ز، ژ اور و اپنے بعد آنے والے کسی حرف سے نہیں جڑ سکتے۔ اس میں تبدیلی کی تجویز نرم لفظوں میں حیران کن ہی کہی جاسکتی ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ سیّد ہاشمی کہیں تو الفاظ کو توڑ توڑ کر لکھنے کے حق میں ہیں اور مصیبت کو 'مصی بت' یا 'مُ صی بت' اور گھر کنا کو 'گھر ک نا' لکھنا چاہتے ہیں لیکن دوسری طرف بعض ایسے حروف کو آپس میں جوڑنا چاہتے ہیں جو اردو ہجے کے اصولوں کے لحاظ سے جڑ نہیں سکتے۔ اگر چھپائی یا لکھائی میں آسانی

ہی پیدا کرنی تھی تو سب کو توڑ توڑ کر لکھنے کی یکساں تجویز پھر بھی کسی قاعدے کے تحت ٹھہرتی۔ غالباً بنیادی مقصد سلیبل (Syllable) یعنی صوت رکن کے لحاظ سے الفاظ کو ٹکڑوں میں لکھنا، ٹائپ اور عام تحریر میں آسانیاں پیدا کرنا تھا، جس کی بظاہر کوئی تک نظر نہیں آتی۔

دیگر تجاویز:

یائے مخلوط (مثلاً پیاس، پیاز، کیاری جیسے الفاظ میں 'ی' کا تلفظ) کو ظاہر کرنے کے ضمن میں اب تک کوئی اعراب یا متبادل تجویز سامنے نہیں آئی اور نہ ہی اسکول اور اسمتھ جیسے الفاظ کے سلسلے میں کوئی اصول طے ہو سکا ہے۔ بس پنجاب والے ان کو سکول، سٹول اور سٹاپ لکھتے ہیں (الف کے بغیر اور س پر زبر کے ساتھ) جب کہ کراچی اور ہندستان والے ان کو اسکول، اسٹول اور اسٹاپ لکھتے ہیں (الف اور الف کے زیر کے ساتھ) اور دونوں ایک دوسرے پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ بقول مشتاق احمد یوسفی صاحب کے، اسٹول/سٹول کی ایجاد کا مقصد یہ تھا کہ کراچی اور پنجاب والے اس کے تلفظ کی وجہ سے ایک دوسرے پر ہنس سکیں۔ تفنن برطرف، یہ بھی صوتیات (Phonetics) کا مسئلہ ہے۔ دراصل اگر لفظ کے آغاز میں دو مصمتے (consonant) ایک ساتھ آئیں (جیسے اسکول/سکول میں) تو اردو والے انھیں ایک مصوتے (vowel) کے بغیر نہیں بول سکتے اور وہ مصوتہ 'س' پر زبر بھی ہو سکتا ہے (جیسے سَکول) اور 'س' سے پہلے الف بھی (جیسے اِسکول)، لیکن اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ راقم نے اپنی ایک کتاب[۲۵] میں اس پر کچھ عرض کیا ہے لیکن سر دست نہ اس کی تفصیل کا موقع ہے اور نہ یہ موضوعِ زیرِ بحث ہے۔ مختصراً یہ کہ یہ املا کا مسئلہ ہے جو دراصل تلفظ سے جڑا ہوا ہے اور بعض انگریزی الفاظ کے تلفظ میں اختلاف ہے۔

بے شک اردو طباعت کی ترقی ضروری تھی اور یہ تجاویز مبنی بر خلوص تھیں، لیکن سوال یہ ہے کہ انگریزی کے ٹائپ کی آسانی کے لیے کیا کسی نے کبھی یہ کہا کہ انگریزی کے حروفِ تہجی کی تعداد کم کی جائے۔ شاید کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ انگریزی میں تو ہیں ہی صرف چھبیس (26) حروف۔ تو عرض ہے کہ انگریزی لکھنے کے لیے، خواہ ہاتھ سے، ٹائپ کے ذریعے یا کمپیوٹر پر، چھبیس (26) نہیں پورے باون (52) حروف کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ انگریزی میں جملے کا پہلا لفظ اور اسمِ معرفہ (proper noun) حرفِ کبیر (capital letter) سے لکھنا لازم ہے۔ کمال ہے کہ کسی انگریز دانش ور نے یہ تجویز بھی پیش نہیں کی کہ کم از کم انگریزی سے

حرفِ کبیر کا رواج ہی ختم کر دیا جائے تو ٹائپ پر لکھنے، چھاپنے والوں اور طالب علموں کی مشکلات پچاس فی صد کم ہو جائیں گی۔ حالاں کہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ انگریزی کے حروفِ تہجی بنیادی طور پر رومن حروف ہیں اور یہ انگریزی کے لیے اختراع نہیں ہوئے تھے اور اسی لیے یہ انگریزی کی تمام آوازوں کو بہ تمام وکمال ادا نہیں کر سکتے اور بعض اوقات ایک آواز کے لیے دو دو حروف لکھنے پڑتے ہیں (جیسے چ ch، ش sh) اور ایک معروف ماہرِ لسانیات کے مطابق انگریزی کے حروفِ تہجی میں پانچ چھے حروف بالکل ناکارہ ہیں اور انگریزی زبان کو ان کی کوئی ضرورت نہیں[۳۶]۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ ان تجاویز میں یہ اعتراف بھی کیا گیا ہے کہ 'اس میں شک نہیں کہ ہمارے رسمِ خط کا بنیادی وصف حروف کو ملا کر لکھنا ہے اور اس میں وقت اور جگہ دونوں کی کفایت ہوتی ہے' لیکن 'ٹائپ بنانے کی آسانیاں دیکھ کر اتصالِ حروف کے رواج کو محدود اور خاص خاص اصول کا پابند بنانا پڑے گا' جیسا کہ اوپر اقتباس بھی پیش کیا گیا ہے (ص 109-10)۔

ان بزرگوں کے خلوص اور نیک نیتی پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے حالات اور وقت کے تقاضوں کے تحت وہ خلوصِ دل سے اردو کے لیے جو بہتر سمجھتے تھے اس کی تجویز پیش کرتے تھے۔ مختصراً یہ کہ سید ہاشمی فرید آبادی ان اصحاب میں سے تھے جو اردو کا درد دل میں رکھتے تھے اور اس کی ترقی کے لیے اس کے مختلف مسائل بہ شمول املا اور رسمِ خط پر غور کرتے تھے۔ ان کی تجاویز اپنے دور کے لحاظ سے درست ہوں گی لیکن موجودہ دور نہ تو 'لوہے کے ٹائپ' کی چھپائی کا ہے، نہ پتھر کی چھپائی کا اور نہ اب اتصالِ حروف کا مسئلہ کمپیوٹر کے دور میں رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وقت کے سیلاب نے بعض مسئلے خود ہی طے کر دیے ہیں مثلاً ہائیہ آوازوں کے لیے دو چشمی ھ کا رواج، یاے مجہول کے لیے 'لمبی ے' ('بڑی ے') کا رواج اور یاے مجہول اور واوِ مجہول کو بغیر اعراب کے لکھنے کا رواج۔ ان کو بدلنے کا خیال اب تاریخ کا پہیہ الٹا گھمانے کے مترادف ہے اور ان پلوں کے نیچے سے اتنا پانی گزر چکا ہے کہ اب اس پر کچھ کہنا بھی لاحاصل ہے۔ البتہ واوِ مجہول اور واوِ معروف پر اعراب لکھنا بعض حلقوں میں ایک اختلافی مسئلہ اب بھی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

2- پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی

کیفی صاحب کو ان کے علمی مرتبے کے اعتراف میں علامہ کیفی کہا جاتا تھا، اگرچہ ہندی والے آپ کو طنزاً 'مولوی کیفی' لکھا کرتے تھے[۳۷]۔ کیفی نے تقریباً پینسٹھ (65) برس اردو زبان و ادب کی خدمت کی۔ کیفی صاحب نے مولوی عبدالحق کا اردو کی ترقی کے لیے ہر ہر قدم پر ساتھ دیا۔ اسی کے اعتراف میں عبدالمجید سالک نے 1954 میں لاہور میں ان کی 88ویں سالگرہ منائی تھی جب کہ خود کیفی صاحب ہندستان میں تھے[۳۸]۔ لیکن افسوس کہ اب ہم نے انھیں بھلا دیا ہے اور ان کی اردو خدمات کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ ماہرالقادری کے بقول 'انجمن ترقی اردو کے دفتر میں مولوی صاحب کے بعد سب سے زیادہ اہم اور قابلِ قدر شخصیت علاّمہ برج موہن دتاتریہ کیفی کی تھی۔'[۳۹] ماہرالقادری نے یہ بھی لکھا ہے کہ 'پرانے ہندوؤں میں پنڈت امرناتھ ساحر اور علامہ دتاتریہ کیفی اردو کے حامی بلکہ عاشقِ زار تھے اور اب پنڈت زارزتشی اس مسند کو سنبھالے ہوئے ہیں۔'[۴۰]

☆ سوانح

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلی میں 13 دسمبر 1866 کو کشمیری پنڈتوں کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے[۴۱]۔ شاعری میں الطاف حسین حالی کے شاگرد تھے اور میر مہدی مجروح کی بھی آنکھیں دیکھی تھیں[۴۲]۔ اردو، فارسی اور ہندی کے فاضل تھے نیز عربی اور سنسکرت سے بھی واقف تھے[۴۳]۔ کیفی نے 1880 میں دہلی کے سینٹ اسٹفنس کالج سے بی اے کیا[۴۴]۔ لاہور میں بھی رہے اور محمد حسین آزاد سے صحبتیں رہیں[۴۵]۔ وہ انبالا سے نکلنے والے ہفت روزہ کانگریسی اخبار 'خیر اندیش' میں مدیر ہو گئے تھے لیکن اخبار زیادہ عرصے نہ چل سکا اور کیفی کپورتھلا دربار سے وابستہ ہو گئے[۴۶]۔ مالک رام کے مطابق یہ 1896 کے لگ بھگ کی بات ہے[۴۷]۔ کیفی نے 1918 میں ریاستِ کشمیر میں ملازمت کر لی اور پھر 1926 میں ایک اور پہاڑی ریاست میں ملازم ہوئے اور مختلف عہدوں پر رہے[۴۸]۔

کیفی دہلی اور کشمیر کے علاوہ پنجاب میں بھی مقیم رہے۔ پنجاب منتقلی سے قبل انجمن ترقی اردو کا دفتر 1938 میں دہلی منتقل ہوا تو مولوی عبدالحق نے انھیں انجمن کے کاموں میں مدد کے لیے دہلی بلا لیا تھا[۴۹]۔ آزادی کے وقت کیفی پنجاب کے شہر لائل پور (اب فیصل آباد) میں اپنے

بیٹے کے پاس مقیم تھے اور آزادی کے بعد ہجرت کر کے بمبئی (اب ممبئی) چلے گئے[۵۰]۔ بعد ازاں دہلی آ گئے اور انجمن ترقی اردو ہند کو دوبارہ فعال بنانے میں حصہ لیا۔ اکتوبر 1949 میں انجمن کا دفتر دہلی سے علی گڑھ منتقل ہو گیا لیکن کیفی صاحب کسی نہ کسی طور انجمن سے منسلک رہے اور انجمن کے اجلاسوں میں شرکت کے لیے پیرانہ سالی کے باوجود دہلی سے علی گڑھ جاتے تھے[۵۱]۔

مارچ 1948 میں احمد آباد میں اردو کانفرنس ہوئی تو پنڈت کیفی کے ساتھ مولوی عبدالحق بھی مدعو تھے جو کراچی سے آئے تھے۔ دونوں دوست گلے مل کر خوب روئے یہاں تک کہ 'دیکھنے والے سہم گئے۔'[۵۲] نہیں معلوم ایک دوسرے سے بچھڑنے کا غم زیادہ شدید تھا یا اردو کے مستقبل کے اندیشے زیادہ ہول ناک تھے جو اس گریہ وزاری کا سبب بنے۔

مولوی عبدالحق انھیں اپنے ساتھ کراچی لے آئے تا کہ انجمن کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں لیکن کیفی خرابیِ صحت کی بنا پر زیادہ عرصے کراچی میں نہ رہ سکے اور واپس دہلی آ گئے[۵۳]۔ غازی آباد میں یکم نومبر 1955 کو علامہ کیفی ابدی سفر پر روانہ ہوئے[۵۴]۔

☆ علمی و ادبی کام

لالہ سری رام جب 'خم خانۂ جاوید' مرتب کر رہے تھے تو کیفی نے اس کام میں ان کی بہت مدد کی اور لالہ سری رام نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ لیکن لالہ سری رام کا 1930 میں انتقال ہو گیا اور اس وقت تک 'خم خانۂ جاوید' کی صرف چار جلدیں چھپی تھیں[۵۵]۔ کیفی نے پانچویں جلد مرتب کی جو 1940 میں شائع ہوئی[۵۶]۔ اس کی چھٹی جلد کا مسودہ کیفی کے ذاتی ذخیرے میں تھا جو انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی (لاہور) کو عطیہ کر دیا تھا۔ مشفق خواجہ صاحب نے اس کی اطلاع خورشید احمد خان یوسفی کو دی جنھوں نے اسے مرتب کیا[۵۷] اور مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) نے 1990 میں شائع کر دی۔

پنڈت کیفی شاعر، نثر نگار، ڈراما نگار، ناول نگار، محقق، مترجم، ماہرِ زبان اور مقرّر تھے لیکن اب ان کی اصل شہرت ان کے ان دل چسپ مضامین و مقالات کی وجہ سے ہے جو انھوں نے اردو زبان اور اس کی قواعد، ذخیرۂ الفاظ اور استعمال و خصوصیات سے متعلق لکھے تھے اور جو بعد ازاں کتابی صورت میں منشورات (1934) اور کیفیہ (1942) میں شائع ہوئے۔ کیفی کی دیگر کتب میں خمسۂ کیفی، جگ بیتی، واردات (شاعری)، انتخابِ ذوق و ظفر، انشاء اللہ خاں انشاء

کی دریائے لطافت کا اردو ترجمہ نیز دیگر کئی کتابیں شامل ہیں جن کی تفصیل مرزا خلیل بیگ، اسمٰعیل پانی پتی اور مالک رام نے دی ہے[۵۸]۔

☆ املا سے متعلق کیفی صاحب کے خیالات اور تجاویز

زبان اور قواعد سے متعلق کیفی صاحب کے افکار و نظریات بنیادی طور پر ان کی دو کتابوں 'منشورات' اور 'کیفیہ' میں موجود ہیں۔ زبان سے متعلق دیگر موضوعات (مثلاً اردو کے آغاز کا مسئلہ، تذکیر و تانیث، اشتقاقِ الفاظ، قواعد، متروکات وغیرہ جو ان کتابوں میں زیرِ بحث آئے ہیں) سے قطع نظر، 'منشورات' میں املا کے ضمن میں کچھ زیادہ نہیں کہا گیا ہے۔ البتہ 'کیفیہ' میں ایک باب حروفِ تہجی سے متعلق ہے اور ایک املا پر ہے۔ حروفِ تہجی والے باب میں کہتے ہیں کہ:

1- جس طرح دیوناگری اور بارہ اکشری میں فارسی اور عربی کے لفظ داخل ہو جانے کے سبب تجھے حروف اور بڑھائے گئے، اسی طرح اب اردو کے حر[و] فِ تہجی کی تعداد سینتالیس (47) قرار پائی' [کذا][۵۹]۔

2- اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

> 'بعضوں نے فارسی اور اردو کے بعض قدیم قاعدوں میں ہمزہ (ء) کو بھی ایک حرف قرار دے کر حروفِ تہجی میں شامل کر دیا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ حرف ہے نہیں۔ اس کی حیثیت پہلے چاہے جو کچھ ہو مگر اب اعراب کی علامت سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ مادۂ تاریخ نکالنے میں اس کے لیے کوئی عدد مقرر کیا گیا ہے' [کذا] (ص 63)۔

3- اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حروفِ تہجی کے بارے میں بہت سی تجویزیں لوگوں نے پیش کی ہوئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ث، ز، ح، ص، ض، ط، ظ، ع کو حروفِ تہجی سے نکال دیا جائے (ص 66)۔ اس کے بعد کے جملے سے عیاں ہے کہ وہ نہ صرف اس تجویز سے متفق تھے بلکہ اس فہرست میں 'ژ' کا اضافہ چاہتے تھے یعنی اس حرف کو بھی اردو کے حروفِ تہجی سے نکال دیا جائے۔ اگلا جملہ یہ ہے: 'معلوم نہیں یہ لوگ ژ کو کیوں بھول گئے۔ یہ آواز ہمارے کسی لفظ میں نہیں ہے۔' (ص 66)

4- املا سے متعلق بعض اہم نکات ان کی کتاب کیفیہ میں موجود ہیں۔ لکھتے ہیں کہ 'پرانی مکتبی تعلیم' کے نظام میں املا کی طرف توجہ نہ تھی اور انشاء پردازی اور خوش خطی وخطاطی پر زور تھا اور 'انشاء ہی میں ہجوں کی نگہداشت بھی ہوتی تھی۔' (ص 345) اس کے بعد لکھا ہے کہ اس پرانے نظام میں لکھائی کے ضمن میں اوقاف ورموز نہیں ہوا کرتے تھے اور وقفے، جملہ ختم ہونے، استفہام کے لیے کوئی نشان نہ تھے۔ اسی طرح 'قوسین اور واوین کی ہستی نامعلوم تھی۔' (ص 345) عبارت کو پیراگرافوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا تھا اور اعراب کا اظہار لغات وغیرہ میں جہاں ضروری سمجھتے وہاں کیا جاتا تھا۔ (ص 345)

5- املا اور اعراب کے ضمن میں کیفی نے کیفیہ میں بعض اہم نکات اٹھائے ہیں اور پہلے یہ بتایا ہے کہ الف مضموم کے بعد واو بڑھا دیتے تھے جیسے 'اُس' کو 'اوس' لکھتے تھے (ص 345)۔ [اگرچہ انھوں نے نشان دہی نہیں کی لیکن اسے اعراب بالحروف کا نام دیا گیا ہے]۔

6- اس کے بعد کہتے ہیں کہ 'دلّی والوں نے سر شتہ [کذا: سررشتہ چاہیے] تعلیم پنجاب کی ہدایت سے املا کی جو علامتیں مقرر کیں ان کی روداد یہ ہے' (ص 346) اور تفصیل دینے سے پہلے حاشیے میں بتایا ہے کہ 'یہ قاعدہ قواعدِ اردو سے نقل کیا گیا ہے جو 1876 میں لاہور کے سرکاری مطبع میں چھپی تھی [کذا]۔' اس کے بعد اس کتاب سے 'اعرابوں کا قاعدہ' نقل کیا ہے جو اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں املا کے ضمن میں اعراب، علامات اور اوقاف کا ذکر ملتا ہے۔ اس کتاب میں مستعمل املا کے اصول کے بعض اہم نکات اور ان کی مثالیں یہ ہیں (ص 346-47) (اختصار اور وضاحت کی خاطر لفظ بہ لفظ نقل نہیں کیا جا رہا تاہم کوشش کی گئی ہے کہ ممکنہ طور پر کیفی ہی کے الفاظ لکھے جائیں):

الف۔ حرفِ مفتوح کے بعد اگر 'ی' یا 'و' نہیں ہے تو اس پر فتحہ نہیں لکھا گیا، مثال: در۔

ب۔ حرفِ مضموم کے بعد اگر واوِ مجہول نہیں ہے تو اس پر پیش لکھا گیا، مثال: اُس۔

ج۔ حرف مکسور کے بعد اگر یائے مجہول نہیں ہے تو اس پر کسرہ لکھا گیا، مثال: دِل۔

د۔ یائے معروف کے ماقبل زیر لکھا گیا، مثال: بِی۔

ہ۔ یائے مجہول کے ماقبل زیر نہیں لکھا گیا، مثال: لی [یعنی لے، کیفی صاحب یائے مجہول کو پورا یعنی لمبی 'ے' کی طرح نہیں لکھتے تھے لیکن اس نصف 'ی' کو یہاں کمپیوٹر پر

لکھنا ممکن نہیں ہے، کم از کم اس عاجز کے لیے]۔
و۔ واوِ معروف کے ماقبل پیش لکھا گیا، مثال: نُور۔
ز۔ واو مجہول کے قبل پیش نہیں لکھا گیا، مثال: کور۔
ح۔ واوِ مجہول اور یاے مجہول سے پہلے اگر فتحہ ہے تو فتحہ لکھا گیا ہے، مثالیں: جَور، ہَے
[یہاں مراد یاے لین اور واوِ لین یعنی ماقبل مفتوح سے ہے]۔
ط۔ اگر 'ہ' کسی حرف کے ساتھ مل کر بولی جاتی ہے تو اسے دو چشمی لکھا گیا ہے، مثال: گھر۔
ی۔ نون غنے پر الٹا جزم دیا گیا ہے [یعنی: ˇ]
ک۔ نون غنہ جو لفظ کے آخر میں آتا ہے اس پر نقطہ نہیں دیا گیا، مثال: یہاں۔
ل۔ جو ساکن حرف لفظ کے درمیان میں ہے اس پر جزم لکھا گیا ہے۔
م۔ جو واو ہمزہ سے مل کر بولا جاتا ہے اس پر ہمزہ لکھا گیا، مثال: دُھؤاں۔
ن۔ واوِ معدولہ (جو لکھا جاتا ہے بولا نہیں جاتا) کے نیچے چھوٹی سی افقی لکیر بنائی گئی ہے [مثلاً خواب] اگر یہ ثابت ہو سکے تو اسے یہاں لکھنا ممکن نہیں ہے۔
س۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ندا اور تعجب کی علامت (!)، وقفے کی علامت (۔)، استفہام کی علامت (؟) دی گئی ہے جب کہ جملہ ختم ہونے کی علامت کے طور پر چار نقطے دیے گئے ہیں [یہ چار نقطے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ گویا جس طرح حرف 'پ' کے نیچے تین نقطے لگائے جاتے ہیں اس انداز سے تین نقطے بنا کر ان کے اوپر چوتھا نقطہ بنایا گیا ہے، یہاں کمپیوٹر سے اسے بنانا راقم کے لیے ممکن نہیں]۔

7- کیفی نے کیفیہ میں اعرابوں کا ایک اور نقشہ یا جدول دیا ہے اور حاشیے میں لکھا ہے کہ 'یہ نقشہ پنجاب کے سرشتہ تعلیم [کذا: 'سر رشتہ' چاہیے] کا منظور کیا ہوا ہے اور ساری درسی کتابوں میں آج کل اس پر عمل ہوتا ہے۔' (ص 348) اس نقشے اور اس سے قبل دیے گئے نقشے میں کچھ تکرار بھی ہے اور تکرار کو چھوڑ کر اس دوسرے جدول کے مطابق:
الف۔ لفظ کے آخر میں آنے والی یاے معروف کو دائرے میں لکھا گیا ہے، مثال: بھلی [یعنی 'ی' جس کے آخر میں دائرہ بنتا ہے اور اسے یاے بازگشتی کہتے ہیں۔ اس کے

مقابلے میں ایک نصف یا کٹی ہوئی 'ی' لکھی جاتی تھی جس کا دائرہ نہیں بنتا تھا اور جسے کٹی ہوئی 'ی' کہتے تھے۔اس کا ذکر آگے آرہا ہے]۔

ب۔ یائے معروف کے سوا باقی سب 'ی' لمبی لکھی گئی ہیں، مثالیں: کے، ہے، گائے[اس لفظ کو اب اکثر ہمزہ کے ساتھ یعنی گائے لکھا جاتا ہے]، ادنےٰ[اب اسے پاکستان میں الف مقصورہ سے یعنی ادنیٰ لکھا جاتا ہے، اور انجمن ترقی اردو (ہند) کے اصولوں کے مطابق اسے ادنا لکھا جاتا ہے]۔

ج۔ حرفِ مفتوح پر وہیں زبر لکھا گیا ہے جہاں معروف یا مجہول ہونے کا شبہ ہوتا ہے، مثالیں: غَور، سَیر۔

د۔ حرفِ مکسور کے نیچے سب جگہ زیر لکھا گیا ہے سوائے دو جگہوں کے اور وہ یہ ہیں: لفظ کے آخر میں آنے والی یائے مجہول اور یائے معروف سے قبل زیر نہیں لکھا گیا، مثالیں: دیر، دے، دی۔

یہاں کیفی صاحب لکھتے ہیں کہ 'ان دونوں نقشوں کا تمام اصولی امر میں اتفاق ہے حالاں کہ پینسٹھ برس کی لمبی مدت ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ مستثنیٰ صرف ایک 'ی' کا معاملہ ہے (ص349)[پہلے جدول (1876) میں پینسٹھ جمع کیے جائیں تو 1941 کا سال بنتا ہے اور کیفی صاحب غالباً اس سال یعنی انیس سو اکتالیس (1941) میں اس کتاب کی تسوید و ترتیب میں مصروف ہوں گے]۔

8- اس کے بعد کیفی صاحب نے الٹا جزم لگانے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے عام طور پر لکھنے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اور لکھنے میں نون پر الٹا جزم کون لگاتا ہے؟ پھر تجویز پیش کی ہے کہ وہ 'ی' جس کا ماقبل مفتوح ہو کٹی ہوئی لکھی جائے کیوں کہ اس طرح لکھنے سے زبر کی علامت کی ضرورت نہیں رہے گی (ص349)۔

اس کے بعد کیفی نے کیفیہ میں علامات مثلاً کاما، سیمی کالن وغیرہ پر بحث کی ہے۔ سرِدست ہم اس سے گریز کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔ پھر کیفی نے اگلے باب میں کچھ الفاظ کے املا پر اہم نکتے اٹھائے ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں (ص58-352):

9- پانو، گانو جیسے الفاظ 'واو' پر ختم ہونے چاہییں اور غالب کا بھی عمل اس پر تھا[یعنی پہلے نون غنہ اور پھر واو لکھنا چاہیے جیسے یہاں لکھا گیا ہے اور پاؤں یا گاؤں لکھنا درست نہیں]

10- چاک سے چاکو ہے، لوگ اسے چاقو کیوں لکھتے ہیں؟

11- تمغا الف سے لکھنا چاہیے۔ اس کے آخر میں ہائے مختفی لکھنا درست نہیں ہے۔

12- دُکان کا پرانا املا دُوکان تھا لیکن واو اس کلمے کا حصہ نہیں ہے۔ دُکان لکھنا چاہیے۔

13- کافِ بیانیہ کو کہ اور سہ اور بہ کو یوں ہی لکھنا چاہیے لیکن سہنا، بہنا، کہنا، کے صیغوں کو سہہ، بہہ، کہہ، لکھنا چاہیے تاکہ کافِ بیانیہ کہ اور دیگر لفظوں (سہ اور بہ) سے التباس نہ ہو۔

14- اعلام (عیسیٰ، موسیٰ وغیرہ) کے سوا الف مقصور کا استعمال ترک کر دیا جائے، جیسے مولانا، جسے بعض عربی کے دلدادہ مولیٰنا لکھتے ہیں۔

15- 'جب لا الی الذین و لا الی الذین کا 'اِلّلذی نہ اُلّلذی' ہو گیا اور افراط و تفریط کا افراتفری ہو گیا اور دوسری طرف شکتِ (تیسری ماترا) کا شکتی (چوتھی ماترا) بن گیا، لکشن سے لچھن ہوا، تو پھر بالکل، بالفعل، اور فی الحال کو بلکل، بلفعل، اور فلحال لکھنے میں کون سا امر مانع ہے۔ ہر لفظ میں دو حرفوں کی بچت رہتی ہے۔' (ص 358) پھر اِللذی نہ اُللذی کی وضاحت کے لیے اسی صفحے (صفحہ 358) کے حاشیے میں یہ شعر دیا ہے:

نہ تو عاشقوں ہی میں جا ملی، نہ وہ فاسقوں سے بنی رہی
تری وہ مثل ہے اب اے رضیؔ، کہ اِللذی نہ اُللذی

اس کے بعد انھوں نے کچھ نئے لفظ بھی بنائے ہیں جن پر گفتگو کا یہ محل نہیں ہے۔ کیفی کی کتاب 'منشورات' میں بعض اہم مضامین مختلف موضوعات مثلاً بیان و بدیع و تشبیہ نیز فصاحت و متروکات اور الفاظ سے متعلق ملتے ہیں لیکن اس کتاب میں املا سے متعلق کوئی اہم نکتہ نہیں ملتا۔ ایسے بیشتر نکات کیفیہ ہی میں ہیں۔

☆ معروضات

کیفی صاحب کی ان تجاویز کے ضمن میں ہم یہ عرض کرنے کی اجازت چاہیں گے:

1- اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور انشاء اللہ خاں انشاء نے ان کی تعداد دریائے لطافت میں (جس کا ترجمہ خود کیفی نے کیا تھا) پچاسی (85) تک پہنچا دی تھی جسے خود کیفی نے اپنی کتاب 'کیفیہ' میں 'موشگافی' کہا ہے (ص 63)۔ لیکن اردو لغت بورڈ نے اپنی بائیس (22) جلدی اردو بہ اردو لغت ترپین (53) حروفِ تہجی کی بنیاد پر ترتیب دی

ہے۔اس میں ہائیہ آوازوں کو الگ فونیم یا صوتیہ مان کر انھیں الگ حرفِ تہجی کا درجہ دیا گیا ہے اور ہمزہ بھی ایک حرفِ تہجی کے طور پر شمار کیا گیا۔اس پر شمس الرحمان فاروقی صاحب کو اعتراض ہوا اور انھوں نے اسے حروفِ تہجی کی تعداد میں اضافے کی کوشش قرار دیا اور کہا کہ 'یہ کوشش نہ صرف قبیح اور غیر ضروری ہے بلکہ غیر فطری اور غیر سائنسی بھی ہے۔'[۱۰]

لیکن فاروقی صاحب کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔اردو میں پندرہ (15) ہکاری یا ہائیہ آوازیں ہیں اور انھیں تمام ماہرینِ لسانیات وصوتیات نے فونیم (phoneme) قرار دیا ہے۔تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے، مختلف ماہرین مثلاً گیان چند جین، گوپی چند نارنگ، نصیر احمد خان، مرزا خلیل بیگ اور شوکت سبزواری وغیرہ کی کتب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔مسعود حسین خان نے فاروقی صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ حقیقت بالکل برعکس ہے، یہ قطعی غیر سائنسی نہیں، اس لیے غیر فطری اور غیر ضروری بھی نہیں اور نہ قبیح ہے[۱۱]۔مسعود صاحب اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ہائیہ یا ہکاری آوازوں کو الگ فونیم مانا جائے اور ان کے لیے الگ حروفِ تہجی ہوں[۱۲]۔

ہائیہ آوازوں کو الگ آواز ماننے اور ان کے لیے دوچشمی ھ لکھنے کی یہ تجویز بہت مناسب ہے کیوں کہ ایسا نہ کرنے سے دیگر الجھنوں کے علاوہ لغت کی ترتیب میں مسائل پیدا ہوتے ہیں اور پرانی لغات میں بہرا اور بھر، پہر اور پھر جیسے الفاظ کا ایک ساتھ اندراج دیکھا جا سکتا ہے۔اسی طرح کا مسئلہ الف ممدودہ کو مرکب اور الگ حرف نہ ماننے سے ہوتا ہے۔اصولاً لغت کی ترتیب میں الف پہلے اور الف ممدودہ بعد میں آنا چاہیے کیوں کہ الف ممدودہ (ا+ا) دو الفوں کے برابر ہے لہٰذا مرکب حرفِ تہجی ٹھہرتا ہے اور مفرد حرفِ تہجی اصولاً پہلے آنا چاہیے اور مرکب بعد میں، جیسے پہلے ب اور پھر بھ، پہلے پ اور پھر پھ، وعلیٰ ہٰذا القیاس۔اس اصول پر عمل نہ کرنے سے ہماری بعض متداول لغات میں یا تو الف ممدودہ کے اندراجات الف سے پہلے ہیں یا بعض لغات میں الف ممدودہ اور الف سے شروع ہونے والے الفاظ ایک ساتھ ہی لکھ دیے گئے ہیں جو بڑی الجھن کا باعث بنتے ہیں، مثلاً فرہنگِ آصفیہ میں 'اب' اور اس کے ذیلی مرکبات کے بعد 'آب' اور اس کے ذیلی مرکبات ہیں۔پھر 'ابا' کا اندراج ہے اور اس کے بعد 'آباء' 'کا'۔ 'آباء' کے ذیلی مرکبات کے بعد 'ابابیل' کا اندراج ہے۔یعنی قاری الف اور الف ممدودہ کے اندراجات اور ان کے ذیلی مرکبات میں مطلوبہ لفظ ڈھونڈتا رہے۔

الف ممدودہ مرکب حرف ہے اور جس طرح ب کے بعد بھ ہے اسی طرح الف (ا) کے بعد الف ممدودہ (آ) ہے۔ اردو لغت بورڈ کی لغت اسی اصول کے تحت مرتب کی گئی ہے اور اس میں پہلے الف کی تقطیع قائم کی گئی ہے اور پھر 'آ' کی۔

بعد ازاں کمپیوٹر کے اردو کلیدی تختے (کی بورڈ، key board) اور دستی فون یعنی موبائل فون میں حروفِ تہجی کے مسائل اٹھے تو مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) (اس کا نام اب ادارۂ فروغِ قومی زبان ہے) کے تحت اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد عطش درّانی صاحب نے کہیں ستاون (57)، کہیں ساٹھ (60) اور کہیں چھہتر (76) قرار دی اور اس میں ںھ، وھ، ںھ (یعنی نون غنہ اور ھ) اور نون غنہ (ں) بھی شامل کر دیا اور کہا کہ بعض دیگر حروف اور علامات و اعراب بھی ان کے نزدیک اردو حروفِ تہجی میں شامل ہونے چاہییں[۱۳]۔ راقم نے اس پر انگریزی اخبار 'ڈان' (Dawn) میں اپنے کالم میں اعتراض اٹھایا تو اس وقت کے مقتدرہ قومی زبان کے سربراہ افتخار عارف صاحب نے ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی اور اسے اردو کا ایک معیاری ابتدائی قاعدہ مرتب کرنے اور اس میں حروفِ تہجی کی تعداد کو حتمی طور پر طے کرنے کی ہدایت دی۔ اس کمیٹی میں ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب اور ڈاکٹر نجیبہ عارف صاحبہ کے ساتھ یہ عاجز طالب علم بھی شامل تھا۔ ادارے کی جانب سے محمد اسلام نشتر صاحب رکن تھے۔ خاصی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ اردو لغت بورڈ کے ترپین (53) حروف درست ہیں بس مجبوراً ایک حرف 'ں' (نون غنہ) کا اضافہ کر دیا جائے، بہ صورتِ دیگر کمپیوٹر اور موبائل فون پر بہت سے الفاظ میں نون غنے کے بجائے نون لکھنا پڑے گا۔ یہ طے ہونے کے بعد 2010 میں شائع ہونے والے مقتدرہ کے قاعدے 'معیاری اردو قاعدہ' میں یہ طے کیا گیا کہ اردو کے حروفِ تہجی چوّن (54) ہیں۔ اسے 2022 میں ادارے کی جانب سے پیش کردہ 'سفارشاتِ املا' میں بھی شامل کیا گیا اور املا کی قومی کمیٹی نے بھی تسلیم کیا۔ لہٰذا اس تعداد کو اب تسلیم کر لینا چاہیے تا کہ اس کے بعد کے مسائل و مباحث طے ہو سکیں۔

2- ادارۂ فروغِ قومی زبان (اسلام آباد) کے طے کردہ مذکورہ بالا چوّن (54) حروف میں ہائیہ حروف کے ساتھ ہمزہ بھی شامل ہے۔ اگرچہ بعض اہلِ علم ہمزہ کو حروفِ تہجی میں شامل نہیں کرتے اور یہ امر بحث طلب ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ ہمزہ عربی کا حرف ہے اور عربی میں ہمزہ کو الف کا قائم مقام کہا جاتا ہے اور بعض اوقات الف کے بجائے

ہمزہ لکھا جاتا ہے۔ اس طرح ہمزہ محض اعراب یا علامت نہیں رہ جاتا بلکہ ہمزہ الف (یعنی ایک حرفِ تہجی) کی دوسری شکل ٹھہرتا ہے۔ چوں کہ عربی اور اردو عبارات میں ہمزہ (ء) الف کے قائم مقام کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اسے باقاعدہ حروفِ تہجی میں شامل کرنا مجبوری ہو جاتا ہے۔ جہاں تک مادّہ تاریخ کا تعلق ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ بسا اوقات تاریخ گوئی میں اس کا عدد شمار نہیں کیا جاتا لیکن بعض کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہمزہ کا عدد ایک ہے۔ مثلاً نجم الغنی رام پوری نے لکھا ہے کہ بعض ہمزہ کا ایک عدد شمار کرتے ہیں، بعض دس عدد محسوب کرتے ہیں اور بعض عدد نہیں لیتے اور بقول ان کے تینوں صورتیں جائز ہیں[14]۔ دراصل تاریخ گوئی کے متنازع فیہ مسائل میں بعض حروف کا عدد لینا یا نہ لینا یا کتنے عدد لینا کی بحث بھی شامل ہے اور بالخصوص الف ممدودہ (جس کے دو عدد بتائے جاتے ہیں کیوں کہ وہ دو الفوں کے برابر ہے اور بعض کے نزدیک الف ممدودہ کا عدد ایک ہی ہے)، تاے مربوطہ یا تاے مدورہ اور ہمزہ بھی ان متنازع فیہ حروف میں شامل ہیں۔ لہٰذا یہ متنازع فیہ بات کو (کہ ہمزہ کا عدد محسوب نہیں ہوتا) ہمزہ کو حروفِ تہجی کی فہرست سے نکالنے کی قطعی دلیل نہیں بن سکتی۔

3- جہاں تک حروفِ تہجی سے اردو کے بعض حروف مثلاً ث، ح، ص، ض، ذ، ط، ظ، ع کو نکالنے کا مسئلہ ہے تو یہ ہمیشہ متنازع فیہ رہا ہے اور اس تجویز پر اعتراض میں کہا جاتا ہے کہ اس مجوزہ تبدیلی سے بعض الفاظ کی شناخت ناممکن ہو جائے گی اور بعض الفاظ یکساں املا کی وجہ سے الجھنوں کا باعث بنیں گے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کا یہ محل نہیں ہے اور اس پر خاصی بحثیں ہو چکی ہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ یہ آوازیں چاہے اردو والے بہ تمام و بہ کمال ادا نہ کرتے ہوں اور چاہے ث، ص اور س کو اردو میں ایک ہی طرح بولا جاتا ہو، چاہے ز، ذ، ظ، ض کی آوازیں اردو میں ایک ہی ہوں اور چاہے ح اور ہ اور الف اور ع کو ایک ہی طرح بولا جاتا ہو، ان حروف کو اردو میں لکھنا لازمی ہے اور یہ اردو کے حروفِ تہجی اور املا کا جزوِ لاینفک ہیں۔ ان کے بغیر اردو املا اور لغت نامکمل رہیں گے۔

یہی کیفیت 'ژ' کی بھی ہے۔ کیفی صاحب کا یہ فرمانا کہ ژ کا حرف 'ہمارے' کسی لفظ میں نہیں آتا دراصل یہ کہنے کے مترادف ہے کہ یہ 'فارسی' کا حرف ہے اور صرف فارسی الفاظ میں آتا ہے 'ہمارے' یعنی اردو یا ہندی کے الفاظ میں نہیں آتا۔ تو عرض ہے کہ اگر فارسی کے الفاظ 'ہمارے' نہیں ہیں تو پھر یہی بات عربی الفاظ بلکہ یورپی الفاظ کے بارے میں بھی کہی جائے گی

اور ژالہ، ارژنگ، مژگاں، ژولیدہ جیسے فارسی الفاظ کو تو چھوڑیئے مونتاژ، ڈویژن، ژواگو جیسے یورپی الفاظ کا بھی اردو میں درست تلفظ ظاہر کرنے کا کوئی طریقہ نہیں رہے گا، عربی کا تو ذکر ہی کیا۔

عرض ہے کہ حروفِ تہجی کی تعداد زیادہ ہونا عیب نہیں بلکہ کم ہونا ایک خامی یا کمی ہے کیوں کہ زیادہ حروف ہر طرح کی آوازوں کو تحریراً ظاہر کرنے کی آسانی پیدا کرتے ہیں۔ اردو املا کی اصلاح کے لیے اس طرح کی تجاویز بعد کے ادوار میں بھی پیش ہوتی رہی ہیں اور نواب محسن الملک کے بھتیجے جعفر حسن صاحب بھی 'جیسا بولو ویسا لکھو' کے قائل تھے۔ وہ اردو کے بعض حروف مثلاً ع اور ح کو اردو حروفِ تہجی سے خارج کرنے کے حامی تھے اور اپنا نام جافر ہسن لکھا کرتے تھے اور دستخط بھی اسی طرح کرتے تھے بلکہ جعفر حسن صاحب واو معدولہ بھی نہیں لکھتے تھے اور مثلاً خود کو خدا اور خوش کو خش لکھا کرتے تھے[۶۵]۔

4 اور 5- یہ نکات یقیناً مفید ہیں۔

6- سررشتۂ تعلیم پنجاب کی تجاویز جن کو دہلی میں بھی قبول کیا گیا، میں سے بیشتر مناسب ہیں اور ان پر آج تک عمل ہو رہا ہے اور کیفی صاحب بھی ان سے (ایک دو کے سوا) متفق نظر آتے ہیں۔ بلکہ واو مجہول پر کوئی اعراب نہ لکھنے کے طریقۂ کار پر اردو لغت بورڈ (کراچی) کی لغت میں بھی عمل کیا گیا اور عام طور پر یہ رائج بھی ہے۔ البتہ رشید حسن خاں صاحب کا خیال تھا کہ واو مجہول پر پیش لکھا جائے اور واو معروف پر الٹا پیش لکھا جائے۔ اسی طرح کے بعض اور اعراب اور علامات بھی رشید صاحب نے تجویز کیے تھے اور اپنی کتابوں میں ان پر عمل بھی کیا، مثلاً رشید صاحب کی کتاب 'کلاسکی ادب کی فرہنگ' میں ایک فہرست ان علامات کی دی گئی ہے جو اس کتاب میں تلفظ ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوئی ہیں اور بقول رشید صاحب کے انجمن ترقی اردو ہند کی کتابوں میں بھی شامل رہی ہیں[۶۶]۔ رشید صاحب نے اپنے ایک مضمون 'اردو املا کے چند اہم مسائل' میں بھی واوِ معروف پر الٹا پیش لکھنے کی تجویز پیش کی تھی[۶۷]۔

لیکن یہ بہر حال الجھن کا باعث ہے کیوں کہ قرآن شریف پڑھنے والے تمام بچے واوِ معروف سے پہلے والے حرف پر پیش لکھا ہوا دیکھنے کے عادی ہیں اور اردو میں بالعموم اس پر اتفاق رہا ہے۔ واوِ لین اور یائے لین کے ضمن میں 'ی' اور 'و' سے پہلے والے حرف پر فتحہ (زبر) اب بھی لکھا جاتا ہے اور اسے ماقبل مفتوح کہا جاتا ہے۔ یہ اب بھی بڑے پیمانے پر رائج

ہے۔اسی طرح واو مجہول پر کوئی اعراب یا علامت کا نہ لکھا جانا بھی اب مسلمہ اور رائج ہے۔لہٰذا واوِ مجہول پر پیش لکھنا غیر ضروری بلکہ خواہ مخواہ الجھن پیدا کرنے والی بات ہے۔اسی طرح واو معروف سے پہلے پیش لکھا جائے تو الٹا پیش بنانے کی ضرورت یا یوں کہیے کہ اردو کے حروفِ تہجی میں ایک اور علامت کے اضافے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

7 (ب)۔'گائے' کے ضمن میں ان کی تجویز درست ہے یعنی 'گاے' کا درست املا تو یہی ہے، یعنی ہمزہ کے بغیر۔لیکن کیا کیا جائے کہ اس لفظ کو اب اکثر ہمزہ کے ساتھ یعنی گائے لکھا جاتا ہے۔'ادنٰی'، اب اسے پاکستان میں الف مقصورہ سے یعنی ادنیٰ لکھا جاتا ہے، اور انجمن ترقی اردو ہند کے اصولوں کے مطابق اسے ادنا لکھا جاتا ہے۔

8- 'کٹی ہوئی ی' سے ان کی مراد 'ی' کی وہ شکل ہے جس میں یاے معروف (یا عرفِ عام میں چھوٹی 'ی') کا دائرہ پورا نہیں بنایا جاتا تھا یعنی اسے نصف لکھا جاتا تھا۔جس 'ی' کو مکمل لکھا جاتا ہے یعنی جس میں 'ی' کا دائرہ پورا بنایا جاتا ہے اسے دائرے میں لکھی ہوئی 'ی' کہا جاتا تھا اور اسی مکمل دائرے کی 'ی' کا دوسرا نام 'بازگشتی یا/ی' ہے اور اسے یاے بازگشتی بھی کہا جاتا ہے۔قاضی عبدالودود اور عبدالستار صدیقی بھی یاے ماقبل مفتوح کو نصف لکھا کرتے تھے، قاضی عبدالودود نے مسعود حسن رضوی ادیب کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے 'بازگشتی ے بہت جگہ لے لیتی ہے'[۶۸]۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کتنی زیادہ جگہ لیتی ہے؟ بس اتنا عرض کرتے ہیں کہ بہت معمولی سی جگہ لیتی ہے۔

'کٹی ہوئی ی' کے ضمن میں عرض ہے کہ اس سے الجھن پیدا ہوتی ہے اور اس پر عمل بھی بہت مشکل ہے۔اگرچہ 'کیفیہ' میں کیفی صاحب نے اس کا اہتمام کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس پر مرزا خلیل بیگ کی راے درست ہے کہ اس کتاب میں بھی اس پر پوری طرح عمل نہیں ہوسکا[۶۹] تو باقی کتابوں میں کیا ہوگا۔لیکن اس میں کیفی صاحب کو نہیں بلکہ کاتب کو موردِ الزام ٹھہرایا جانا چاہیے۔اسی طرح عبدالستار صدیقی بھی کٹی ہوئی 'ی' کے حامی تھے لیکن ان کی کتاب 'مقالاتِ صدیقی مرتبہ مسلم صدیقی' (اس کا ذکر آگے آرہا ہے) میں بھی اس کی پوری طرح پابندی نہ کی جاسکی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تجویز پر عمل تو اس دور میں بھی مشکل تھا اور کٹی ہوئی 'ی' سے کتنی جگہ بچتی ہے جو اس پر اتنا زور دیا جائے؟

اب تو یاے معروف (ی) اور مجہول (ے) کے لیے الگ الگ شکلیں طے اور رائج

ہو چکی ہیں۔ پھر اس تجویز کے ساتھ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اگر یائے لین یعنی ماقبل مفتوح 'ی' لفظ کے درمیان میں آئے تو کیا ہوگا؟ مثلاً: خَیر، بَیل، مَیل وغیرہ میں کٹی ہوئی 'ی' لکھنا ممکن نہیں اور زبر ہی لگانا پڑے گا تو پھر کیوں نہ پوری 'ی' لکھ کر اس پر زبر لگا دیا جائے؟ ورنہ دو عملی کی یہ صورت املا میں مزید الجھن کا باعث ہوگی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ چھوٹی 'ی' اور بڑی 'ے' برقرار رکھی جائے نیز یائے لین کے لیے ماقبل مفتوح کا نظام جاری رہے۔ قاری کو الجھن سے بچانے کے لیے 'ی' پوری لکھنی چاہیے یعنی جسے بازگشتی یا دائرے والی 'ی' کہا جاتا ہے۔ اور کٹی ہوئی 'ی' آج کے دور میں شاید بچے پڑھ بھی نہ سکیں۔

9- پاؤں/ پانو، گاؤں/ گانو کے ضمن میں ان کی تجویز اصولاً درست ہے کیوں کہ ان الفاظ میں اصلاً نون غنہ آخر میں نہیں ہے بلکہ ان میں الف کے بعد نون غنے کی آواز ہے۔ اسے صوتیات کی زبان میں مصوتے کا انفیانا (nasalization of vowel) یعنی ناک سے ادا ہونا کہتے ہیں (اَنف عربی میں ناک کو کہتے ہیں) اور دراصل یہ مصوتہ الف (ماں، گاؤں اور پاؤں جیسے الفاظ میں) ناک سے ادا ہوتا ہے نہ کہ لفظ کے آخر میں نون غنے کی آواز آتی ہے۔ اسی لیے آئی پی اے (IPA) میں غنے کی علامت اس حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے جو مصوتے کو ظاہر کرتا ہے اور اسی لیے اصولاً ماں اور پاؤں وغیرہ میں نون غنہ الف کے اوپر بنانا چاہیے کیوں کہ یہی وہ صحیح صورت ہے جو مصوتے کی ناک سے ادائی کو ظاہر کرتی ہے، لیکن اول تو یہ ممکن نہیں کہ اب ماں میں الف کے اوپر نون غنے کو رواج دیا جائے لیکن ماں، پاؤں، گاؤں، چھاؤں وغیرہ کا یہ املا اتنا رائج ہو چکا ہے کہ اسے بدلنے میں بہت مزاحمت کا سامنا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک پانو، گانو، چھانو وغیرہ میں نون غنے کی علامت (مثلاً نون کے اوپر الٹا جزم) نہ لکھا جائے اس کے نون پڑھے جانے کے امکانات رہتے ہیں اور نون غنے کے بغیر عام قاری مثلاً چھانو (چھاؤں) کو چھانو (یعنی چھاننا کا امر) پڑھ سکتا ہے۔ بہ ہر حال، یہ اردو املا کے حل طلب مسائل میں سے ہے۔

10- لیکن چاقو کے ضمن میں کیفی صاحب کو مغالطہ ہوا ہے اور چاقو دراصل چاک سے نہیں ہے اس لیے اسے چاکو نہیں لکھا جا سکتا۔ غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے مطابق غالب چاقو کو فارسی کے 'چاک کردن' سے مانتے تھے اور اسے چاکو لکھتے تھے، حالاں کہ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے[12] اور اس کا فارسی کے چاک سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے املا چاقو ہی درست ہے۔

11- بعض دیگر الفاظ کے املا کے ضمن میں بھی ان کی تجاویز قابلِ غور ہیں، مثلاً تمغا ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے آخر میں ہائے مختفی نہیں آنی چاہیے، یہ بالکل درست بات ہے۔ اگر چہ اب اسے عموماً تمغہ لکھا جاتا ہے۔

12- اسی طرح عربی لفظ دُکان کے املا میں واو کا کوئی کام نہیں، دال پر پیش کافی ہے، یہ بات بھی درست ہے۔ لیکن اکثر لوگ دُکان کو دوکان لکھتے ہیں اور یہ بھی غالباً اعراب بالحروف کی برکات میں سے ہے۔

13- لفظ کے آخر میں ہائے ملفوظی (مثلاً بہہ، کہہ وغیرہ) کا املا اکثر یہی لکھا جاتا ہے، اگر چہ رشید حسن خاں صاحب کی تجویز تھی کہ ایسے الفاظ کو بہ، کہ، سہ لکھ کر 'ہ' کے نیچے الٹا پیش بنایا جائے یعنی کاما (comma) نما علامت لکھی جائے۔ لیکن یہ کم از کم پاکستان میں اب تک رائج نہیں ہوسکا ہے۔ پاکستان میں بالعموم بہہ، کہہ، سہہ ہی لکھا جاتا ہے جو کیفی صاحب کی تجویز تھی۔

14- الف مقصورہ (یٰ) کے ضمن میں انجمن ترقی اردو ہند اور رشید حسن خاں صاحب کا نظریہ اور عمل وہی ہے جو کیفی صاحب کا تھا لیکن پاکستان میں ادنیٰ، اعلیٰ وغیرہ کو ادنا، اعلا لکھنے پر عموماً لوگوں کو بہت تحفظات ہیں بلکہ پاکستان میں بعض لوگ عربی املا میں اس تبدیلی کے مضمرات مثلاً انبیاء کے ناموں (مصطفیٰ، موسیٰ، عیسیٰ) اور بعض مذہبی اصطلاحات (مثلاً سدرۃ المنتہیٰ، من و سلویٰ، بدرالدجیٰ، شمس الہدیٰ، عید الاضحیٰ وغیرہ) میں تحریف کے خیال سے برافروختہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اس امر کا ہندستان کے بعض اہلِ علم کو بالکل اندازہ نہیں ہے کہ پاکستان میں بعض لوگ اس معاملے پر کتنے جذباتی ہیں۔

15- بالکل، بالفعل اور فی الحال جیسے الفاظ کا املا تبدیل کیا گیا تو پھر ایک سلسلہ چل نکلے گا اور ایسے سیکڑوں شاید ہزاروں الفاظ کا املا تبدیل کرنا پڑے جو انتشار کی ایک نئی صورت ہوگی۔ پھر پرانے متون کی تفہیم مزید مشکل ہو جائے گی۔

کیفی صاحب کی بعض تجاویز مناسب ہیں اور بعض قبول بھی کر لی گئی ہیں لیکن بعض پر وقت نے اپنا فیصلہ ثبت کر دیا ہے۔ لیکن کیفی صاحب کی دل سوزی، اردو سے عشق اور خلوص شبہات سے بالاتر ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کا مولوی عبدالحق کے ساتھ اس کبر سنی میں

کراچی آجانا اردو سے ان کے خلوص اور لگاؤ کی علامت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بہ سببِ ضعف وامراض یہاں ٹھہر نہیں سکے۔

سررشتۂ تعلیم پنجاب اور دہلی کے درسی قاعدے کی جو تفصیل انھوں نے دی ہے اب بمشکل کہیں اور دست یاب ہوگی اور یہ اشارات ونکات اردو املا کی تاریخ کی تسوید اور تفہیم کے لیے بہت اہم ہیں۔

3- مولوی سیّد وہاج الدین احمد کنتوری

انجمن کی املا کمیٹی کے ایک رکن وہاج الدین احمد تھے۔ افسوس کہ سید وہاج الدین احمد کے بارے میں زیادہ معلومات دست یاب نہیں ہیں اور ان پر بہت کم لکھا گیا ہے، یہاں تک کہ 'برہان' اور 'معارف' جیسے رسالوں کی وفیات میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا، نہ وفیات کی دیگر کتب میں یا مشاہیر کے تذکروں میں ان کا نام نظر آتا ہے۔

البتہ جلیل قدوائی نے مولوی صاحب کے ایک خط بنام عبدالستار صدیقی میں وہاج الدین احمد کا ذکر آنے پر ایک جگہ وضاحتاً حاشیے میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> 'اُس وقت اورنگ آباد کالج میں پروفیسر تھے۔ پھر انفارمیشن آفیسر حکومتِ ہند ہوئے۔ امریکہ میں ہندوستانی [ہندستانی] سفارت خانے میں بھی رہے، پاکستان بننے کے کچھ عرصے بعد غلام محمد مرحوم [گورنر جنرل پاکستان] کے زمانے سے پچھلے چند دنوں تک گورنر جنرل اور صدر کے پریس اٹیچی تھے۔ اب پنشن یاب ہوچکے۔'[41]

وہاج الدین صاحب مولوی عبدالحق کے ساتھ انجمن کے کاموں میں بھی شریک رہے اور انجمن کی انگریزی بہ اردو لغت کی تیاری میں ان کے ساتھ کام کرتے رہے۔ مولوی عبدالحق نے انجمن کی اس لغت کے 1937 کے اڈیشن کے دیباچے میں ان کا ذکر کیا ہے اور مولوی عبدالحق کے بعض خطوط میں بھی جہاں انجمن کی انگریزی اردو لغت کا ذکر آیا ہے وہاں مولوی صاحب نے وہاج الدین صاحب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ 'اردو' کے اشاریے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید وہاج الدین کے کئی مضامین 'اردو' میں شائع ہوتے رہے[42]۔ بہ ظاہر یہ اِنھیں کے لکھے ہوئے ہیں، البتہ ان کا نام صرف سید وہاج الدین لکھا ہے اور مزید تحقیق کے بغیر وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ وہی وہاج الدین ہیں یا کوئی اور صاحب، جو ان کے ہم نام تھے، ان

مضامین کے خالق ہیں۔ البتہ ان مضامین میں سے کوئی بھی املا کے موضوع پر نہیں ہے۔

پورا نام سید وہاج الدین احمد کنتوری تھا جو ان کی کتاب 'نفسیاتِ ترغیب' کے سرورق پر لکھا ہے[۴]۔ اس کا دیباچہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا تھا اور دیباچے میں وہ کہتے ہیں کہ پروفیسر سید وہاج الدین (عثمانیہ کالج، اورنگ آباد، دکن) خالص علمی ذوق کے حامل ہیں اور نفسیات سے خاص دل چسپی رکھتے ہیں۔ عبدالماجد صاحب کے مطابق وہاج الدین صاحب کی اس کتاب میں میکفرسن کی معروف کتاب Psychology of Pursuation کو ماخذ بنایا گیا تھا لیکن دیگر کئی مآخذ سے استفادہ کیا گیا اور اس طرح یہ کتاب ترجمہ نہیں 'اچھی خاصی تالیف' بن گئی[۴]۔ کتاب پر سالِ اشاعت درج نہیں ہے لیکن مولانا عبدالماجد کے دیباچے پر 10 دسمبر 1925 کی تاریخ پڑی ہے۔ گویا کتاب غالباً 1926 کے آغاز میں شائع ہوئی ہوگی۔ عبدالماجد نے لکھا ہے 'ہونہار مولف کا مستقبل بہت امید افزا ہے۔'[۵] اس لحاظ سے اس وقت ان کی عمر زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے دو اڈیشن اور بھی شائع ہوئے۔

ایک چھوٹی سی منظوم تصنیف بھی ہے جس کا نام 'ناول اشکبار یا یتیم بچے کا خط' ہے۔ یہ گویا کسی قصے کا منظوم خلاصہ ہے اور اس کی ضخامت صرف بارہ (12) صفحات ہے۔ اسے ناول کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مطبع نظامی کانپور سے شائع شدہ اس کتابچے کی لوح پر مصنف کا نام 'منشی وہاج الدین احمد صاحب رئیس امیٹھوی' درج ہے اور یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ مصنف وہی سید وہاج الدین احمد ہیں جو کنتوری بھی تھے۔ جب تک کچھ شواہد نہ ہوں اس ضمن میں مزید کچھ کہنا مناسب نہ ہوگا۔

افسوس کہ ان کے حالات اور املا سے متعلق خیالات کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

4- ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے عبدالستار صدیقی کو 'فنِ املا' کا امام قرار دیا اور کہا کہ عبدالستار صدیقی نے بار بار املا کی اصلاح اور ترمیم پر زور دیا[۶]۔

عبدالستار صدیقی صاحب کا شمار اردو کے ان معدودے چند اہلِ علم میں ہوتا ہے جو نہ صرف اردو زبان اور اس کی نزاکتوں پر عبور رکھتے تھے بلکہ کئی زبانیں جانتے تھے نیز تاریخی و تقابلی لسانیات پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ اردو، ہندی، سنسکرت، انگریزی، فارسی اور عربی پر عبور

تھا، عربی وفارسی کے ادبیات پر عمیق نظر تھی اور بعض دیگر جدید وقدیم زبانوں مثلاً عبرانی، سریانی، لاطینی، جرمن اور ترکی وغیرہ سے بھی واقف تھے[7]۔ بقول تحسین فراقی کے، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ برِ عظیم پاک و ہند میں شاید ہی اس پایے کا کوئی اور عالم گزرا ہو جسے اتنی زبانوں پر بہ یک وقت عبور ہو اور وہ لسانیات سے بھی بہ خوبی واقف ہو نیز یہ کہ عبدالستار صدیقی کے مرتبے کے عالم اردو میں شاذ کے حکم میں ہیں[8]۔

مولوی عبدالحق ان سے مشاورت کرتے تھے۔ مولوی صاحب کے مکتوبات جو صدیقی صاحب کے نام ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب ان کی کتنی قدر کرتے تھے اور ان کی رائے اور مشوروں کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ وحید الدین سلیم اور سید سلیمان ندوی جیسے چوٹی کے اہلِ علم کے علمی کاموں میں بعض تسامحات کی نشان دہی عبدالستار صدیقی ہی کر سکتے تھے اور انھوں نے کی۔ سید عبداللہ نے نوادر الالفاظ جیسی قدیم لغت کی تدوین کے سلسلے میں ان سے بہت مدد لی[9]۔

☆ سوانح

عبدالستار صدیقی کے صاحب زادے مسلم صدیقی نے اپنے والد کے حالاتِ زندگی اختصار سے دیے ہیں[10] اور ان کے دوسرے صاحب زادے زہیر صدیقی نے نسبتہً [نسبتاً، ہندستان میں یہ املائی صورت زیادہ مروّج ہے] کچھ تفصیل سے اپنے والد کے حالاتِ زندگی اور شخصیت کے بارے میں لکھا ہے[11]۔ ان دونوں ماخذوں سے عبدالستار صدیقی کے حالاتِ زندگی مختصراً پیش ہیں:

زہیر صدیقی کے مطابق عبدالستار صدیقی لکھنؤ کے قریب ضلع پروڈی کے قصبے سندیلہ میں پیدا ہوئے۔ مسلم صدیقی نے ضلع ہردوئی لکھا ہے (ممکن ہے انتظامی طور پر ضلعوں کی حدود بعد میں تبدیل ہوگئی ہوں)۔ مسلم صدیقی نے لکھا ہے کہ عبدالستار صدیقی 25 دسمبر 1885 کو پیدا ہوئے لیکن زہیر صدیقی نے وضاحت کی ہے کہ سرکاری کاغذات میں تاریخ پیدائش 25 دسمبر 1885 درج ہے لیکن خود صدیقی صاحب نے گوٹنگن (Gottingen) یونی ورسٹی میں اپنے تحقیقی مقالے کے ساتھ جو مختصر حالاتِ زندگی خود شامل کیے ان میں ان کی تاریخِ پیدائش 26 دسمبر 1886 درج ہے۔ گویا اسکول میں داخلے کے وقت ان کی عمر لکھنے میں عمداً یا سہواً ایک

سال کا فرق پڑ گیا۔ چوں کہ عبدالستار صدیقی کے والد بہ سلسلۂ ملازمت ریاستِ حیدر آباد میں مقیم تھے چناں چہ عبدالستار صدیقی کی ابتدائی تعلیم گلبرگہ اور حیدر آباد میں ہوئی۔ میٹرک کے بعد علی گڑھ بھیج دیے گئے جہاں سے 1907 میں بی اے کیا۔ ایم اے میں داخلہ لیا لیکن پھر ملازمت کر لی اور کامٹی اور ناگ پور میں تدریس سے وابستہ رہے۔ پھر ملازمت سے استعفا دے کر 1912 میں الٰہ آباد یونی ورسٹی سے ایم اے کیا۔ 1912 میں وظیفے پر اعلا تعلیم کے لیے جرمنی گئے۔ 1917 میں پی ایچ ڈی کی۔ لیکن پہلی جنگِ عظیم جاری تھی لہٰذا 1919 کے اواخر سے پہلے واپس نہ آسکے۔ احادیث کے الفاظ کا اشاریہ بنانے میں یورپی ماہرین کے ساتھ شریک رہے۔ 1920 میں علی گڑھ میں عربی کے استاد رہے۔ 1920 ہی میں عثمانیہ یونی ورسٹی کالج، حیدر آباد (دکن)، کے پرنسپل ہو گئے۔ 1924 میں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں عربی اور اسلامیات کے صدرِ شعبہ ہوئے۔ 1928 سے 1948 تک الٰہ آباد یونی ورسٹی کے عربی و فارسی شعبے کے پروفیسر اور صدر رہے۔ پھر پروفیسر ایمریطس مقرر کیے گئے۔ 28 جولائی 1972 کو الٰہ آباد میں انتقال کیا۔☆

اردو لغت بورڈ، کراچی، کے رسالے 'اردو نامہ' کے مارچ 1973 کے شمارے میں عبدالستار صدیقی کی یاد میں ایک گوشہ شائع کیا گیا۔ اس کے ایک مضمون میں شوکت سبزواری لکھتے ہیں کہ عبدالستار صدیقی نے گوٹنگن یونی ورسٹی (جرمنی) سے سیبویہ کی 'الکتاب' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی تھی[۸۲]۔ مزید لکھتے ہیں کہ 'غیر منقسم ہندوستان [ہندستان] میں صرف انہی کی ایک علمی ذات تھی جن پر خاص لسانی مسائل میں اعتماد کیا جا سکتا تھا اور اساتذۂ علم و ادب کی نظروں میں انھیں درجۂ استناد حاصل تھا۔'[۸۳]

☆ علمی کام

گو کہ ان کی عمر کا بیش تر حصہ مطالعے اور تحقیق کے لیے وقف رہا لیکن عبدالستار صدیقی کم لکھتے تھے۔ زہیر صدیقی کے مطابق اگر چہ طالب علمی کے زمانے سے تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا اور حسرت موہانی کے اردوئے معلّٰی کے 1905 کے ایک پرچے میں ان کا پہلا مضمون شائع ہوا نیز یہ کہ ان کے مقالات و مضامین کی تعداد پچاس کے قریب ہو گی لیکن انھوں نے اپنی تحریروں

☆ آخری چند مہینوں میں ان کی یادداشت مکمل طور پر چلی گئی تھی (اطہر فاروقی)۔

کی ترتیب اور کتابی صورت میں اشاعت کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ مقصود احمد نے اپنے مقالے میں ان کے مقالات کی فہرست پیش کی ہے جن میں اردو، انگریزی اور جرمن زبان کی تحریروں کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے اور مرتبہ کتب وغیرہ اِن کے علاوہ ہیں اور بتایا ہے کہ عبدالستار صدیقی کی تصنیفی زندگی کا آغاز 1899 میں انتخابِ ادب نامی اردو نثر کے انتخاب سے ہوا تھا جو 26 اپریل 1899 کو لاہور سے چھپنے والے انتخابِ لاجواب میں شائع ہوا تھا۔ مقصود احمد نے اردوے معلّیٰ کے مضمون کے بارے میں بھی اطلاع دی ہے کہ یہ 'صحیح اور غلط اردو' کے عنوان سے تھا اور اردوئے معلّیٰ کے اکتوبر 1905 کے شمارے میں شامل تھا[۵۴]۔

صدیقی صاحب کے مقالات ان کے صاحب زادے مسلم صدیقی نے مرتب کیے جس کی پہلی جلد اتر پردیش اردو اکادمی (لکھنؤ) نے 1983 میں شائع کی۔ یہ پہلی جلد لاہور سے مجلس ترقیِ ادب نے بھی 2017 میں مقالاتِ عبدالستار صدیقی کے نام سے شائع کی۔ دوسری جلد مجلسِ ترقیِ ادب نے ساجد صدیق نظامی کی تدوین و ترتیب سے 2015 میں شائع کردی تھی۔ عبدالرشید ٹھٹھوی کی 'معربات ِرشیدی' جیسا اہم کام بھی اگرچہ عبدالستار صدیقی نے مرتب کرلیا تھا اور اس کی طباعت بھی ہوگئی تھی لیکن اشاعت نہ ہوسکی اور طبع شدہ صفحات بھی تقریباً ضائع ہوچکے تھے[۵۵]۔ آخر کار مظہر محمود شیرانی کی تدوینِ نو، فارسی متن، اردو ترجے، حواشی، ضمائم اور اشاریے کے ساتھ عبدالستار صدیقی کا یہ کام کراچی سے ادارۂ یادگارِ غالب نے 2003 میں شائع کیا۔

☆ املا سے متعلق عبدالستار صدیقی کے افکار و تجاویز

بیسویں صدی میں اردو املا کے مسائل ابتدائی طور پر اٹھانے والوں میں احسن مارہروی کے علاوہ عبدالستار صدیقی بھی شامل تھے اور اس ضمن میں عبدالستار صدیقی کا تحریر کردہ ایک مضمون انجمن ترقی اردو (ہند) کے رسالے 'اردو' کی اکتوبر 1923 کی شاعت میں شامل ہوا۔ اس کا عنوان ہے: اردو رسم خط میں اصلاح (ص 91-581)۔ اس مضمون کی ابتدا میں ایک ادارتی شذرہ ہے جس سے انجمن کی اصلاح املا کی کوششوں سے متعلق بعض اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں اور بعض اہم نکات کا خلاصہ بھی اس میں آگیا ہے اس لیے اس کے اقتباسات یہاں پیش ہیں:

'اردو رسمِ خط کی اصلاح کے متعلق متعدد مضامین اردو کے مختلف

رسالوں میں شائع ہوئے۔کافی بحث ہونے کے بعد ایک مجلس حیدرآباد میں امورِ بحث طلب کے فیصلے کے لیے منعقد ہوئی جس میں اصحابِ ذیل شریک تھے۔ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی پرنسپل عثمانیہ کالج، مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم دارالترجمہ،مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ،مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر عثمانیہ کالج،مولوی سید احمد علی صاحب ناظرِ تعلیمات ضلع ناندیڑ، مولوی سید سجاد مرزا صاحب بی اے (کینٹب) پرنسپل مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ اورنگ آباد، عبدالحق...ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی نے جو تجاویز جلسے میں پیش کیں وہ ارکانِ مجلس نے تقریباً سب منظور کرلیں جو اس مضمون کے پڑھنے سے واضح ہوں گی۔ڈاکٹر صاحب نے ان تجاویز میں اردو ٹائپ کی مشکلات کو پیشِ نظر رکھا ہے... مثلاً انھوں نے اعراب بجائے حروفِ صحیح کے حروفِ علت پر رکھے ہیں یعنی ٹائپ میں 'ؤ' اور 'ئ' مع اعراب رہیں گے جہاں ضرورت ہوگی لگادیے جائیں گے۔[٨٦]

اس کے بعد اس شذرے (مطبوعہ سہ ماہی اردو، اکتوبر 1923) میں علاماتِ اوقاف کا ذکر ہے اوران کے انگریزی نام، اردو نام اور علامت دی گئی ہے، مثلاً: کولن (colon) یعنی ':' کے لیے اردو نام نیم وقفہ لکھا گیا ہے اور اسی طرح دیگر اوقاف کے لیے نام اور علامات ہیں (کولن کا ایک نام تفصیلیہ بھی کہیں اور ملتا ہے)۔لیکن یہ سردست ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

پھر صدیقی صاحب کے مضمون کا آغاز ہوتا ہے جس میں انھوں نے پہلے تو اردو رسمِ خط یا املا (ان کے اپنے الفاظ میں اردو 'تحریر') کے بارے میں کہا ہے کہ:

1- اس میں دو خرابیاں ہیں، ایک حروفِ صحیح (consonants) سے متعلق ہے اور دوسری حروفِ علّت یعنی مصوتوں (vowels) سے۔اردو کے حروفِ صحیح یعنی مصمتوں میں خرابی بقول صدیقی صاحب کے یہ ہے کہ 'کئی کئی حرفوں کی آواز ایک ہے، جیسے 'ا' اور 'ع' کی آواز ایک ہی ہے۔اسی طرح 'ت' اور 'ط' کی، 'ث'، 'س' اور 'ص' کی، 'ح' اور 'ہ' کی، 'ذ'، 'ز'، 'ض' اور 'ظ' کی آواز ایک ہی ہے۔اردو کی ضرورت کے لیے صرف 'ا'، 'ت'، 'س'، 'ہ' اور 'ز' کافی ہیں' (ص

582)۔ باقی حروف کوانھوں نے 'بے ضرورت' قرار دیا ہے اور صرف دوسری قسم کی خرابی یعنی حروفِ علت سے متعلق تجاویز پیش کی ہیں۔

اس کے بعد املا کی اصلاح کا مقصود یہ بتایا ہے: موجودہ کتابت کے التباس دور کرنا، ٹھپے [یعنی ٹائپ] کے چھاپے کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، حروف کو اعراب سے مستغنی کرنا (ص 583)۔ پھر انھوں نے اصلاح کی تدبیریں بتائی ہیں جن میں سے کچھ مختصراً پیش ہیں (اگر چہ یہاں درج تجاویز لفظ بہ لفظ صدیقی صاحب کے الفاظ میں نہیں ہیں لیکن حتی الامکان صدیقی صاحب کے الفاظ برقرار رکھے گئے ہیں لیکن صدیقی صاحب چوں کہ ہمزہ کو حروف کے اوپر لکھنے کے بجاے ان کے درمیان لکھنے کے قائل تھے لہٰذا ان کے اس مخصوص املا کے بعد ہم نے وضاحت کی خاطر چوکور خطوط وحدانی [ ] میں رائج املا میں ان الفاظ کو چند مقامات پر دوبارہ لکھ دیا ہے (ہم نے مثلاً 'آ ءے' کو 'آئے' لکھ کر وضاحت کی ہے)۔ یہ تجاویز اکتوبر 1923 کے اردو میں شائع ہوئی تھیں (ص 581 تا 591):

2- جہاں تک ہو سکے ہر لفظ الگ الگ لکھا جائے اور مثلاً 'آپنے، تمنے، آپکیخدمتمیں، عرفانعلیخانصاحب، جسکواورنجایگا' کو 'آپ نے، تم نے، آپ کی خدمت میں، عرفان علی خاں صاحب، جس کو اور نہ جائے گا' لکھنا چاہیے۔ اسی طرح مقامات کے نام کان پور، ناگ پور، بھرت پور اور شاہ جہان پور وغیرہ لکھنے چاہییں [یعنی بجاے کانپور، ناگپور، بھرتپور اور شاہجہانپور وغیرہ کے]۔ (ص 583)

3- اردو کے ہر لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے اس لیے اس پر جزم لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ص 584)

4- لفظ کے آخری حرف کو چھوڑ کر جس حرفِ صحیح [یعنی مصمتہ یا consonant] پر کوئی اعراب یا علامت نہ ہو اسے مفتوح پڑھنا چاہیے۔ (ص 584)

5- لفظ کے آخری حرف کے سوا جہاں ساکن حرف ہو وہاں جزم ضرور لکھنا چاہیے لیکن اردو فعل کے مادے میں ساکن حروف پر جزم لگانے کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً کھیلنا، کاٹنا میں لام اور ٹ پر جزم نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح اردو کے عام لفظوں میں بھی جزم کی ضرورت نہیں جیسے دوسری، پانچواں [میں س اور چ پر]۔ (ص 584)

6- مشدد حرف پر تشدید کا نشان ضرور لگانا چاہیے۔ (ص 584)

7- الف مکسور یا مضموم ہو اور اس کے بعد کا حرف ساکن ہو تو اس [الف] پر اعراب ضرور لگانا چاہیے، جیسے: اِس، اُس۔ (ص584)

8- اردو میں اگر الف یا واو کے بعد ہمزہ آئے تو اس ہمزہ کے لیے شوشہ نہ بنایا جائے بلکہ اس کے بعد برابر ہی میں ہمزہ لکھا جائے جیسے: آءی، آءے، سوءے، کھوءے [یعنی آئی، آئے، سوئے، کھوئے]۔ (ص584)

9- دو لفظوں کے درمیان مناسب فاصلہ دیا جائے لیکن جو مرکب دو یا تین لفظوں سے مل کر بنے ہوں ان کے اجزا کو الگ الگ لکھا جائے اور ان کے درمیان فاصلہ نہ دیا جائے، جیسے پن گھٹ، دل کش، دل چسپ۔ البتہ جو لفظ ایک دوسرے سے ایسے جڑ گئے ہیں کہ کوئی آواز جاتی رہی ہے انھیں ملا کر لکھا جائے، جیسے: سیلاب، دلارام، دلازار [یعنی سیل آب، دل آرام، دل آزار کے بجائے]۔ (ص584)

10- فارسی اضافت کے کسرے کو ہمیشہ لکھنا چاہیے۔ (ص85-584)

11- اس کے بعد انھوں نے 'و' اور 'ی' پر اعراب لکھنے سے متعلق تجاویز پیش کی ہیں اور یہاں بھی بنیادی خیال ٹائپ کی چھپائی میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ ان تجاویز میں سے کچھ کو یہاں مختصراً پیش کیا جاتا ہے: واوِ مجہول پر کوئی اعراب نہ لکھے جائیں، مثلاً چور، مور، شور [یہاں بغیر کسی وضاحت کے مثالوں میں چند الفاظ لکھے گئے ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا خیال تھا کہ فعلِ امر مثلاً لاؤ، جاؤ وغیرہ میں ہمزہ کو واو سے پہلے لکھا جائے، یعنی لاءو، جاءو۔ اسما میں واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا، مثلاً پاو بھر آٹا، ناو۔ بعد ازاں وضاحت میں لکھا ہے کہ بعض الفاظ مثلاً ناو، گھاو، پڑاو، دیو، سیوو غیرہ میں واو کی آواز پوری نہیں آتی]۔ (ص585)

12- 'و' اور 'ی' کی مختلف آوازوں کے لیے صورتیں بھی مختلف ہوں اور وہی ہمیشہ استعمال کی جائیں۔ لوہے کے چھاپے کے لیے اِن میں سے ہر صورت کا ایک الگ ٹھپہ ڈھال لیا جائے۔ (585)

13- واوِ معروف میں واو پر الٹا پیش بنایا جائے، جیسے: دوٗر، پھوٗل، جھاڑوٗ۔ جیسے مدظلہٗ کی 'ہٗ' پر ہوتا ہے۔ (ص585)

14- ماقبل مفتوح کے لیے 'وْ' کے اوپر جزم بنایا جائے۔ (ص586)

15- مخلوط اور معدولہ واو [دونوں] کے لیے الٹا جزم لگایا جائے۔ معدولہ واو کے لیے

کسی اور نشان کی ضرورت نہیں [یعنی واو مخلوط اور واو معدولہ دونوں کے لیے ایک ہی علامت الٹا جزم ہو]۔ مخلوط اور معدولہ واو اِنے گِنے فارسی لفظوں کے لیے آتا ہے اور ان میں سے ہر لفظ خ سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی جس واو کے بعد الف یا 'ی' آئے، اس واو پر الٹا جزم بنایا جائے، جیسے خواب، خواہش۔ واوِ معدولہ کے لیے کسی الگ نشان کی ضرورت نہیں [یعنی الٹا جزم ہی کافی ہے]۔ (ص 586)

16- الف ممدودہ یا یاے ممدودہ کے بعد اگر واو مجہول آئے تو اس کی آواز پوری نہیں رہتی، جیسے: پاو، ناو، گھاو۔ ایسی صورت میں ہمزہ کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح سیو، دیو۔ لیکن آؤ، جاؤ میں ہمزہ لکھنا ضروری ہے [امر ہونے کی وجہ سے اور تلفظ کی درست ادائی کے لیے]۔ (ص 586)

17- یاے مجہول کے لیے کوئی علامت مقرر نہیں کی گئی ہے۔ (ص 586)

18- یاے معروف اگر لفظ کے بیچ میں آئے تو اس کے دو نقطوں کے نیچے ایک شوشہ بنایا جائے جیسے خوش نویس محض خوب صورتی کے لیے یے [ے] کے نقطوں کے نیچے لگاتے ہیں۔ پس کوئی نامانوس چیز نہیں ہے۔

19- ی ماقبل مفتوح [یعنی یاے لین] اگر لفظ کے آخر میں آئے تو نصف یا کٹی ہوئی لکھی جائے اور اگر لفظ کے بیچ میں آئے تو اس 'ی' پر جزم بنایا جائے۔ (586)

20- یاے مخلوط پر الٹا جزم لگایا جائے، مثلاً: پیاس، پیارا [میں ی پر]۔ (ص 586)

21- الف ممدودہ یا واوِ ممدودہ کے بعد اگر یاے مجہول آئے تو اس کی آواز پوری نہیں رہے گی، جیسے: چاے، گاے، علماے کرام، اردوے معلیٰ، بوے گل۔ ایسی صورت میں ہمزہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن آءے، جاءے، کھوءے، سوءے [یعنی آئے، جائے، کھوئے، سوئے] میں ہمزہ کا لکھنا ضروری ہے۔ (ص 587)

'و' اور 'ی' سے متعلق ان کی کچھ تجاویز یہ تھیں:

22- واو اگر حرفِ صحیح کے طور پر آئے تو اس کے نیچے جزم بنایا جائے، مثلاً کواڑ، جواب (ص 587) [یہاں واو کے نیچے کاتب نے جزم لکھا ہے لیکن یہاں کمپیوٹر میں اس کا بنانا بہت مشکل ہے] [نیز یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اردو رسمِ خط میں واو کی دہری حیثیت ہے اور یہ کبھی مصوتے یعنی vowel کو اور کبھی مصمتے یعنی consonant کو ظاہر کرتا ہے، مثلاً

واپس، وعدہ، وہاں میں واو مصمتہ ہے لیکن اور، چور، مور میں مصوتہ [صدیقی صاحب اسی کی وضاحت املا میں چاہتے تھے]۔

23- 'ی' اگر حرفِ صحیح کے طور پر آئے تو اس کے نیچے جزم بنایا جائے، مثلاً ید، یاد (ص 587) [یہاں بھی کاتب نے ی کے نیچے جزم بنایا ہے] [یہاں بھی یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اردو رسمِ خط میں 'ی' کی دوہری حیثیت ہے اور یہ کبھی مصوتے کو اور کبھی مصمتے کو ظاہر کرتا ہے]۔

24- ہائے ملفوظ کے نیچے ایک ہک (hook) بنایا جائے۔ (ص 587)

25- ہائے مخلوط دو چشمی ہا (ھ) سے لکھی جائے۔ (ص 587)

26- 'واؤ اور 'ی' کی مختلف آوازوں کے لیے الگ الگ حرفوں کے مقرر کر لینے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے قبل جو حروف آئیں وہ اعراب سے مستغنی ہو جاتے ہیں' (ص 588) اس کے بعد انھوں نے ایک عبارت دو بار لکھی ہے، ایک بار اعراب کے ساتھ اور ایک بار بغیر اعراب کے، اور کہتے ہیں کہ بے اعراب کی عبارت معمول کے مطابق عام چھپی ہوئی کتاب کی ہوگی اور اعراب والی عبارت مبتدیوں کے پڑھنے کے لیے ہوگی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جو قاعدے اوپر بیان کیے گئے ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو بہت تھوڑے نشان لگانے سے عبارت کی تشکیل ہو جاتی ہے اور تلبیس نہیں رہتی۔ نیز یہ کہ اس طرح اعراب کی تعداد گھٹ گئی ہے اور بہت سے حروف اعراب سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ (ص 590)

اگر چہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض لفظ مجوزہ قاعدوں کے مطابق نہیں لکھے جا سکتے جیسے ہونا کا ماضیِ مطلق 'ہوا' اور 'ہوئی'، اگر ان دو لفظوں کو قاعدے کے مطابق لکھا جائے تو 'ہُا' اور 'ہُئی' لکھیں گے اور یہ مروّج شکل سے بہت دور جا پڑتے ہیں۔ اور بہتر ہے کہ ان کو ہوءا اور ہوءی لکھا جائے (ص 91-590)۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ بعض لفظوں میں 'وْ' لکھا جائے گا [یعنی واو کے اوپر ہک یا شکن] 'مگر اس کی آواز خفیف ہوگی جیسے کان پوْر میں، کیوں کہ اس کا فصیح تلفظ 'کان پُر' ہے۔ پس ایسی صورتوں میں بہتر ہے کہ لفظ کی اصل کا لحاظ کر کے اس کی کتابت کی جائے یعنی کان پوْر، شاہ جہاں پوْر گو کہ اس کا تلفظ ...پُر کیا جائے' (ص 591)۔

یہ تحریر اور تجاویز 1923 کی ہیں۔

املا سے متعلق 'اردو' کے شمارے جنوری 1944 میں ایک طویل تحریر شائع ہوئی (ص 103 تا ص 120)۔ اس کا عنوان ہے: 'ا۔ اصلاحِ رسم الخط' [رسمِ خط] اور مصنف کا نام مولوی

سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی درج ہے لیکن اس میں کچھ اور تحریریں بھی شامل ہیں، مثلاً پہلے تو ابتدائی تجاویز کے زیرِ عنوان ایک تحریر ہے جس کا نام 'رسمِ خط کے متعلق چند تجاویز' ہے (ص 104-10)۔ پھر عبدالستار صدیقی صاحب کی ایک تحریر بھی اُس مضمون کا حصہ ہے، جیسا کہ اوپر سید ہاشمی کے ذکر میں ہم نے عرض کیا ہے۔ یہاں عنوان ہے '2- رودادِ مجلس منعقدہ 22 مارچ سنہ 43' اور اگلی سطر میں جلی قلم سے 'کمیٹی اصلاحِ رسمِ خط' لکھا ہے (ص 100)۔ اس کے بعد مجلسِ ذیلی کل ہند اردو کانفرنس، ناگ پور کی منظور کردہ 'تجاویز اصلاح رسمِ خط' درج کی گئی ہیں۔ (ص 117)

املا کمیٹی کی روداد (منعقدہ 22 مارچ 1943) چوں کہ عبدالستار صدیقی نے قلم بند کی تھی، لہٰذا ان تجاویز کو یہاں مختصراً پیش کیا جارہا ہے۔ بعض تجاویز وہی ہیں جو ہاشمی صاحب کے مضمون میں ہیں، تاہم ان میں سے بعض کو یہاں مختصراً دہرانا مجبوری ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ حتی الامکان وہی رہیں جو صدیقی صاحب نے لکھے ہیں[۸۷] (البتہ رسالے میں ان کا وہ مخصوص املا لکھا گیا ہے جس کی تجاویز پیش کی گئی ہیں، مثلاً نصف یا کٹی ہوئی 'ی'، ہمزہ کو الگ لکھنا اور نون غنے کے اوپر چھوٹا سا دائرہ، البتہ ایک دو تجاویز کو ظاہر ہے کہ یہاں کمپیوٹر پر اس املا میں لکھنا ممکن نہیں):

27- مرکب لفظ جو دو یا دو سے زیادہ لفظوں سے مل کر بنے ہوں آپس میں ملا کر نہ لکھے جاویں، جیسے: آج کل، کل جگ، شاہ نامہ، شاہ جہاں آباد، ناگ پور، کان پور، [یعنی ان کو ملا کر آجکل، کلجگ، شاہنامہ، کانپور وغیرہ نہ لکھا جائے]۔ (ص 111)

28- بعض مفرد الفاظ دو طرح لکھے جاتے ہیں، جیسے بی بی اور بیبی، دُل دُل اور دلدل وغیرہ، ان کی منفصل لکھاوٹ اختیار کی جائے، مثلاً کھل بلی، جُھٹ پُٹا، جُھن جُھنا، کھٹ کھٹانا [اور اسی طرح بی بی اور دُل دُل]۔ (ص 111)

29- ہمزہ بالکل جدا لکھا جائے، نہ اس کے لیے کوئی شوشہ ہو اور نہ یہ کسی حرف کے اوپر لکھا جائے، مثلاً: آءی، آءے، آءیں، آءو، جاءو، بھلاءی، یوسف زءی، زاءل، قاءل، قاءم، شاءع، وظاءف، عزراءِیل، میکاءِیل، وغیرہ [یعنی ان کو آئی، آئے، آئیں، آؤ، جاؤ، بھلائی، یوسف زئی، زائل، قائل، قائم، شائع، وظائف، عزرائیل، میکائیل وغیرہ نہ لکھا جائے]۔ (ص 111-12)

30- فارسی لفظ بہ، نہ، چہ، کہ، بے وغیرہ جو خود فارسی میں بھی کبھی ملا کر اور کبھی الگ لکھے

جاتے ہیں اردو عبارت میں الگ لکھے جائیں، جیسے: بہ خوبی، بہ ہر حال، بہ دولت، چہ کنم، حال آں کہ، بل کہ، چوں کہ، چناں چہ، تا وقتے کہ، بہ شرطے کہ [یعنی ان کو ملا کر بخوبی، بہر حال، بدولت، چکنم، حالاں کہ، بلکہ، چوں کہ، چناں چہ، تاوقتیکہ، بشرطیکہ وغیرہ نہ لکھا جائے]۔ (ص 112)

31- لمبی 'ے' کو جو، ٹائپ میں دقتیں پیدا کرتی ہے اور بہت بدنما ہوتی ہے، قطعاً ترک کر دینا چاہیے اور آدھے دائرے والی 'ی' سے کام لیا جائے۔ اور جب 'ی' سے پہلے مفتوح حرف ہو تو بھی 'ی' آدھے دائرے کی ہو مگر اس پر جزم ضرور ہونا چاہیے۔ (ص 112)

32- دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، لکھنے میں دو حرف ہیں مگر ان کی آواز ایک ہے۔ ان کو ملا کر لکھنا چاہیے اور یہ اگلے حرف سے کسی صورت نہ ملیں، مثلاً ڈھ ن (ڈھن)، ادھ ورا (ادھورا)، وغیرہ [یہاں مثالوں میں 'ھ' کو پچھلے حرف مثلاً دال سے ملا کر اس طرح لکھا گیا ہے کہ دال کا آخری سرا دو چشمی ھ کے آخری سرے سے مل گیا ہے اور جسے یہاں کمپیوٹر میں بنانا ممکن نہیں]۔ (ص 112)

33- نون غنہ ہمیشہ منفصل لکھا جائے اور اس کی شکل یہ ہو: ں [یہاں نون غنے کے اوپر منا سا دائرہ بنایا گیا ہے]۔ مثالیں: باں س [بانس]، پھاں س [پھانس]، ہں س [ہنس]۔ پھر یہ جملہ مثال میں لکھا ہے: وہ یہ سن کر ہں سے گا، سں گھاڑے کہاں بکتے ہیں؟] وہ یہ سن کر ہنسے گا، سنگھاڑے کہاں بکتے ہیں]۔ (ص 112)

34- عربی لفظوں کی کتابت کے متعلق سفارش کی جاتی ہے کہ (ص 14-112):

34- الف۔ جو عربی الفاظ عربی میں بھی الگ لکھے جاتے ہیں مثلاً اِن، من، عن، فی، ان کو اردو میں بھی الگ لکھا جائے، جیسے: ان شاء اللہ، عن قریب، من جانب، فی صد وغیرہ۔ [صدیقی صاحب نے حاشیے میں لکھا ہے کہ فارسی والوں نے ان الفاظ کو 'ملا کر لکھنے پر اصرار کیا مگر یہ سراسر بے جا اور غلط ہے' دیکھیے: حاشیہ ص 113]۔ البتہ ایسے کسی لفظ کے بعد عربی کی ضمیر آئے تو وہ ملا کر لکھی جائے جیسے عنہ، مِنہٗ، فیہا۔ (ص 113)

34- ب۔ عربی کے حرفِ تعریف 'ال' کی کتابت کے متعلق طے ہوا کہ:

34- ب۔ (1)۔ ال کے بعد کا لفظ اگر قمری حرف یعنی الف، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی میں سے کسی حرف سے شروع ہوتا ہو اور الف سے پہلے بھی کوئی لفظ آ کر اس سے مرکب ہوا ہو تو ال کے الف پر صرف گول جزم بطور سکوت کی علامت کے طور پر

ہو، اس طرح: بالکل، بالفعل، عبدالجبار، عبدالقادر۔

34- ب۔(2)۔ال کے بعد کا لفظ اگر شمسی حرف (یعنی ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن میں سے کسی حرف) سے شروع ہوتا ہو تو ال کے لام پر سکوت کی علامت ہو (الف پر ضرورت نہیں)؛ لیکن اگر ال سے پہلے کوئی عربی لفظ آ کر اس سے مرکب ہوا ہو تو الف اور لام دونوں پر (اسی طرح سے اْلْ) سکوت کی علامت ہو جیسے: السّلام علیکم، مگر علیکم اْلسلام۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ الف پر سکوت کی علامت ہو، لام خالی رہے مگر شمسی حرف پر تشدید ضرور لگائی جائے۔ اس صورت میں سیکھنے والے کو یہ بتایا جائے کہ اگر لام کے بعد والے حرف پر تشدید ہو تو لام تلفظ میں نہ آئے گا۔(ص113)

34- ج۔وہ عربی لفظ یا نام جو خود عربی میں دو طرح لکھے جاتے ہیں ان کی اس لکھاوٹ کو اختیار کرنا چاہیے جو اردو لکھاوٹ کے مطابق یا اس سے قریب ہے، اس کی تفصیل یہ ہے [یہاں صدیقی صاحب نے ایک جدول کی سی صورت بنائی ہے لیکن ہم اسے سیدھی سطروں ہی میں لکھیں گے]:

34- ج۔(1)۔[عربی میں] ابرٰہیم، سلیمٰن، لقمٰن، شیطٰن کو ابراہیم، سلیمان، لقمان اور شیطان، یعنی دو طرح لکھا جاتا ہے مگر اردو میں صرف دوسری طرح [یعنی، ابراہیم، سلیمان، لقمان وغیرہ] لکھا جاتا ہے اور اسی طرح لکھنا چاہیے۔(ص14-113)

34- ج۔(2)۔[عربی میں] اسمٰعیل، رحمٰن اور اسماعیل، رحمان۔ اردو میں بھی دونوں طرح لکھا جاتا ہے لیکن صرف دوسری طرح (اسماعیل، رحمان) لکھنا چاہیے۔(ص114)

34- ج۔(3)۔[عربی میں] حیوٰۃ، نجٰوۃ، ربوٰ، منوٰۃ کو حیاۃ، نجاۃ، ربا، مناۃ بھی لکھا جاتا ہے۔ اردو میں حیات، نجات، رِبا، منات لکھتے ہیں اور اسی طرح لکھنا چاہیے۔(ص114)

اس کے بعد 'فائدہ' کے عنوان کے تحت بعض اہم باتیں لکھی ہیں جو یہ ہیں:

> 'عربی میں ان لفظوں کی پہلی لکھاوٹ بہت پرانی ہے اور جب قرآن کا متن پہلے پہل لکھا گیا تو یہ لکھاوٹ اختیار کی گئی۔ اس کے بعد اس کو بدلنا پسند نہیں کیا گیا اور اب تک ہر لفظ اسی پرانی صورت اور ہیئت میں موجود ہے۔ مگر جب عربی میں کتابت کے اصول مقرر کیے گئے تو یہ لفظ پورے الف سے لکھے گئے اور ماسوا قرآن کے عربی کتابوں میں اکثر و

بیشتر پورے الف والی کتابت پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ بڑی مستند کتابوں میں جب قرآن کی آیتیں نقل ہو رہی ہیں اور ان میں ایسے لفظ آگئے ہیں تو بھی پورے الف سے لکھے گئے ہیں۔' (ص 114)۔

اس کے بعد صدیقی صاحب نے عربی الفاظ اور بعض دیگر املائی مسائل پر تجاویز دی ہیں جو یہ ہیں (ص 17-114):

34- (د)۔عربی کی ۃ کو اردو میں ہمیشہ ت لکھنا چاہیے۔(ص ۱۱۴)

34- د۔(1)۔وہ عربی لفظ جن میں الف مقصورہ لکھنا غلط ہے (مگر لوگ نادانستہ ان میں بھی مقصور الف لکھ دیتے ہیں، جیسے استعفیٰ، ارتضیٰ، اجتبیٰ، اصطفیٰ) صحیح طریقے سے لکھے جائیں یعنی یوں: استعفا، ارتضا، اجتبا، اصطفا۔(ص 15-114)

34- د:(2)۔عربی میں جو لفظ الف مقصورہ سے لکھے جاتے ہیں اردو میں وہ معمولی الف سے لکھے جائیں اور ان کی تفصیل یہ ہے:

اعلیٰ، ادنیٰ، اولیٰ، علیٰ حالہ، علیٰ حدہ، مولیٰ، مولینا، معلّیٰ، مصلّیٰ، معمّیٰ، مجلّیٰ، مربیٰ، معرّیٰ، مدعیٰ علیہ، وغیرہ۔ان میں سے بہت سے الفاظ اردو (اور فارسی میں) معمولی الف سے لکھے جاتے ہیں، جیسے مربا، معرا، مصلاّ، معما، منقا، تقاضا، تماشا، تمنا، تبرا، تولا۔کچھ لفظ دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، جیسے: مولا (یا مولیٰ)، مولانا (یا مولینا)، معلاّ، مدعا علیہ۔کچھ ایسے ہیں کہ ایک زمانے میں سیدھے الف سے لکھے جاتے تھے، جیسے اعلا، ادنا، اولا، مگر لوگوں نے رجعت کی اور وہ پھر الف مقصورہ سے لکھے جانے لگے (ص 115) [یہاں حاشیے میں صدیقی صاحب نے عربی کی مثال دی ہے کہ بعض الفاظ عربی میں بھی معمولی الف سے لکھے جاتے ہیں جیسے اعلاہُم، ادناہُ، مولاءی، دیکھیے حاشیہ ص 115]۔

34- د3)۔علیٰ حدۃ دو لفظ ہیں (اور عربی میں کبھی ملا کر نہیں لکھے جاتے) مگر اردو والے ان کو ملا کر لکھتے ہیں علحدہ یا علیحدہ۔بہتر ہے کہ 'علاحدہ' لکھا جائے۔(ص 115) ان سب لفظوں کو یوں لکھنا چاہیے:

ادنا، اعلا، اَولا، اُولا، مولا، مولانا، مدعا علیہ، متوفا، مستثنا، صلِّ علا، مجلا، معما، مربا، علاحدہ۔

34- د۔(4)۔ ناموں کو بھی یوں لکھ سکتے ہیں، جیسے مصطفا [یعنی مصطفیٰ]، مرتضا

[مرتضیٰ]، کِسرا[کسریٰ]، صُغرا[صغریٰ]، کُبرا[کبریٰ] وغیرہ۔(ص115)
اس کے بعد بعض مزید تجاویز ہیں جو یہ ہیں (ص 17-115):

35- فارسی اور عربی کے سوا کسی غیر زبان کا لفظ اردو میں لکھا جائے تو اس کے صوتی ٹکڑوں کو جہاں تک ہو سکے الگ الگ کر کے لکھنا چاہیے، جیسے انگریزی کے: اِن فارمل، اِنس پک ٹر، مس ٹر، م سز، ڈاک ٹر، ک لک ٹر، انس ٹی ٹیوٹ، یونی ورسٹی، ڈی پارٹ منٹ [وغیرہ]۔ [یعنی انفارمل، انسپکٹر، مسٹر، مسز، ڈاکٹر، کلکٹر، انسٹیٹیوٹ، یونیورسٹی، ڈیپارٹمنٹ، وغیرہ]۔ (ص115)

رسمِ خط کو زیادہ آسان بنانے کے لیے اور تعلیمی ضرورتوں میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ان امور کی سفارش کی جائے:

36- (الف) مصدر یا کسی صیغے کے آخر میں جو نا (نی، نے)، تا (تی، تے) آتے ہیں وہ اصل یا مادے سے جدا کر کے لکھے جائیں، جیسے: لے نا، لے تا، لے تی، لکھ نا، لکھ تے، لکھ تی، لکھ تیں، [وغیرہ، یعنی لینا، لیتا، لیتی، لکھنا، وغیرہ کو توڑ توڑ کر لکھا جائے]۔(ص116)

36- (ب) 'ی' بھی (مثل اور حرفِ علت 'ا' اور 'و' کے) منفصل حرفوں میں شامل کی جائے اور کتابت کی صورتیں تلفظ کے مطابق اس شکل سے ہوں [یہاں حروف کو توڑ کر لکھا گیا ہے اور 'ے' کو کٹی ہوئی یا نصف لکھا گیا ہے جس کو یہاں کمپیوٹر میں بنانا ممکن نہیں ہے]:

معروف	ماقبل مفتوح	مجہول
بی ن [بِین]	بے ن [بَین، کٹی ہوئی یا نصف ے]	بے ر [بیر، کٹی ہوئی ے]
پی ر [پِیر]	پے ر [پَیر، کٹی ہوئی یا نصف ے]	پھے ر [کٹی ہوئی ے]

[اور ایسی مزید مثالیں بھی درج ہیں]۔(ص116)

36- (ج) خواندگی کی ابتدائی کتابوں میں لفظ کا ہر ٹکڑا (یا رکن) علاحدہ لکھا جائے اور حروفِ متصل کسی حالت میں چار سے زیادہ ملا کر نہ لکھے جائیں۔ بجائے مصیبت کے مُ صی بت، بجائے قرینہ کے ق ری نہ، بجائے گھر کنا کے گھُ رک نا۔ (ص 117)۔ پھر لکھا ہے کہ ان تین تجویزوں پر صرف ابتدائی مرحلوں میں کام لیا جائے گا اور پڑھنے والے ترقی کر لیں گے تو حرفوں کے جوڑ توڑ بنا کر انھیں مشق کرا دی جائے گی۔(ص117)

اب آتے ہیں عبدالستار صدیقی کے ان مقالات کی طرف جو کتابی صورت میں شائع ہو گئے

ہیں۔ عبدالستار صدیقی صاحب کے مقالات میں، خاص کر پہلی جلد میں، املا سے متعلق اہم نکات درج ہیں جن میں سے کچھ کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان میں بعض نکات وہی ہیں جو اوپر پیش کیے جا چکے ہیں اور تکرار سے بچنے کے لیے ان کی طرف یہاں صرف اشارے کیے جائیں گے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مقالاتِ صدیقی میں اردو املا کے عنوان سے جو مقالہ شامل ہے وہ پہلے ہندوستانی (الٰہ آباد) کے جنوری 1931 کے شمارے میں شائع ہوا تھا اور یہاں اسی سے ابتدا کی جا رہی ہے[۸۸]۔ اس مقالے میں صدیقی صاحب نے املا کے ضمن میں جو تجاویز پیش کی ہیں ان کا خلاصہ یہاں پیش ہے[۸۹] (یاد رہے کہ یہاں لفظ خلاصہ 'مختصر اعادہ' کے مفہوم میں برتا گیا ہے نہ کہ 'وضاحت' یا 'تفصیل' کے مفہوم میں)۔ کوشش کی گئی ہے کہ متن اور مفہوم حتی الامکان صدیقی صاحب ہی کا رہے البتہ جو الفاظ انھوں نے وضاحت کے لیے یا مثالاً لکھے ہیں ان کی فہرست طویل ہونے کی صورت میں سب نہیں لکھے گئے۔ یہ تجاویز مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی) سے ماخوذ ہیں (19-1) اور یہاں شمار کے عدد اور حروف بھی وہی رکھے گئے ہیں جو مقالاتِ صدیقی میں ہیں:

☆ (1) الف اور ہاے مختفی

اردو لفظوں میں 'ہ' مختفی کا وجود نہیں ہے۔ مختفی 'ہ' فارسی کی چیز ہے اردو اور ہندی لفظوں میں نہیں آسکتی۔ عربی الفاظ جب فارسی میں آئے تو ان میں سے بعض میں تصرف بھی کیا گیا اور عربی کی 'ۃ' (گول ت) کو فارسی والے 'ہ' مختفی کی طرح بولنے لگے اور 'ہ' لکھنے بھی لگے۔ عربی کے کچھ لفظ مثلاً عزۃ، خدمۃ، جنۃ فارسی میں 'ۃ' کے بجائے 'ت' سے لکھے جانے لگے، یعنی عزت، خدمت، جنت لیکن کچھ لفظوں میں مختفی 'ہ' لکھنے لگے، مثلاً درجۃ اور مدرسۃ کو درجہ اور مدرسہ کر لیا۔ کچھ لفظ دونوں سانچوں میں ڈھل گئے جیسے ارادہ اور ارادت، عقیدہ اور عقیدت۔ لیکن ٹھیٹ لفظوں کو بھی لوگ مختفی 'ہ' سے لکھنے لگے۔ فارسی والوں نے الف پر ختم ہونے والے ہندی کے لفظوں کو مختفی 'ہ' سے لکھا تو یہ تفریس تھی اور یہ اردو والوں کے لیے سند نہیں ہو سکتی۔ (ص 2-4) اس کا قاعدہ یوں ہے:

1- ہندی لفظ ہو تو الف سے لکھا جائے (سوا بعض مقاموں کے ناموں کے جیسے آگرہ، پٹنہ، کلکتہ، کیوں کہ یہ نام ہیں اور ہمیشہ اسی طرح لکھے جاتے ہیں)۔ مقاموں کے ناموں کے سوا جتنے لفظ ہیں ان میں الف ہی لکھنا چاہیے، جیسے: اکا، الف سے یکہ لکھنا تو یوں بھی غلط اور

تلفظ کے خلاف ہے، آنولا، باڑا، بٹوا، بٹوارا، بھروسا، تانگا، پتا (نشان کے معنوں میں)، پٹا، پسینا، دھوکا، راجا، مہینا [وغیرہ]۔ اسی طرح وہ لفظ بھی الف سے لکھے جائیں جو یورپ کی زبانوں سے آئے ہیں، جیسے: بلاّ (تمغا وغیرہ کے معنوں میں)، ڈراما، فرما، کمرا، وغیرہ۔ وہ لفظ جو فارسی یا عربی سے نکلے ہیں مگر خود ان زبانوں میں ان کا وجود اس ہیئت میں نہیں ہے [جس ہئیت میں اردو میں ہے] جیسے: بدلا، بے فکرا، خاصا (اچھا خاصا، پورا کے معنوں میں)، بعضا (=بعض)، فلانا، مسالا، ملیدا (فارسی: مالیدہ) وغیرہ کے آخر کے الف یا 'ے' کو 'ہ' سے ظاہر کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ (4-5)

ان لفظوں کے آخر میں بھی الف ہی لکھنا چاہیے جو ایک اردو اور ایک فارسی یا عربی جز سے بنے ہیں، جیسے: ڈیڑھ خما (یعنی جس میں ڈیڑھ خم ہو)، تماہا، چھماہا، پچرنگا، سترنگا، وغیرہ۔ اس سے یہ کلیہ ہاتھ آیا کہ جب کسی اور زبان کا لفظ اردو میں دوسرے معنی اور ساتھ ہی دوسرا تلفظ اختیار کرلے تو اس کے لکھنے کا ڈھنگ ٹھیٹ اردو لفظوں کی طرح ہونا چاہیے۔ (ص6)

2- جو لفظ خود فارسی میں الف سے لکھے جاتے ہیں وہ ہرگز 'ہ' سے نہ لکھے جائیں، ان کی تفصیل یہ ہے (یعنی ان الفاظ کو 'ہ' سے نہیں الف سے لکھا جائے گا):

(الف) جامد اسم یا صفتیں جن کے آخر میں الف ہے اور [الف ان میں] حرفِ اصل کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے: اژدہا، آسیا (چکی)، بوریا، چلیپا، پارسا، خارا (ایک قسم کا پتھر)، شوربا، شیوا (فصیح کے معنوں میں جیسے شیوا زبان، مگر ڈھنگ اور حرکات کے معنوں میں شیوہ)، ناشتا، قرنا، گندنا۔ (ص6)

(ب) فارسی فعلوں سے بنے ہوئے اسم فاعل اور صفتِ مشتبہ وغیرہ، جیسے: پویا، بینا، دانا، زیبا، پذیرا، گویا، جہان آرا، صبر آزما، ہوش ربا، وغیرہ۔ (ص6)

البتہ الف اور ب کے ذیل میں درج چند الفاظ کو بعض فارسی شعرا نے قافیے کی ضرورت کے تحت الف کے بجائے 'ہ' سے لکھا ہے، جیسے آشکارا، خارا، پذیرا اور ایسی صورت میں صرف انھیں لفظوں کی کتابت میں آخر میں الف کے بجائے 'ہ' جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

(ج) وہ لفظ جن کے آخر سے کوئی لفظ گر کر الف رہ گیا ہو، جیسے پا (پاے)، خدا (خداے)، نا (ناے)، الف ہی لکھا جائے گا [یہاں 'پاے' وغیرہ پر ہمزہ نہیں لکھا گیا کیوں کہ صدیقی صاحب ایسے الفاظ و تراکیب میں ہمزہ لکھنا درست نہیں سمجھتے تھے، جیسے پاے گدا،

خدائے سخن]۔(ص 6-7)

(د) وہ لفظ جو 'ہا' زیادہ کر کے جمع بنے ہوں، جیسے: صدہا، ہزار ہا، دل ہا، وغیرہ[ان کے آخر میں الف ہی چاہیے]۔(ص 7)

(ہ) لفظ جن کے آخر میں پیار یا حقارت یا ندا کے لیے الف بڑھایا گیا ہو، جیسے: بازاریا (یعنی بازاری)، بشیرا، حافظا، سعدیا، وغیرہ۔[ان کے آخر میں بھی الف چاہیے](ص 7)

3- ترکی لفظوں کو جو فارسی میں بھی الف سے لکھے جاتے ہیں الف ہی سے لکھنا چاہیے، جیسے: تمغا، طغرا۔ تمغۂ شرافت اور طغرۂ سلطانی لکھنا غلط ہوگا اور انھیں تمغائے شرافت اور طغرائے سلطانی لکھنا چاہیے [یہاں صدیقی صاحب نے 'ے' پر ہمزہ نہیں لکھا کیوں کہ وہ اس کے قائل نہیں تھے]۔(ص 7)

4- عربی کے لفظ جو خود عربی میں الف سے لکھے جاتے ہیں ان کو اردو میں 'ہ' سے لکھنا درست نہیں ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(الف) وہ اسم جو افتعال یا استفعال کے وزن پر مصدر ہیں اور ان کے آخر میں الف کے بعد ایک ہمزہ ہے، یہ ہمزہ فارسی اور اردو میں گر جاتا ہے، جیسے: ابتدا، اجتبا، ارتضا، اصطفا، استثنا، استعفا، وغیرہ۔(ص 7)

(ب) یہ لفظ جن میں سے بعض اسم جامد ہیں اور بعض صفت ان کو بھی 'ہ' سے لکھنا غلط ہے: حلوا، سقا، غرا، بیضا، محابا، عاشورا (یا عاشور)، وغیرہ۔(ص 7-8)

(و) [یہاں کچھ تفصیل ہم نے حذف کر دی ہے] بعض متعلق فعل جن کی تنوین فارسی اور اردو میں گر گئی ہے، جیسے: اصلا، ظاہرا۔(ص 8)

(ز) ان لفظوں کے آخر میں الف مقصورہ (یٰ) تھا مگر فارسی اور اردو میں الف سے لکھتے ہیں۔ ان کو 'ہ' سے لکھنا سراسر غلط ہے: تماشا، تقاضا، ماجرا، مدعا، معما، مربا، مقوا، منقا، مصفا، مطلا، معرا وغیرہ۔ بعض لوگ عربی کی پیروی میں دعویٰ، تقویٰ، مصفیٰ اور معریٰ لکھتے ہیں جو جائز ہے مگر اردو میں الف کو ترجیح ہونا چاہیے۔(ص 8)

نیز جو لفظ اردو میں گھل مل گئے ہیں ان میں 'ہ' کے بجائے الف لکھنا جائز ہے، جیسے مزہ کی جگہ مزا۔(ص 9)

☆ (2) مختفی 'ہ' اور 'ے'

(الف) جو اسم 'ہ' مختفی پر ختم ہو رہا ہو جب محرف حالت میں آئے تو اس کے آخر میں 'ے' چاہیے، خواہ وہ واحد ہی کیوں نہ ہو، جیسے: وہ چھٹے درجے میں پڑھتا ہے، اس بچے نے اس معمے کو حل کر لیا۔ (ص 10-9)

(ب) عدد چھے [6] کو چھ لکھنا درست نہیں۔ (ص 10)

☆ (3) نون غنہ

1- بعض لفظ جن میں نون غنہ ہے کئی طرح لکھے جاتے ہیں ان میں سے صرف اسی طرز کو اختیار کرنا چاہیے جو تلفظ سے سب سے زیادہ قریب ہو۔ بہتر ہے کہ کنْوا، کنْوے اور کنْووں لکھا جائے۔ اسی طرح دھنْوا، دھنْوے اور دھنْووں نیز گانْو (جمع گانْووں)، پانْو (جمع پانْووں) اور چھانْو۔ اس طرح کنْواں دھنْواں، پاؤں، گاؤں، چھاؤں وغیرہ صورتیں متروک ہو جائیں گی۔ (ص 11)

2- گنتی کے لفظوں میں (گیارہ سے اٹھارہ تک) اخیر کا حرف 'ہ' ہے۔ ان لفظوں میں 'ہ' اصلی اور ملفوظ ہے، پس گنتیوں کو 'ہ' کے ساتھ لکھنا چاہیے [یعنی گیارھواں، بارھواں، اٹھارھواں وغیرہ]۔ (ص 11)

3- بعض لوگ لفظ 'دونوں' کو دونو، بغیر 'ں' کے لکھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ صحیح ہے دونوں، تینوں، چاروں، پانچوں، چھیوں، ساتوں وغیرہ۔ (ص 11)

4- جمع منادیٰ کے آخر میں بھی لوگ ایک 'ں' بولتے ہیں یعنی اے لڑکوں! یہ درست نہیں۔ بغیر نون [غنے] کے لکھنا چاہیے جیسے: اے لڑکو!، صاحبو! (ص 12)

☆ (4) ہمزہ

(الف) اردو میں ہمزہ الف کا قائم مقام ہے، جب دو حرفِ علت اپنی الگ الگ آواز دیں تو ان کے بیچ میں ہمزہ آتا ہے، جیسے آءو، جاءو، گیت گاءو، آءے، لاءوں، سوءوں [آؤ، جاؤ، گیت گاؤ، لاؤں، سوؤں] وغیرہ میں ہمزہ لکھا جائے گا مگر بناو سنگھار، بھاو تاو، نبھاو، گھاو، کڑھاو میں ہمزہ کا کچھ کام نہیں۔ اسی طرح گاے، چاے، راے، ہاے میں بھی ہمزہ نہ چاہیے۔ یہی حال دیو اور سیو وغیرہ کا ہے۔ ان لفظوں میں 'الف آ'، 'الف و' اور 'ے' مل کر ایک آواز دیتے ہیں اس لیے ان کے بیچ میں ہمزہ کی گنجائش نہیں۔ (ص 12)

(ب) لیے، دیے، بیجیے، چاہیے، دیجیے، لیجیے وغیرہ میں بھی ہمزہ نہیں بلکہ 'ے' ہے۔ ہمزہ اسی وقت آئے گا جب اس سے پہلے کوئی اور حرف ہو اور وہ مفتوح ہو۔ اگر اس سے پہلے حرف مکسور ہو تو ہمزہ نہ آئے گا، جیسے 'گئے' میں ہمزہ ہے مگر 'کیے' میں 'ے' ہے۔ [اسی طرح] آءِ یے ، جاءِ یے ، لاءِ یے ، دھوءِ یے ، ڈبوءِ یے ، سوءِ یے ، روءِ یے ، فرماءِ یے [آیئے ، جایئے ، لایئے ، دھویئے ، ڈبویئے ، سویئے ، رویئے ، فرمایئے]۔ (ص 12-13)

(ج) بچھوؤں اور ہندوؤں کو بچھوؤں اور ہندووں لکھنا درست نہیں [کیوں کہ یہ لفظ واو پر ختم ہوتے ہیں]۔ جو لفظ 'ی' پر ختم ہوتے ہوں ان کی جمع 'ءوں' کے بجائے 'یوں' ہوتی ہے۔ یعنی 'ی' جو واحد میں حرفِ علت [صوتیہ یا vowel] ہے وہ جمع میں حرفِ صحیح [مصمتہ یا consonant] ہو جائے گا، یعنی لڑکی سے لڑکیاں اور لڑکیوں ، مذکر درزی ، جمع محرف : درزیوں۔ (ص 13)

یہاں جو قاعدے ہمزہ کی کتابت کے لکھے گئے ہیں وہ ٹھیٹ اردو الفاظ کے لیے ہیں۔ عربی فارسی لفظ کے لیے یہ باتیں ذہن میں رکھنے کی ہیں:

1- عربی اسم فاعل کے صیغے کے بہت سے لفظ اردو اور فارسی میں آتے ہیں۔ ایرانیوں کی زبان میں ہمزہ کا استعمال بہت کم ہے بلکہ نہیں ہے اور وہ اپنی زبان کے مطابق عربی لفظوں میں جہاں ہمزہ استعمال ہوا ہے اسے 'ی' کر لیتے ہیں۔ لیکن اردو زبان میں ہمزہ زیادہ مستعمل ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ عربی لفظوں کی کتابت اردو میں ہمزہ کے ساتھ ہو، جیسے: بائن، تائب، جائز، حائل، خائف، دائر، دائم، زائد، زائر، سائل، شائع، ضائع، لا طائل، مائل، نائب، ہائل، وغیرہ۔ (ص 13)

2- عربی جمع کا بھی یہی حال ہے: اوائل، تحائف، دلائل، دوائر، ذخائر، زوائد، شمائل، صحائف، عجائب، غرائب، قواعد، لطائف، مسائل، معائب۔ (ص 14)

3- عربی مصدر اس کے خلاف 'ی' سے ہیں اور یہ 'ی' مفتوح ہے۔ جیسے: آیَت، حمایَت، رعایَت، روایَت، کفایَت، غایَت، عنایَت، نہایَت، ولایَت، ہدایَت۔ اس وزن پر اردو میں بھی کچھ لفظ بن گئے ہیں: اپنایَت، بھلمنسایت، پنچایت، چودھرایت۔ (ص 14)

☆ (5) ں ب اور ن ب

جب کسی لفظ میں نون غنے کے بعد 'ب' ہو تو دونوں حرف مل کر 'م' کی آواز دیتے ہیں،

جیسے : آنب سے آم، جس کی تصغیر انبیا کا تلفظ امیا ہوتا ہے۔ جیسے نیب [کذا: نینب چاہیے] سے نیم اور سینب سے سیم۔ ان لفظوں کو 'م' ہی سے لکھنا چاہیے۔ فارسی عربی لفظوں زنبور، تنبور، شنبہ، گنبد، جنب میں جو ساکن نون ہے وہ تلفظ میں میم ہو جاتا ہے، البتہ جب کنبذ سے اردو والوں نے گُمز بنایا اور اس کی تصغیر گُمزی تو ان دونوں لفظوں کو 'م' ہی سے لکھنا پڑا۔ پس قاعدہ یہ نکلا کہ فارسی عربی کا لفظ ہو تو املا میں انھیں زبانوں کی پیروی کی جائے [یعنی ن ب لکھا جائے] نہیں تو 'م' لکھا جائے۔ (ص 14)

☆ (6) ذ اور ز

واقعہ یہ ہے کہ 'ذ' عربی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور حقیقت میں 'ث' بھی مخصوص نہیں۔ یونانی اور قدیم ایرانی زبانوں میں ان دونوں حرفوں کی آوازوں کا وجود تھا... اردو میں گزر اور گزارا اور اس کے مشتقات کو زیادہ تر 'ز' ہی سے لکھتے ہیں اور یہ کچھ بے جا نہیں مگر 'ذ' بھی ان لفظوں میں صحیح اور جائز ہے۔ (ص 15)

1- بحرِ زخّار کو بعض کم سواد لوگ بحرِ ذخّار لکھتے ہیں [یعنی زے کے بجائے ذال لکھتے ہیں]۔ (ص 16)

2- ذکی اور زکی اپنی اپنی جگہ دونوں صحیح ہیں... زکی [زے سے] کے معنی ہیں پاک اور ذکی [ذال سے] کے معنی تیز فہم بھی ہیں اور قابل ملامت بھی۔ (ص 16)

3- زکریا کو بعض لوگ غلطی سے 'ذ' سے لکھتے ہیں۔ (ص 16)

4- آزوقہ عربی لفظ نہیں ہے فارسی ہے اور اس کی املا 'ز' سے صحیح ہے۔ [یعنی اس میں ذال نہیں چاہیے]۔ (ص 16)

5- آزر (حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام) 'ز' سے ہے اسے فارسی لفظ آذر سے کوئی تعلق نہیں۔ (ص 16)

☆ (7) ص اور س

مسالا کی بحث اوپر آ چکی ہے، دیکھو الف اور مختفی 'ہ' کا بیان [اس کی تفصیل ہم نے وہاں نہیں دی یہاں پیش ہے]:

مسالا ہر معنی میں 'س' اور الف سے لکھنا چاہیے۔ (1) گرم مسالا۔ (2) مسالا (گوٹا کناری وغیرہ)۔

(3) مسالا (کسی چیز کے اجزا یا ضروریات اور لوازم)۔ مصالح لکھنا یوں غلط ہے کہ یہ مصلحت کی جمع ہے۔ ہمارے لفظ کو ان معنوں سے اصلا تعلق نہیں۔ مزید برآں یہ کہ تلفظ بھی مختلف ہے۔ عربی کا ایک لفظ مُصالحَہ [یعنی میم مضموم، لام مفتوح اور حے مفتوح] بھی ہے مگر اس کے معنی ہیں لڑنے والے فریقوں میں صلح کرانا۔ (ص 5)

☆ (8) ط اور ت

فارسی اور ترکی کے بعض لفظ کسی نہ کسی وجہ سے 'ت' کے بجائے 'ط' سے لکھے جاتے ہیں، جیسے: طپش، طپیدن، طشت، طوطی۔ محتاط لوگ 'ت' سے لکھتے ہیں اور ہمیں یہی املا اختیار کرنا چاہیے، یعنی تپش، تشت، تشتری، توتا، توپ، تماچا۔ (ص 18)

☆ (9) کچھ اور لفظ

بہت سے لفظوں کا غلط املا ایک حد تک رائج ہو گیا ہے۔ ان میں سے چند خاص توجہ کے قابل ہیں:

[پہلے درست املا اور پھر غلط املا لکھا جا رہا ہے] اژدحام (ازدہام، اژدہام، اژدحام)، تباشیر (طباشیر)، تلاطم (طلاطم)، توتیا (طوطیا)، عوض (عیوض) (ص 19-18)

☆ مزید فیہ

مقالاتِ صدیقی میں پہلا مقالہ تو ہے ہی املا کے بارے میں لیکن اس کتاب میں شامل دیگر مقالات میں بھی املا سے متعلق صدیقی صاحب کے خیالات ملتے ہیں جن کو یہاں مختصراً پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ سب مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی) سے ماخوذ ہیں (صفحات کے نمبر یہیں قوسین میں دیے جا رہے ہیں):

1- تماہی: ڈاکٹر صاحب نے جب سہ ماہی کے بجائے تماہی لکھا تو اس لفظ پر اعتراض کیا گیا کہ تماہی میں 'ت' چوں کہ اردو کا ہے اس لیے اس کے ساتھ فارسی کے ماہ اور یائے نسبتی سے ملا کر بنایا گیا یہ لفظ غلط ہے۔ صدیقی صاحب نے بہ دلائل ثابت کیا کہ یہ بالکل درست ہے (ص 36-20)۔

2- ہندوستان: ڈاکٹر صاحب نے مقالاتِ صدیقی کے ایک طویل مقالے (ص 71-37) میں دلائل و نظائر سے ثابت کیا ہے کہ ہندستان (بغیر واو کے) صحیح ہے اور اسی طرح ہندستانی بھی، گو کہ (ڈاکٹر صاحب کے نزدیک) ہندوستان اور ہندوستانی بھی درست ہیں۔

اس مقالے کے آخر میں ان کا ایک خط مدیرِ علی گڑھ میگزین کے نام بھی شامل ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ بعض لوگ ہندُستان (دال پر ضمے کے ساتھ) اور بعض لوگ ہندوستان (واو مجہول کے ساتھ) بولتے ہیں اگرچہ اس کا اصل تلفظ توہندُوستان (واو معروف کے ساتھ) ہونا چاہیے تھا جیسا کہ فارسی میں تھا اور فارسی میں واو معروف گھٹ کر ضمہ رہ گیا (ص 73-72)۔

3- پذیرا اور گذشتہ: ڈاکٹر صدیقی نے ثابت کیا کہ قدیم فارسی میں ذال کا وجود تھا لہٰذا فارسی الفاظ مثلاً پذیرفتن اور گذشتن میں ذال لکھی جائے گی اور اس ضمن میں غالب کا یہ کہنا درست نہیں کہ ذال صرف عربی الفاظ میں لکھی جائے کیوں کہ یہ عربی کا حرفِ تہجی ہے اور فارسی میں اس کا وجود نہیں ہے۔ درحقیقت فارسی میں ذال کا وجود ہے اور یہ محض عربی کے اثر سے فارسی میں نہیں آئی بلکہ قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے (ص 79-74)

4- جز اور جزو: اس لفظ کی اصل پر روشنی ڈالنے کے بعد لکھتے ہیں:

> 'پرانے زمانے ہی میں بعضے کاتبوں نے یہ غلطی کی کہ صحیح لفظ 'جزء' کی جگہ 'جزو' لکھنے لگے ...عرب بے چارے نے اس لفظ کو اگر واو سے لکھ بھی دیا تھا تو تلفظ صرف ہمزہ ہی کا کرتا تھا، واو کو ادا نہ کرتا تھا...اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ 'جزوِ دماغ' اور 'جزوِ بدن' اور 'جزوی' اور 'جزوِ لاینفک' فارسی میں جاری ہوگئے...فارسی میں اضافت کی حالت میں جزوِ بدن وغیرہ فصیح ہیں اور جزِ بدن وغیرہ بھی صحیح ہیں...اردو میں، جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں، جز فصیح ہے اور اسے جزو پر ترجیح ہے۔ جزوِ بدن، جزوِ دماغ وغیرہ بھی فارسی کے تتبع میں صحیح مگر جہاں اضافت نہیں ہے جیسے جزدان، جزرسی وغیرہ، [وہاں] جز (بلاواو) کو ترجیح ہے۔' (ص 101-100)

5- ناشتا: صحیح املا ناشتا ہے، اردو کی واحد محرف حالت میں ناشتے۔ کاتب نے ناشتا کا املا 'ہ' سے کیا ہے [یعنی ناشتہ] جو غلط ہے (ص 107)۔ [یہ سید سلیمان ندوی کے ایک مضمون کے سلسلے میں وضاحتاً لکھا تھا]۔

6- شوربا اور تھانے دار وغیرہ: فارسی میں شوربہ دار نہ ملے گا کیوں کہ لفظ شوربا ہے، شوربہ نہیں (ص 107)۔ شوربا کو عربی مادے 'ش۔ر۔ب' سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ 'شور'

اور'با' سے مل کر بنا ہے اور دونوں ٹھیٹ فارسی ہیں۔ ابا کے معنی محض کھانے کے ہیں اور'ابا ے گلو گیر'اس کھانے کو کہتے ہیں جس سے پھندا لگے یا اُچھو ہو جائے۔ (ص 111)۔'ابا' کا ابتدائی الف بعد کی زبان میں گر گیا(ص 112)۔ نان با، نانبائی اور باورچی میں بھی یہی'با' ہے (ص18-116)۔شوربے دار اردو ہے، اسے'ے'ہی سے لکھنا چاہیے اور اسی طرح تھانے دار، ٹھیکے دار، بوٹے دار وغیرہ ہونا چاہیے [یعنی تھانہ دار یا ٹھیکہ دار وغیرہ لکھنا درست نہیں] (ص 107)۔

7- میدا: گیہوں کے آٹے کو کئی بار چھانتے ہیں تو میدا ہو جاتا ہے، فارسی میں میدہ ہے۔ اردو میں بہت عام ہے اور الف سے یعنی کھینچ کر بولا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے آخر میں الف لکھنا چاہیے(ص 120)۔

8- زرا: اردو میں ایک نیا لفظ زرا بنا۔ یہ عربی لفظ ذرّہ سے ہے لیکن جب دونوں کے معنی جدا اور محل جدا اور پھر عربی میں یہ لفظ موجود نہیں تو پھر لوگ اسے ذال سے ذرا لکھنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ جیسے صحیح سے سہی بن گیا یا مثال سے مِسل۔ اس لیے زرا لکھنا چاہیے۔(ص 123)

9- آلوؤں/دھوبیوں: اردو کے جو اسم'و'(معروف یا لین یا ساکن بہ طور حرفِ علت) اور'ی'(معروف) پر ختم ہوتے ہیں ان کی جب محرّف حالت میں جمع بناتے ہیں اور'وں'ان پر بڑھایا جاتا ہے تو اسم کے آخر کا طویل مصوتہ (vowel) خفیف ہو جاتا ہے، جیسے: پیرَ و سے پیرَ ووں (تلفظ: پیرَ وَں)، آلو سے آلوؤں (تلفظ: آلُ وَں)، دھوبی سے دھوبیوں (تلفظ: دھوبِ وَں)، اور اس میں کسی جنس کی تخصیص نہیں چناں چہ لڑکی سے لڑکیاں (تلفظ: لڑکِ یاں) اور لڑکیوں (تلفظ: لڑکِ یوں) وغیرہ۔ (ص 11-210)۔ اسی طرح بکرے/جلوے: جو اسم مذکر ہیں اور الف یا ہم آواز حرف پر ختم ہوتے ہیں (جیسے'ہ'یا'ئ') ان کی جمع جب قائم حالت میں بنے گی تو ان کے آخر میں'ے' کا اضافہ ہوگا اور محرف حالت میں'وں' کا، مثلاً: بکرا، بکرے، بکروں۔ جلوہ، جلوے، جلووں [یہاں ہم نے صدیقی صاحب سے اصول لے کر اختصار سے پیش کیا ہے]۔(ص 211)

10- آگرہ/آگرے: البتہ جو جغرافیائی نام خفیف'ہ' پر ختم ہوتے ہیں ان کی جمع ممکن نہیں۔ لیکن محرف حالت میں ان میں'ہ' کے بجائے'ے' لکھی جائے گی، جیسے (واحد حالت

میں): آگرہ، کلکتہ، کوفہ، بصرہ جدہ، مکہ، مدینہ۔ لیکن محرف حالت میں واحد آگرے سے کلکتے تک، کوفے سے بصرے تک، جدّے میں:

موذن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے (ذوق)

11- دھواں/دھویں: لیکن 'اں' پر ختم ہونے والے لفظوں میں 'اے' کے بجائے 'ایں' بڑھایا جاتا ہے، جیسے دھواں سے دھویں، کنواں سے کنویں، پانچواں سے پانچویں، نواں سے نویں، دسواں سے دسویں۔ (ص 12-211)

12- بابا/دادا کا امالہ نہیں ہوتا: کچھ مذکر اسم الف یا اس کے کسی ہم آواز حرف پر ختم ہونے کے باوجود (قائم حالت میں) جمع میں نہیں بدلتے لیکن محرّف حالت میں جمع میں بدلتے ہیں، جیسے دریا کی جمع قائم حالت میں دریا ہی ہے [یعنی دو دریا، پانچ دریا وغیرہ]، لیکن محرف حالت میں دریا کی جمع دریاؤں ہوگی [یہاں ہم نے اپنے الفاظ میں وضاحت کی ہے]۔ اسی طرح عہدوں کے نام اور لقب وغیرہ بھی نہیں بدلتے، جیسے آغا، آقا، راجا، ملا، مولانا، میرزا۔ رشتوں کے وہ نام جن سے چھوٹے، بڑوں کو پکارتے ہیں وہ بھی نہیں بدلتے، جیسے: ابا، بابا، دادا، چچا، تایا، پتا۔ بعض لوگ دادے، دادوں اور راجے، راجوں بولتے ہیں لیکن یہ صورتیں غیر فصیح ہیں۔ (ص 13-212)

13- غیر منصرف اسم: کچھ اسم کسی حالت میں نہیں بدلتے اور اس لیے غیر منصرف کہلاتے ہیں۔ نیز مصدر جب اسمِ جامد کے طور پر استعمال نہ کیا جائے تو اس کی جمع نہیں آتی۔ علَم، تخلص، خطاب وغیرہ کی جمع نہیں آسکتی۔ غیر منصرف مذکر اسم کسی حالت میں نہیں بدلتے، جیسے: زکریا، مرتضیٰ، مصطفیٰ، ابوعبیدہ، ابو ہریرہ، محتشم الدولہ، انشا، سودا، وغیرہ (ص 213)۔

14- ملکوں، شہروں، دریاؤں، پہاڑوں اور غیر ذی روح چیزوں کے نام جو الف پر ختم ہوتے ہیں وہ بھی محرف حالت میں نہیں بدلتے، جیسے: ایشیا، امریکا، بخارا، بطحا، متھرا، گھاگرا، زبدا، الحمرا وغیرہ (ص 213)۔ اسی طرح افریقہ، قاہرہ، قسطنطنیہ (ص 211)۔ [مراد یہ کہ افریقے سے، قاہرے میں یا قسطنطنیے کو وغیرہ نہیں لکھ یا بول سکتے، البتہ آگے چل کر افریقہ کو افریقا لکھنے کا کہا ہے، دیکھیے: ص 213]۔

15- اردو میں مونث اسم کی تصریف نسبتاً آسان ہے اس لیے کہ تمام واحد مونث اسم

غیر منصرف ہیں یعنی واحد کی دونوں حالتوں یعنی قائم اور محرف میں لفظ کی صورت ایک ہی رہتی ہے(ص 215)، [مراد یہ ہے کہ جس طرح مثلاً لڑکا اور بکرا واحد محرف حالت میں بدل جاتے ہیں اور 'ایک لڑکے نے ایک بکرے کو' بولا جاتا ہے لڑکی اور بکری اس طرح نہیں بدلتے اور 'ایک لڑکی نے ایک بکری کو' مستعمل ہے]۔

16- واحد مونث میں وہ تمام اسم جو 'ی' 'یا' پر ختم نہیں ہوتے محرف حالت میں 'یں' یا 'وں' کے اضافے سے بنتے ہیں، جیسے: ناک، ناکیں، ناکوں۔ شراب، شرابیں، شرابوں۔ افواہ، افواہیں، افواہوں، وغیرہ۔ (ص 216)

17- جو مونث لفظ الف یا اس کے کسی ہم آواز حرف پر ختم ہوتے ہیں ان میں ضرورتِ صوتی کی بنا پر جمع کی صورتوں میں فقط 'یں' یا 'وں' نہیں بلکہ 'ئیں' اور 'ؤں' اصل لفظ میں بڑھانے سے بنتے ہیں، جیسے: ہوائیں، ہواؤں۔ دوائیں، دواؤں۔ بیسوائیں، بیسواؤں، وغیرہ۔ (ص 217)

18- جو مونث لفظ واو پر ختم ہوتے ہیں وہ بھی اسی گردان میں شامل ہیں اور ان میں بھی جمع کی صورتوں میں 'ئیں' اور 'ؤں' بڑھاتے ہیں جیسے آرزوئیں، آرزوؤں۔ ہاں ٹھیٹ اردو لفظ ہو تو 'وٗ' کی آواز جمع کی دونوں حالتوں میں قصیر رہ جاتی ہے یعنی بہو سے بہوئیں (تلفظ: ب ہُ ئیں) اور بہوؤں (تلفظ: ب ہُ ؤں)، جھاڑوئیں اور جھاڑوؤں۔ (ص 217)

19- جو مونث اسم 'ی' معروف پر ختم ہوتے ہیں جیسے بکری، ان کی جمع قائم حالت میں بکریاں اور محرف حالت میں بکریوں ہوگی [یہاں ہم نے وضاحت اپنے لفظوں میں کی ہے]۔ جیسے: بلی، ٹوپی وغیرہ۔ (ص 217)

20- اس گردان میں وہ سب مونث اسم داخل ہیں جو 'یا' پر ختم ہوتے ہیں [جیسے ڈبیا، ڈبیاں اور ڈبیوں]، بڑھیا، ٹھلیا، دکھیا، چڑیا وغیرہ۔ مگر غیر زبانوں [مراد ہے عربی یا فارسی] کے لفظ اس گردان میں نہیں ہیں، جیسے آسیا (چکی)، حیا، جفا، ضیا وغیرہ۔ (ص 218)

21- مرکب اسم کی گردان میں جن لفظوں کے آخر کا جز 'دار'، 'دان' یا 'والا' ہو اُن کے پہلے جز کی محرف حالت پر (نہ کہ قائم حالت پر) دوسرا جز داخل ہوتا ہے، جیسے تھانے دار، ٹھیکے دار، سرمے دان، بکرے والا، بکروں والا، بکریوں والا، آنے والا، جانے والا وغیرہ۔ (ص 218)

22- جو مذکر لفظ الف یا اس کے کسی ہم آواز حرف پر ختم ہوتے ہیں واحد محرف اور جمع قائم میں ان کا آخر حرف بدل کر 'ے' ہو جاتا ہے، جیسے لڑکا سے لڑکے، بندہ سے بندے، دعویٰ

سے دعوے، ضلع سے ضلعے، قلعہ سے قلعے، مصرع سے مصرعے۔ (ص219)

23- غیر زبانوں کے جو لفظ اردو میں بطور صفت مستعمل ہیں وہ غیر منصرف ہیں، جیسے اعلیٰ، ادنیٰ، عمدہ، کسستہ، افتادہ وغیرہ۔ ان میں سے جب کوئی لفظ کسی اسم کے ساتھ صفت کے طور پر آئے گا تو اسم کی جنس، عدد یا حالت کا کوئی اثر صفت پر نہ پڑے گا، یعنی ادنیٰ (ادنا) درجہ، اعلیٰ (اعلا) ہستی، عمدہ چیز، زیادہ مقدار وغیرہ بولیں گے۔ عمدی، عمدے، زیادی، زیادے، ادنی، ادنے وغیرہ غلط صورتیں ہیں۔ ایک فارسی لفظ تازہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ اگر اسم (موصوف) عربی یا فارسی لفظ ہے تو اس کی صفت 'تازہ' غیر منصرف ہوگی، جیسے تازہ حال، تازہ خبر، تازہ شیرینی۔ لیکن اگر موصوف ایک ہندی لفظ ہے تو اس کی صفت تازہ کی گردان اسی طرح ہوگی، جیسے اچھا کی، یعنی تازی روٹی، تازے پانی میں، تازی ملائی، تازی مٹھائی، وغیرہ (ص 220-21)۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اردو کی بعض صفتوں کے آخر میں نسبت کی 'ی' ہوتی ہے اور یہ تانیث کی 'ی' کی طرح بدلتی نہیں، جیسے کھاری، بھاری۔ اس لیے کھارا پانی اور بھارا صندوق غلط ہوگا۔ کھاری پانی اور بھاری صندوق کہنا چاہیے۔ (ص221)

اب ایک ایسے تبصراتی مقالے سے کچھ الفاظ کا املا پیش ہے جو عبدالستار صدیقی نے وحیدالدین سلیم کی کتاب وضعِ اصطلاحات پر کیا تھا (یہ نکات بھی مقالاتِ صدیقی سے لیے گئے ہیں اور حواشی کی کثیر تعداد سے بچنے کے لیے صفحات کے نمبر یہیں قوسین میں درج کیے جا رہے ہیں):

24- انگریزی تلفظ O [یعنی انگریزی حرف او] کا، نہ خالص الف نہ خالص واو، بلکہ دونوں کا مخلوط ہے، مثلاً ڈیما کریٹ کی جگہ ڈیموکراٹ...اور مونو [mono] بجائے مانو زیادہ درست ہوگا۔ (ص264)

25- فارسی میں نہ 'بل' کوئی لفظ ہے (بمعنی بہت) اور نہ بلہوس۔ اصل یہ ہے کہ عربی کے 'ابو' کا الف اسی طرح گر گیا جیسے ابا اور ابر کا اور ناموں میں ابوعلی کو بوعلی وغیرہ بولنے اور لکھنے لگے۔ (ص264)

26- سدھیانہ میرے نزدیک سدھیانا لکھا جائے تو اچھا ہے۔ اسی طرح گھرانا اور اس قبیل کے سارے ٹھیٹ اردو لفظ [الف سے لکھنے چاہییں]۔ (ص268)

27- سہ کرر میرے نزدیک سکرر ہونا چاہیے، اس لیے کہ یہ مکرر کا تابع مہمل معلوم ہوتا ہے۔ (ص268)

28- کہیدا [کا املا] کھیدا (بیاے مجہول) چاہیے تھا، ہاتھی کے پکڑنے کے لیے گڑھا۔ (ص 270)۔

29- ڈیڑھ خما [یعنی جس میں ڈیڑھ خم ہو]...ترکیب کے عام دستور کے مطابق اس لفظ کی مجہول 'ے' کو تخفیف کے ساتھ بولتے ہیں، ڈِڑھ خما [لکھنا چاہیے]۔(ص 270)

30- میری راے میں باڑا اور امام باڑا اور قسائی باڑا لکھا جائے [وضع اصطلاحات میں الف کی جگہ ہاے مختفی لکھی ہے یعنی باڑہ اور قصائی یعنی ص سے]۔(ص 271)

31- قسائی کو ص سے لکھنا صحیح نہیں غالبًا اس کے ہم معنی لفظ قصاب سے دھوکا کھا کر لوگوں نے یہ کتابت اختیار کی ہے۔صحیح قسائی (سین سے) ہے اور قسائت، قساوت اور قسی القلب کی بنا پر یہ لفظ اردو میں رائج ہوا ہے۔اس کی بِنا (یا مادّہ) ہے: ق س و۔(ص 271)

32- جھنڈے بردار، سونٹے بردار، بولتے ہیں۔یوں لکھنا چاہیے۔اس قسم کے مرکب لفظوں میں جھنڈے، سونٹے وغیرہ جمع نہیں بلکہ واحد ہی کی محرف صورتیں ہیں۔اسی طرح ناکے بندی۔(ص 272)۔

33- چھاپے خانہ بولتے ہیں۔یوں ہی لکھا بھی جائے...تھانے دار اور تھانے داری اور گُتّے دار اور گُتّے داری لکھا جائے۔(ص 273)

34- یکّہ کے متعلق عرض ہے کہ یہ فارسی ہے اور فرید، تنہا، بے نظیر کے مفہوم میں اردو میں بھی مختفی ہ سے لکھا جانا چاہیے۔لیکن اِکّا اردو ہے (ایک سے نہ کہ یک سے)۔(ص 279)

35- لِس (less) بالکسر ہے۔(ص 282)

36- گرم مصالحہ کے بجاے گرم مسالا چاہیے۔(ص 284)

37- عاشورہ میں 'ہ' غلط ہے۔صحیح صورتیں: عاشور، عاشورا، عاشوراء، عاشوریٰ۔(ص 295)

38- پنیالہ، دھرم سالہ، گؤ سالہ، مگر ان لفظوں کا اخیر حرف الف ہے [یعنی درست املا پنیالا، دھرم سالا اور گؤ سالا ہے، ان کے آخر میں 'ہ' لکھنا غلط ہے]۔(ص 295)

ڈاکٹر سید عبداللہ جب 'نوادر الالفاظ' مرتب کر رہے تھے تو بعض اکابر سے مراسلت کے ذریعے رہنمائی چاہی تھی۔انھوں نے ان اکابر کے خطوط 'نوادر المکاتیب' کے عنوان سے اردو نامہ (کراچی) میں شائع کرائے تھے جنھوں نے ان کے استفسارات کے جواب دیے تھے[9]۔

ان میں مولوی عبدالحق، امتیاز علی خاں عرشی، سید مسعود حسن رضوی ادیب اور عبدالستار صدیقی کے خطوط بھی شامل ہیں۔ صدیقی صاحب کے ان خطوط میں زبان، لغت اور املا سے متعلق اہم نکات شامل ہیں لیکن یہاں صرف املا سے متعلق اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں نیز جو نکات اوپر زیرِ بحث آچکے ہیں ان میں سے کچھ ان خطوط میں بھی موجود ہیں لہٰذا ان کو یہاں دہرایا نہیں گیا:

1- 'علمای ہند' اور 'صفای باطن' کو ایرانی یوں بھی لکھتا ہے ووں بھی۔ علماے ہند اور صفاے باطن لکھنے میں غلطی نہیں بلکہ یہاں [ہندستان] کے لوگوں کا خیال کر کے اسی طرح [لکھنا] بہتر ہوگا۔ (ص 56)

2- غرائب اللغات ہمزہ سے عربی میں ہے۔ فارسی والوں نے اپنی زبان کے مطابق عربی لفظوں میں 'ی' (بجاے ہمزہ) کردی مگر ایران کے بھی ذی علم لوگ عربی کا ہمزہ برقرار رکھتے ہیں، پڑھتے شاید 'ی' کی طرح ہوں۔ اردو میں ہمزہ قرینِ تلفظ ہے یعنی اس امر میں عربی اور اردو کا اتفاق و اتحاد ہے۔ خلاصہ یہ کہ میں تو قائم، اور دائم اور فوائد ہی لکھتا ہوں۔ چاہے کوئی ایرانی خفا ہو جائے، اور اسی کو صحیح اور بہتر جانتا ہوں۔ (ص 85)

3- خراب عربی لفظ، اس پر فارسی کی یاے مصدری آئی، 'خرابی' ہوا۔ یہ لفظ مضاف پڑے گا تو اس کو البتہ کسرہ ہوگا، موصوف پڑے گا تب بھی یہی صورت ہوگی۔ خرابیِ بسیار [میں] کسرے کی جگہ بعضے لوگ ہمزہ لکھتے ہیں: خرابئ بسیار، خیر یہ بھی سہی۔ مگر 'ب' اور 'یَ' کے بیچ یہ ہمزہ کیسے کود کر پہنچ جائے گا۔ کسرے یا ہمزہ کا اشباع روا ہے مگر شعر میں؛ اور ایسے اشباع کو کتابت میں ظاہر کرنے کا دستور نہیں۔ لہٰذا 'خرابۓ بسیار' معاف فرمایئے گا، درست نہیں۔ (ص 60)

4- فارسی یا عربی میں 'ی' اور 'ے' کی صوتی قیمت ایک ہے... انیسویں صدی کے آغاز سے ان دو میں سے ایک شکل (ی) معروف کے لیے اور دوسری (ے) مجہول کے لیے استعمال ہونے لگی، لیکن عموماً اس کی پابندی نہیں کی جاتی تھی۔ کرنل ہالرائیڈ کے زمانے میں (یعنی غدر کے بعد) پنجاب کے سررشتۂ تعلیم اور بعض صوبوں کے سررشتۂ تعلیم میں نئی تجویز پر عمل ہونے لگا۔ خان آرزو کے زمانے کے لوگ اس فرق کو کتابت میں کیوں کر قائم کرتے؟ فارسی میں آج بھی یہ فرق نہیں۔ چاہے 'رای' لکھیے چاہے 'راے' [یہ خط 1945 میں لکھا گیا تھا، لیکن موجودہ دور میں فارسی میں صرف یاے معروف لکھی جاتی ہے]۔ اگر معروف کو 'ی' اور مجہول کو 'ے' لکھیں تو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک تلفظ سے بحث ہے راے، خداے

[جیسے خداے سخن]، جاے [جیسے جاے پناہ] اور روے [جیسے روے سخن]، کوے [جیسے کوے جاناں]، سوے [جیسے سوے چمن] وغیرہ میں جو 'ے' ہے وہ نہ معروف ہے نہ مجہول، بلکہ آدھا vowel ہے (یعنی طویل آواز نہیں رکھتی)۔ اپنے ماقبل سے مل کر ایک diphthong [یعنی دُہرا مصوتہ] بناتی ہے جس کا پہلا حصہ طویل دوسرا قصیر ہے۔ مجہول یا معروف 'ی' (ے) طویل ہو سکتی ہے قصیر نہیں ہو سکتی۔ اس قصیر 'ے' (یا 'ی') پر ہمزہ لکھنا غلط ہے خواہ لفظ (جس کے آخر میں یہ آئے) مضاف ہو یا موصوف۔ یعنی جاے تنگ، شفاے کُلّی، بوے گل، خوے نیک اور اس طرح کے کسی لفظ میں 'ے' پر ہمزہ نہ لکھنا چاہیے۔ کسرۂ اضافت (جو ترکیبِ اضافی اور ترکیبِ توصیفی دونوں میں آتا ہے) جب 'ے' سے بدل جائے تو ہمزہ اس پر نہیں آ سکتا۔ البتہ جب لفظ کے آخر میں مختفی 'ہ' ہو تو اِس 'ہ' کے کسرۂ اضافت کو ہمزہ سے ظاہر کرتے ہیں، جیسے بندۂ بے دام، پردۂ ساز، ہمزۂ ملینہ، جلسۂ عقد، نغمۂ شادی، درجۂ عالی۔ اگر 'ہ' مخلوط ہے تو اس پر ہمزہ محال ہے، جیسے شاہِ ذی جاہ، پناہِ مظلومان، گناہِ بے لذت۔ (ص 60-61)

5- عربی لفظ کے آخر میں ہمزہ آ سکتا ہے، جیسے دعاء، ضیاء، استعفاء، شعراء، حکماء، ضوء، وغیرہ۔ فارسی میں یہ ممکن نہیں عربی کا یہ آخر کا ہمزہ فارسی میں جب آیا تو تلفظ سے (اور اس لیے کتابت سے بھی) ساقط ہو گیا اور ایرانی لوگ یوں لکھنے لگے: دعا، ضیا، استعفا، شعرا، حکما، ضو وغیرہ... انھوں نے 'شعراء متاخر' لکھا مگر یہ طریقہ درست نہیں گو جائز سمجھا گیا۔ 'شعراے متاخر' بہتر ہے۔ عربی لفظ 'سوء' اور ایسے ہی دو ایک اور لفظوں کو مستثنیٰ سمجھنا چاہیے: سوءِ ادب، سوءِ ظن۔ (ص 62)

6- دیورانی اور جٹھانی، ان دو لفظوں میں 'د' اور 'ج' کو جو زیر ہے وہ کسرۂ مجہول ہے جس کے لیے ہمارے نظامِ حرکات میں کوئی علامت موجود نہیں۔ (ص 66)

7- راے چمپا (چمپا اور چنپا دونوں طرح لکھتے ہیں) [میں] 'پ' ہے 'ب' نہیں ہے۔ چمپا ایک پھول ہے اور راے چمپا اس کی ایک قسم۔ (ص 66)

8- عربی میں حلواء یا حلوئ مٹھائی کو کہتے ہیں اور اس کی جمع حلاوی ہے [اس لیے اردو میں حلوا لکھنا چاہیے نہ کہ حلوہ]۔ (ص 68)

9- گھٹا [گھ ٹ ا]، پانو پر اکثر جوتے کی رگڑ سے کھال سخت ہو کر گتھی بندھ جاتی ہے: corn ۔ گٹھا [گ ٹھ ا] اور چیز ہے، بڑی گٹھری کو کہتے ہیں۔ (ص 70)

10- ننہال، مگر اب ننھیال بولتے ہیں اور لکھتے بھی 'ی' کے ساتھ ہیں۔ (ص71)

11- باو [واو] گولا ہے۔ باد [دال] گولا درست نہیں۔ باد فارسی ہے، باو ہندی۔ اصح کا سوال نہیں اٹھتا۔ (ص75)

12- ایک اصول پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔'ں' (نون غنہ) کے حذف کی طرف اردو، خاص کر دہلی کی زبان کا شدید میلان ہے۔ پرانے زمانے میں جو الفاظ غنہ کے ساتھ خود دہلی میں بولے جاتے تھے بعد کی دہلوی زبان میں بلا غنہ کے بولے جانے لگے اور فصیح تصور کیے جانے لگے۔ وہی لفظ پورب کی زبان میں یا دہلی کے مضافات میں غنہ کے ساتھ آج بھی بولے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی لفظ کی دو صورتیں قرار پا گئیں۔ یہ عمل زبان میں آج تک جاری ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ قدیم مصنفوں کے ہاں بعضے لفظ غنہ سے دیکھ کر آج دہلی والے ناک بھوں سکیڑتے ہیں۔ غالب نے ایک جگہ لکھا ہے: چاول (بلا نون) بنیے بقال بولتے ہیں۔ شرفا چانول بولتے ہیں۔ مگر آج عام طور پر چاول رائج ہے۔ بعینہٖ 'ہ' کا حذف ہے۔ مخلوط التلفظ 'ھ' تو بہت لفظوں میں حذف ہو گئی ہے۔ ملفوظ 'ہ' کے حذف کی طرف بھی زبان (خاص کر دہلی) کا میلان شدید ہے۔ اسی طرح 'ڑ' کا ابدال 'ر' سے اور اس میں اختلاف بہت ہے۔ (ص76)

13- تڑکنا، تڑقنا، تڑخنا تینوں طرح بولتے ہیں۔ (ص84)۔

14- ایک عربی لفظ ہے ذات (essence,self)۔ اس سے مختلف ایک سنسکرت [لفظ ہے] جات (اصل و نسل، پیدائش، قبیلہ، قوم)۔ اردو والوں نے دھوکا کھا کر اسے بھی 'ذ' سے لکھنا شروع کر دیا اور آج تک نہیں مانتے۔ میں اسے زات لکھتا ہوں یعنی ذات پات نہیں لکھتا بلکہ زات پات اور تمھاری زات کیا ہے۔ ?What is your caste [گویا ذال کے بجائے زے] (ص84)

15- لاتینی [یعنی لاطینی]، اِتالی [یعنی اطالوی] وغیرہ 'ط' سے نہیں لکھے گئے۔ اس لیے کہ یہ عربی لفظ نہیں ہیں اور مصر اور شام میں ان کا املا 'ت' سے اختیار کیا گیا ہے۔ (ص88)

16- سب جانتے ہیں کہ توتا عربی لفظ نہیں ہے مگر جب لکھیں گے تو طوطا۔ یہ آخر کیا لغویت ہے؟ (ص88)

17- آج کل بلکہ مدتوں سے عربی کتابوں میں 'صلاۃ' اور 'زکاۃ' لکھا جاتا ہے مگر ہم کو اصرار ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ لکھو۔ (ص88)

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے کچھ خطوط مختار الدین احمد کے نام تھے اور تحقیق (جام شورو) میں شائع ہوئے تھے[19]۔ ان میں بھی کچھ نکات املا سے متعلق موجود ہیں جو یہاں پیش ہیں:

1- عربی الفاظ کے اردو میں املا سے متعلق لکھا ہے: 'عربی جاننے والے بھی بعضے عربی لفظوں کو غلط بولتے اور لکھتے ہیں اور مزہ یہ کہ بحث کرتے ہیں کہ یوں ہی صحیح ہے۔ کرہ کو کرّہ اور قراءۃ کو قرأۃ اور کنیسہ کو کنیست [لکھتے ہیں]۔ اعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔ بسم اللہ کے بعد دوسرا لفظ قرآن میں 'للہ' آیا ہے۔ اسے اب بزرگانِ امت عجب طرح سے لکھتے ہیں: لللہ [یعنی دو کے بجائے تین بار 'ل' لکھتے ہیں]۔ اور ذٰلک میں الف ضرور داخل فرماتے ہیں [یعنی ذالک لکھتے ہیں]۔ دوسری طرف قرآن کے رسم خط کی حرمت اس درجے کرتے ہیں کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی جگہ کوئی صلاۃ یا زکاۃ لکھ دے تو دین گیا۔ میں اردو میں بھی ان شاء اللہ لکھا کرتا ہوں۔ ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ تو 'اِن' کو ملا کر نہیں لکھتا۔ اس کا لوگ بہت چرچا کرتے ہیں۔ صاحبِ جہانگیری اور صاحبِ دستورِ عجم نے اور جانے کس نے اور کس نے تاکید کے ساتھ لکھا ہے کہ انشاء اللہ لکھنا چاہیے۔ میں نے کہا ہاں ان بزرگوں سے تلمذ کا شرف مجھے نہیں ہے کہ ان شاء اور انشاء کے فرق کو بھول جاؤں۔' (ص 612)

2- 'ہاں صاحب یہ 'پتا پر' کیا بات ہوئی؟ آپ لکھتے ہیں یونیورسٹی کے پتا پر آپ کو خط لکھا۔ یہاں الہٰ آباد میں تو بعضے معروف شاعر مشاعروں میں اس طرح پڑھتے ہیں مگر آپ سے تعجب ہے۔ لوگوں کو تو 'ہوا' تک کو (جو مؤنث ہے) محرف کر کے 'ہوے' بولتے سنا ہے۔' (ص 614)

☆ معروضات

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی جیسے متبحر عالم کے ارشادات پر مجھ جیسا طالبِ علم کیا عرض کر سکتا ہے۔ من آنم کہ من دانم۔ البتہ کچھ نکات ایسے ہیں جن پر ڈاکٹر صاحب نے بعد میں (ایک لحاظ سے) خود ہی رجوع کر لیا تھا ان کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ ثانیاً، بعض امور ایسے ہیں جو بعد

کے دور میں خود ہی طے ہو گئے اور رائج اور جاری وساری ہیں، ان کی نشان دہی کی جارہی ہے۔ پھر کچھ مسائل ایسے ہیں جواب سو سال پرانے ہو چکے ہیں اور جو اس زمانے کے لحاظ سے پیش کیے گئے تھے اور اب نئے حالات وحقائق کی روشنی میں درست نہیں کہلائے جاسکتے، مثلاً ٹائپ کی چھپائی اور اس میں آسانیاں پیدا کرنا اور اردو لکھائی کو اس سے ہم آہنگ کرنا اس زمانے میں انجمن ترقی اردو ہند کے نزدیک ایک اہم مسئلہ تھا، جیسا کہ سید ہاشمی فرید آبادی اور عبدالستار صدیقی کی تجاویز سے عیاں ہے۔ لیکن اب کمپیوٹر کے دور میں یہ باتیں غیر متعلقہ ہو چکی ہیں۔ لیکن صدیقی صاحب کی بعض تجاویز بہت عمدہ ہیں اور مختلف زبانوں کے علم اور اردو زبان واملا پر گہری نظر کا نتیجہ ہیں، ان میں سے بہت سی درست باتوں کو آج بھی بعض لوگ کٹ حجتی سے نہیں مانتے مثلاً توتا کو طوطا اور ان شاء اللہ کو انشاء اللہ لکھنے پر بضد رہتے ہیں۔

بہ ہر حال، ترتیب وار چند نکات پر اظہارِ خیال کی جسارت کی جارہی ہے:

1۔ اردو حروفِ تہجی کے جن حروف کو صدیقی صاحب نے 'بے ضرورت' قرار دیا تھا ان کی افادیت اور ضرورت کے وہ بعد میں غالباً قائل ہو گئے تھے۔ اگرچہ انھوں نے یہ کہیں وضاحت سے نہیں لکھا لیکن ایک تو یہ کہ بعد کے دور کی ان کی املائی اور اصلاحی تجاویز میں اس طرح کے خیالات کو کہیں دہرایا نہیں گیا، دوسرے یہ کہ رشید حسن خاں کا ایک بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ اردو کے حروفِ تہجی کی تعداد کم کرنے کے سے متعلق خیالات صدیقی صاحب کے بعد کے دور میں، غالباً غور وفکر کے بعد، تبدیل ہو گئے تھے۔ رشید صاحب نے لکھا ہے کہ اردو املا میں انقلابی تجویزیں بھی پیش کی گئیں اور ان میں سے ایک یہ تھی کہ اردو میں ایک آواز کے لیے ایک حرف ہونا چاہیے اور مثلاً س، ث، ص میں سے س کو باقی رکھا جائے اور باقی دو حرفوں کو مرحوم فرض کر لیا جائے۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ جو حرف پڑھنے میں نہیں آتے ان کو لکھا بھی نہ جائے، جیسے بالکل کو بلکل اور خوش کو خش لکھا جائے۔ اس مقام پر رشید صاحب مزید فرماتے ہیں:

> 'بڑی سے بڑی تبدیلی کی بات کی جاسکتی ہے مگر دیکھنا یہ بھی لازم ہوگا کہ اس کو نافذ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نافذ نہیں کیا جاسکتا تو پھر اس طرح کی تجاویز سے، اس کے سوا کہ انتشار اور الجھن میں اضافہ ہو۔ اور کچھ حاصل نہیں ہوگا... میں خود ایک زمانے میں اس طرح کی پسندیدگی کے پھیر میں آچکا ہوں۔ خدا جنت نصیب کرے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

مرحوم کو جن کی فہمائش اور تعلیم نے اس جہادِ کم نظری کے پیچ وخم سے
نجات دلائی۔[92]

گویا صدیقی صاحب کی رائے بھی بعد میں ان حروف کے ضمن میں تبدیل ہوگئی تھی۔

2- لفظوں کو بلا وجہ ملا کر لکھنے کی بدعت اب تو بڑی حد تک کم ہوگئی ہے اور خاص کر جیسی مثالیں ڈاکٹر صدیقی نے دی ہیں (مثلاً عرفاتعلیخانصاحب) اس طرح اب نہیں لکھا جاتا۔ اب مثلاً دلچسپی کو دل چسپی (یعنی توڑ کر) لکھنے کا بھی رجحان ہے۔ البتہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ملا کر (دلچسپی وغیرہ) لکھنے سے یہ ہوتا ہے کہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایک لفظ ہے۔ اس ضمن میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں املا درست ہیں لیکن موجودہ دور میں آسانی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بعض اہلِ علم دلچسپی/ دل چسپی جیسے الفاظ کو الگ الگ لکھنے پر زور دیتے ہیں۔

3 تا 7- یہ تجاویز عمدہ ہیں اور ان میں سے اکثر پر عمل بھی ہوتا ہے، یا کم از کم عمل کرنا چاہیے۔

8- صدیقی صاحب کی بات اصولاً درست ہے کہ آئے اور آیئے جیسے الفاظ میں ہمزہ لفظ کے آخر میں نہیں ہے بلکہ 'ے' سے پہلے ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ ان کی اس تجویز کو بالکل بھی پذیرائی نہیں ملی کہ ان جیسے الفاظ میں ہمزہ کو الگ (یعنی آ ء ے) لکھا جائے۔ زبان میں رواج کی اور چلن کی اتنی اہمیت ہوتی ہے کہ اس کو بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

9- دو لفظوں کے بیچ میں فاصلہ دینے کی تجویز (جیسے انگریزی میں ہوتا ہے) بھی قبولیت حاصل نہ کرسکی اور سوائے بچوں کی بعض کتابوں کے جو بعض مخصوص اداروں (مثلاً پاکستان میں فیروز سنز اور ہمدرد فاؤنڈیشن) نے شائع کی تھیں، الفاظ کے درمیان فاصلہ نہیں چھوڑا جاتا۔ البتہ بعض نصابی کتب میں چھوٹی کلاسوں کی کتابوں میں اس کا اہتمام دیکھنے میں آتا ہے جو طلبہ کے لیے مفید ہے۔

10- یہ تجویز کہ مرکبات میں کسرے کو ضرور لکھنا چاہیے، عمدہ ہے۔ بلکہ مرکبات میں ہمزہ ہو تو اسے بھی نیز تشدید بھی ضرور لکھنی چاہیے۔

11- واوِ مجہول پر اعراب نہ لکھنے کی تجویز درست تھی اور اس پر عموماً اب بھی عمل ہوتا ہے۔ البتہ رشید حسن خاں واو مجہول پر ضمہ یعنی پیش لکھنے کے قائل تھے جو اس لیے الجھن کا باعث ہے کہ عربی میں پیش واو معروف کے لیے مخصوص ہے اور جو بچے قرآن شریف پڑھتے ہیں ان کے لیے واو مجہول پر پیش حیرانی کا باعث ہوتا ہے بلکہ بعض تو تلفظ میں گڑبڑ بھی کر دیتے ہیں۔

اسی طرح ان کا یہ خیال بالکل درست تھا کہ بعض اسم ایسے ہیں جن میں واو کی آواز پوری نہیں آتی اور ان پر ہمزہ لکھنے سے تلفظ غلط ہو جاتا ہے اور انھیں بغیر ہمزہ کے لکھنا چاہیے یعنی الاو، ناو، (پانی کا) بہاو، گھاو، داو، تاو، پاو، کیوں کہ ان پر ہمزہ لکھنے سے ان کا تلفظ فعلِ امر کی طرح ہو جاتا ہے یعنی آؤ، جاؤ، (پانی کم) بہاؤ، وغیرہ۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آج تک بھائی لوگ اس کو ماننے کو تیار نہیں ہیں اور ان اسموں پر بھی امر کی طرح بالعموم ہمزہ لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح چاے، گاے اور باباے اردو میں 'ے' پر ہمزہ نہیں چاہیے لیکن ان پر بھی ہمزہ عام طور پر لکھا جاتا ہے۔

12- یہ تجویز کہ 'ڈ' اور 'ی' کی شکلوں کے لیے حروف ڈھالے جائیں ٹائپ سے متعلق ہے اور اب غیر متعلق ہے۔

13- واوِ معروف پر الٹا پیش لکھنے کی تجویز عام طور پر قبولیت حاصل نہ کر سکی اور اب تک واو معروف کے لیے عام طور پر پیش لکھا جاتا ہے۔ البتہ رشید حسن خاں اس کے حامی تھے کہ واو معروف پر الٹا پیش لکھا جائے کیوں کہ وہ پیش کو واو مجہول کے لیے استعمال کرنے کے حامی تھے۔

14- ماقبل مفتوح یعنی واوِ لین کے لیے واو سے پہلے والے حرف پر زبر لگایا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ واو پر جزم اردو میں بالعموم نہیں لکھا جاتا۔

15- واوِ مخلوط (واو جس کی آواز اردو یا ہندی الفاظ میں ماقبل سے مل کر نکلتی ہے مثلاً سوانگ، پھوار اور چھوارا میں) اور واوِ معدولہ (واو جس کی آواز فارسی الفاظ میں بعد میں آنے والے الف سے مل کر نکلتی ہے جیسے خواب، خواہش اور اگر بعد میں الف نہ آئے تو واو کا تلفظ ادا نہیں کیا جاتا جیسے خوش، خود) پر الٹا جزم لکھنے کی تجویز کو پذیرائی نہیں ملی اور آج بھی یہ الفاظ بالعموم بغیر کسی نشان یا علامت کے لکھے جاتے ہیں۔

16- پاو، ناو، گھاو غیرہ پر ہمزہ نہ لکھنے کی تجویز بہت معقول تھی لیکن (جیسا کہ اوپر نکتہ گیارہ میں عرض کیا گیا) اس بات کو لوگ عموماً نہیں مانتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ صدیقی صاحب کی تجویز صوتیات کی روشنی میں بالکل درست تھی۔ راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ اردو کی اعلا ترین سند کے حامل بھی پانی کا 'بہاو' (اسم) اور زیادہ پانی مت 'بہاؤ' (امر) میں تلفظ کا جو فرق ہے اسے نہیں مانتے اور اگر مانتے بھی ہیں تو املا میں نہیں ظاہر کرنا چاہتے بلکہ سوال اٹھاتے ہیں کہ پھر واو

کا تلفظ کیسے ادا ہوگا ہمزہ کے بغیر؟ حالاں کہ یہاں واو مصوتہ (vowel) نہیں مصمتہ (consonant) ہے اور ساکن ہے، جیسے لفظ 'دیؤ' میں، اور اسی کا تلفظ اسی طرح ادا ہوگا جیسے واپس اور وہاں میں آنے والا واو ساکن ہوتا ہے۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ صوتیات سے ناواقف اردو کے یہی 'جید علما' جو ہمزہ کے شدومد سے حامی ہیں دیو، سیو، نیو (یائے مجہول سے، بمعنی بنیاد) جیو (بہ یائے معروف بہ معنی روح یا دل وغیرہ) میں بجا طور پر ہمزہ نہیں لکھتے اور اسی کو درست سمجھتے ہیں۔ نہ جانے ان الفاظ میں واو کا تلفظ وہ کیسے کرتے ہوں گے (اگر وہ غور کریں تو ان کے اس سوال کا جواب کہ ناو اور بہاو میں واو کا تلفظ کیا ہوگا وہ خود دیو اور جیو بول کر دے سکتے ہیں، لیکن، ہائے میں نہ مانوں!)۔ املا کے موضوع پر منعقدہ ایک قومی سطح کے سیمینار میں اردو کے پروفیسروں نے ناو، گھاو، جائے، گائے، بابائے اردو، تمنائے خام وغیرہ کو اسی طرح (یعنی ہمزہ کے بغیر) لکھنے کی تجویز یکسر رد کر دی (سوائے چند شرکا کے)۔ اور جمہوری اقدار کے تحت ان کی بات مان کر سفارشاتِ املا میں بھی لکھنا پڑا کہ ان الفاظ پر ہمزہ لکھا جائے، افسوس۔ صوتیات کی روشنی میں صدیقی صاحب کی تجویز سو فی صد درست تھی اور کوئے یار اور بابائے اردو جیسے مرکبات میں جب 'ے' حرفِ اضافت ہے تو اس میں دوسرے حرفِ اضافت یعنی ہمزہ کا کیا کام ہے؟ لیکن اسے اب بھی کوئی سمجھنے کو تیار نہیں ہے سوائے چند اہلِ علم کے۔

17- یہ تجویز درست ہے کہ یائے مجہول کے لیے کسی علامت کی ضرورت نہیں۔

18- یائے معروف لفظ کے بیچ میں آنے پر شوشہ بنانے کی تجویز مقبول نہ ہو سکی اور اس کے لیے عموماً کسرہ (زیر) لکھا جاتا ہے۔

19- یائے ماقبل مفتوح یعنی یائے لین کے لیے لفظ کے بیچ میں آنے پر جزم اور آخر میں آنے پر کٹی ہوئی 'ی' لکھنے کی تجویز پر جزوی طور پر کہیں کہیں عمل ہوا لیکن خود مقالاتِ صدیقی میں بھی اس پر پوری طرح عمل نہ ہو سکا۔ اب اس کے لیے عموماً حرفِ ماقبل پر فتحہ (زبر) لکھا جاتا ہے۔

20- یائے مخلوط (پیاس، پیاز، کیاری وغیرہ) پر جزم لکھنے کی تجویز بھی بروئے کار نہ آسکی۔

21- الف اور واو کے بعد 'ے' آنے پر ہمزہ نہ لکھنے کی تجویز بالکل درست تھی لیکن، جیسا کہ اوپر نکات 11 اور 16 میں ذکر ہوا، اس کو قبول نہیں کیا گیا اور حسبِ دستور بوے گل، اردوے معلیٰ وغیرہ کو بوئے گل اور اردوئے معلیٰ وغیرہ لکھنے پر لوگ بضد ہیں۔

22 اور 23- واو اور 'ی' کے بطور مصمتہ (consonant) استعمال ہونے کی وضاحت کے لیے بھی کوئی علامت رواج نہ پا سکی۔ اس بات پر بھی اردو کے پروفیسروں کا ذہن صاف نہیں ہے کہ واو اور 'ی' کی اردو املا و طرزِ کتابت میں دہری حیثیت ہے، یہ مصوتے بھی ہیں اور مصمتے بھی، مثلاً دیو، الاو، گھاو، وعدہ، وہاں وغیرہ میں واو مصمتہ ہے لیکن آوٗ، جاوٗ، حور، غور اور چور میں یہ مصوتے کو ظاہر کرنے کی غرض سے لکھا جاتا ہے۔

24- ہاے ملفوظی کے نیچے ہک بنانے کی تجویز پر عمومی طور پر عمل نہیں ہوا البتہ رشید حسن خاں نے اسے لٹکن کا نام دیا، جسے کا مایا الٹے پیش کی طرح لکھا جاتا ہے، اور اس کا اپنی کتابوں میں اہتمام بھی کروایا۔

25- ہاے مخلوط کو دو چشمی 'ھ' سے لکھنے کی تجویز پر اس وقت بھی کسی حد تک عمل ہوتا تھا اور اب مکمل طور پر اسے اپنا لیا گیا ہے۔

26- واو اور 'ی' پر اعراب لکھنے کی تجویز پر عمل نہ ہو سکا اور اعراب کے ساتھ لکھی گئی نمونے کی عبارت دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ لکھاوٹ کے اس پر تکلف طرز پر عمل کرنا مشکل تھا۔ یہاں یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی زبان کے رسمِ خط کی دو صورتیں ہوں، ایک مبتدی کے لیے اور ایک منتہی کے لیے؟

واو اور 'ی' کے ضمن میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض لفظ مجوزہ قاعدوں کے مطابق نہیں لکھے جا سکتے جیسے ہونا کا ماضیِ مطلق 'ہوا' اور 'ہوئی'، اگر ان دو لفظوں کو قاعدے کے مطابق لکھا جائے تو 'ہُنا' اور 'ہُیَ' لکھیں گے اور یہ مروّج شکل سے بہت دور جا پڑتے ہیں۔ گویا مروّج شکل کا خیال بھی ہے۔ تو پھر یہ خیال ان الفاظ کے املا اور طرزِ کتابت میں کیوں نہ بروے کار لایا جائے جو ان کی تجویز کے مطابق لکھے جائیں تو مروج شکل سے وہ بھی بہت دور جا پڑیں گے؟

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی درجوں کی درسی کتب میں اعراب کا بہت خیال رکھا جائے کیوں کہ چھوٹے بچوں کے لیے اعراب کے بغیر درست تلفظ سے پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ بعد

میں جب ہم اس املا اور تلفظ کے عادی ہو جاتے ہیں تو بغیر اعراب کے بھی عبارت درست پڑھ لیتے ہیں۔ایک مثال اس ضمن میں عربی کی دی جا سکتی ہے جس کی عام کتابوں اور اخبارات میں اعراب نہیں ہوتے حالاں کہ عربی میں اعراب کے ذرا سے فرق سے فاعل اور مفعول کا فرق پیدا ہو سکتا ہے۔

27 اور 28- لفظوں کو ملا کر نہ لکھنے کی تجویز درست ہے اور اس پر اب خاصے ادارے عمل بھی کر رہے ہیں۔لیکن بعض الفاظ اسی طرح ملا کر بھی لکھے جا رہے ہیں۔

29- ہمزہ کو الگ لکھنے کی تجویز کو بالکل بھی پذیرائی نہیں ملی، غالباً سہولت اور رواج کی بنا پر۔

30- فارسی لفظ بہ، نہ، چہ، کہ، بے وغیرہ کو الگ لکھنے کی تجویز پر عمل کیا جاتا ہے اور اب اردو میں الگ ہی لکھا جاتا ہے لیکن 'بہ' کو کہیں ملا کر مثلاً بخوبی، بحفاظت اور بآسانی بھی لکھا جاتا ہے۔لیکن ب کو توڑ کر یعنی بہ لکھا جائے تو بسا اوقات طالبِ علم ایسے الفاظ میں بہ کو ب پڑھنے کے بجائے بہ ہی پڑھ لیتے ہیں (مثلاً بہ خوبی کو باخوبی یا بہہ خوبی پڑھتے ہیں) اور بعض اساتذہ کا اسی لیے خیال ہے کہ اسے ملا کر ہی لکھا جائے۔

31- یہاں نصف یا کٹی ہوئی 'ی' مراد ہے جس کا ذکر صفحاتِ گذشتہ میں آیا ہے اور جو یائے بازگشتی سے یعنی پوری گول 'ی' سے الگ انداز میں لکھی جاتی تھی۔لیکن 'ے' نہ تو بہت زیادہ جگہ گھیرتی ہے اور نہ اب ٹائپ کا مسئلہ رہ گیا ہے۔کمپیوٹر نے اردو املا اور کتابت کے بہت سے مسئلے حل کر دیے ہیں۔

32- اس تجویز کو نرم لفظوں میں عجیب ہی کہا جا سکتا ہے اور اسی لیے اسے کبھی بھی پذیرائی نہیں ملی یہاں تک کہ انجمن کی مطبوعات میں بھی کبھی اس پر عمل نہیں ہوا۔اردو لکھائی کے بنیادی اصولوں سے انحراف پر مبنی اس تجویز کی غرض و غایت غالباً ٹائپ کی آسانیاں تھیں اور اب یہ مسئلہ ہی ختم ہو گیا ہے۔اس کا ذکر ہم ہاشمی صاحب کی تجاویز پر معروضات میں کر چکے ہیں کہ اردو املا اور لکھائی کے بنیادی اصولوں سے متصادم اس انقلابی تبدیلی کو قبول کرنا مشکل ہی نہیں نامناسب بھی تھا۔

33- نون غنے کو منفصل یعنی الگ لکھنے کی تجویز بھی تکلف سے خالی نہیں تھی اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔اس لیے اس پر عمل بھی نہیں ہوا۔

34- عربی الفاظ کی کتابت سے متعلق تجاویز کے ضمن میں عرض ہے کہ:

34- الف ۔ یہ تجویز مناسب تھی کہ عن اور من وغیرہ کو ملا کر نہ لکھا جائے اور اس پر بالعموم عمل ہوتا ہے اگر چہ کچھ لوگ ان شاء اللہ کو ملا کر انشاء اللہ لکھتے ہیں جس سے لفظ بدل جاتا ہے کیوں کہ انشاء ایک الگ لفظ ہے۔ عن قریب، من جانب، فی صد کو بھی بعض اوقات ملا کر (عنقریب، منجانب، فیصد) لکھا جاتا ہے لیکن ملا کر نہ لکھنا بہتر ہے۔

34- ب ۔(1) اور (2)۔ال کے بعد دائرہ بنانے والی تجویز پر عمل نہیں ہوا البتہ یہ بات درست ہے کہ ال کے بعد آنے والے شمسی حرف پر تشدید کا نشان ضرور بنانا چاہیے۔اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ السّلام اور اسلام میں تمیز نہیں کرتے اور السّلام علیکم کو بھی غلط یعنی اسلام علیکم لکھتے ہیں۔

34- ج ۔رحمٰن/ رحمان اور اسمٰعیل اور اسماعیل وغیرہ دونوں طرح لکھا جاتا ہے اور اس میں کوئی ہرج بھی نہیں۔ البتہ حیات، نجات، رِبا، منات کا اب یہی املا اردو میں رائج ہو چکا ہے۔

34- د ۔عربی کی 'ۃ' (جس کو تاے مدورہ، تاے مربوطہ اور تاے موقوفہ بھی کہتے ہیں) کو اردو میں 'ت' (یعنی تاے دراز) لکھنے کی تجویز پر کسی حد تک عمل ہوا۔ مثلاً تورات، رحمت یا جیسے ابھی اوپر (34 ج میں) ذکر ہوا، حیات، نجات، منات کو اردو میں ایسے ہی لکھا جاتا ہے جیسے یہاں لکھا گیا۔ اسی طرح 'بابت' میں بھی تاے دراز لکھی جاتی ہے۔ لیکن بعض الفاظ و تراکیب، خاص طور پر پاکستان میں، 'ۃ' ہی سے لکھے جاتے ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، مشکوٰۃ، اَمَۃ الزہرا، مدینۃ الحکمہ (کچھ لوگ مدینۃ الحکمت بھی لکھتے ہیں)، رومۃ الکبریٰ وغیرہ۔ البتہ مسمات/ مسماۃ کا املا دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔ 'رحمت' کو تاے دراز سے لکھنے کے باوجود رحمۃ اللہ علیہ اور رحمۃ اللعالمین لکھا جاتا ہے، یعنی ان مرکبات میں بالعموم تاے مدورہ ہی لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح سلسلۃ الجرس، ہمزۃ الوصل اور قرۃ العین جیسے مرکبات میں تاے مدورہ ہی لکھی جاتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ رشید حسن خاں صاحب بھی عربی مرکبات میں بعض صورتوں میں تاے مدورہ کی حمایت کرتے ہیں، مثلاً صلوٰۃ کو صلوات، زکوٰۃ کو زکات اور مشکوٰۃ کو مشکات لکھنے کی تو تاکید کرتے ہیں لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ رحمۃ اللہ علیہ اور اس طرح کے دیگر عربی اجزا کو تاے مدورہ ہی سے لکھا جائے گا۔ اسی طرح تاریخ گوئی میں چوں کہ تاے مدورہ اور تاے

دراز کے اعداد میں فرق ہے لہٰذا ان میں خیال رکھا جائے گا کہ تاریخ کیسے نکلتی ہے، مثلاً رشک کی لغت نفس اللغۃ، اور بقول رشید صاحب کے یہ استثنا ہوگا[۹۳]۔ لیکن یہ دورنگی بہ ہر حال اردو میں اب تک برقرار ہے۔کیا کیا جائے۔

34- د۔(1)۔ یہ بات درست ہے کہ استعفیٰ، ارتضیٰ، اجتبیٰ، اصطفیٰ وغیرہ لکھنا غلط ہے اوران کا درست املا وہی ہے جو صدیقی صاحب نے بتایا ہے یعنی استعفا، ارتضا، اجتبا، اصطفا۔ اسی طرح استثنا۔ البتہ مستثنیٰ اور مصطفیٰ میں الف مقصورہ لکھنا چاہیے (گو اس بات سے بعض لوگ اختلاف کرتے ہیں)۔

34- د۔ (2)۔ان الفاظ مثلاً اعلیٰ، ادنیٰ، اولیٰ، علیٰ حالہٖ، علیٰ حدہ، مولیٰ، مولیٰنا، معلیٰ، مصلیٰ، معمیٰ، مجلیٰ، مربیٰ، معرّیٰ غیرہ کو 'معمولی الف' (یعنی معمول کے مطابق الف) سے لکھنے کی تجویز پر پاکستان میں بہت سے لوگوں کو اعتراض ہے اور یہ الفاظ پاکستان میں اسی طرح یعنی الف مقصورہ (یٰ) سے لکھے جاتے ہیں اور مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) (جس کا نام اب ادارۂ فروغِ قومی زبان ہے) نے بھی اپنی سفارشات 1985 اور 2022 میں الف مقصورہ ہی سے لکھنے کی تاکید کی ہے[۹۴]۔ ہندستان میں البتہ مختلف صورت ہے۔ وہاں انجمن نے نئے املا کو فروغ دینے کی کوشش کی اور اس کی مطبوعات میں 1944 کے بعد ہی سے نئے املا کی طرف رجحان نظر آتا ہے۔

34- د۔(3)۔ صدیقی صاحب کی تجویز کہ ادنا، اعلا، اَولا، اُولا، مولا، مولانا، مدعا علیہ، متوفا، مستثنا، صلِ علا، مجلا، معما، مربا، علاحدہ وغیرہ لکھا جائے تو کم از کم پاکستان میں اس کا عجب حال ہے، مثلاً 'علیٰ حدہ' کو جب ملا کر لکھا گیا تو اس کا املا 'علیٰحدہ' ٹھہرا۔ اسی طرح 'مولیٰ نا' کو ملا کر لکھا گیا تو 'مولیٰنا' بنا۔ جو لوگ 'علیٰ' کو علا، اعلیٰ کو اعلا اور ادنیٰ کو ادنا لکھنے کے قائل ہیں وہ علیٰحدہ کو بھی علاحدہ لکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ ادنیٰ، اعلیٰ، اَولیٰ، اُولیٰ، مولیٰ، مدعیٰ علیہ، متوفیٰ، مستثنیٰ، صلِ علیٰ، مجلیٰ، معمیٰ، مربیٰ کا درست املا تو یہی ہے جو ہم نے یہاں ابھی لکھا ہے یعنی الف مقصورہ (یٰ) سے لیکن اردو املا کی دورنگی کہیے یا انتشار کہ ان میں سے کچھ الفاظ تو پاکستان میں دونوں طرح لکھے جا رہے ہیں یعنی مولیٰ اور مولا، مولیٰنا اور مولانا۔ البتہ پاکستان میں مدعا علیہ رائج ہے یعنی یہاں مدعیٰ کا املا بدل گیا ہے، اسی طرح عام طور پر معمیٰ کو معمہ لکھا جاتا ہے۔

گستاخی معاف، بات یہ ہے کہ رشید صاحب نے اپنے اصولوں میں جابہ جا مستثنیات نکال کر بعض جگہ بہت الجھنیں پیدا کر دی ہیں، مثلاً لکھتے ہیں: ’یہ بات اصول کے طور پر مان لینا چاہیے کہ عربی کے مکمل ٹکڑے، جملے، عبارتیں، یہ سب اجزا جب اردو میں منقول ہوں گے تو ان کو عربی کے اجزا مان کر عربی کے طریقۂ کتابت کے مطابق لکھا جائے گا‘[95] اور اسی بنیاد پر لکھا کہ علیٰ حالہ، حتیٰ الامکان اور الیٰ آلان وغیرہ کو اسی طرح لکھا جائے گا[96]، گویا یہاں علیٰ کو علا، حتیٰ کو حتا اور الیٰ کو الا لکھنے کا اصول اُڑن چھو ہو گیا۔ اب مجھ جیسے طالب علم بے چارے کہاں جائیں؟ اس سے املا میں یک سانی پیدا ہوئی یا انتشار میں اضافہ ہوا؟

35- انگریزی کے الفاظ کو توڑ کر لکھنے کی تجویز بھی کبھی زیرِ عمل آتی ہے اور کبھی نہیں، البتہ انسپکٹر کو اِنس پک ٹر، مسٹر کو مس ٹر، مسز کو م سز، ڈاکٹر کو ڈاک ٹر، کلکٹر کو ک لک ٹر لکھنا تو اب عجیب ہی ٹھہرے گا۔ البتہ انسٹی ٹیوٹ، یونی ورسٹی وغیرہ کو دوسری طرح یعنی ملا کر انسٹیٹیوٹ اور یونیورسٹی بھی لکھا جا رہا ہے۔

36- الف۔ ب، ج۔ یہ تجاویز تعجب انگیز ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی زبان کو لکھنے کے دو طریقے ہوں، ایک ابتدائی جماعتوں کے لیے اور دوسرا اگلی جماعتوں میں جانے والوں کے لیے؟ اس کے علاوہ الفاظ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے لکھنے کی غرض و غایت یہ تھی کہ ٹائپ کی چھپائی میں آسانی ہو۔ دوسرا محرک غالباً یہ عام خیال ہوگا کہ اردو کی لکھائی بہت مشکل ہے اور یہ ایک طرح کا شارٹ ہینڈ ہے کیوں کہ اس میں الفاظ ملا کر مختصر صورت میں لکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس طرح کے اعتراضات کی کوئی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ دنیا کی کئی زبانوں کا رسمِ خط اردو کے مقابلے میں بہت زیادہ پیچیدہ ہے مثلاً چینی زبان کا رسمِ خط۔ لیکن کوئی انھیں ’آسان‘ بنانے کی کوشش نہیں کرتا کیوں کہ کسی زبان کا رسمِ خط مختلف لسانی، صوتیاتی، ثقافتی اور تاریخی عوامل کے نتیجے میں صدیوں میں تشکیل پاتا ہے اور اس میں چند لوگوں کی فرمائش پر تبدیلی نہیں کی جا سکتی خواہ وہ کتنا ہی پیچیدہ اور مشکل کیوں نہ ہو۔

اب ہم مقالاتِ صدیقی کی تجاویز پر مختصراً اظہارِ خیال کی جسارت کریں گے:

(1) الف اور ہائے مختفی

یہاں دی گئی بیش تر تجاویز درست ہیں سوائے چند الفاظ کے ضمن میں جن میں اختلاف

ہوسکتا ہے۔ ایک اعتراض شمس الرحمان فاروقی صاحب نے کیا کہ 'لغت نگاروں اور بزعم خود مصلحان املاے اردو کے دباو کی وجہ سے اردو میں رجحان پیدا ہوا کہ ہندی (دیسی) سے ہاے مختفی کو مخصوصہ فارسی کہہ کر اردو سے خارج کیا جائے'[۹۷] اور پھر بعض قدیم کتابوں اور لغات کے حوالے دیے ہیں کہ بعض الفاظ کے املا میں کہیں الف اور کہیں ہاے مختفی موجود ہے۔ وہ اس رجحان کو غلط قرار دیتے ہیں[۹۸]۔ فاروقی صاحب کی راے کے برخلاف اب عمومی رجحان پاکستان اور ہندستان دونوں میں یہی ہے کہ دیسی یا مقامی (اردو یا ہندی یا پراکرت) الفاظ کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض یا اختلاف صدیقی صاحب کی اس تجویز سے ہے جس میں انھوں نے بعض الفاظ کے آخر میں الف مقصورہ (یٰ) کے بجاے الف لکھنے کا کہا ہے۔ اس پر اوپر گفتگو ہو چکی ہے لہٰذا یہاں تکرار غیر ضروری ہے۔

(2) مختفی 'ہ' اور 'ے'

یہاں بھی بیش تر تجاویز درست ہیں۔ جو اسم 'ہ' پر ختم ہوتا ہے اس میں محرف حالت میں 'ے' لکھنے کی بات بالکل درست ہے۔ آج کل پاکستان میں اس سلسلے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اور لوگ ایسے مواقع پر 'ہ' ہی لکھتے ہیں جو غلط ہے، مثلاً اس سلسلہ میں، صوبہ میں، عمرہ کے لیے۔ کچھ لوگ اس طرح بولنے بھی لگے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ ایسے مواقع پر اس سلسلے میں، صوبے میں، عمرے کے لیے لکھنا درست ہوگا۔

(3) نون غنہ

نون غنے کے ضمن میں الٹا جزم بنانے کی تجویز بھی درست ہے مگر اب تک اکثر و بیش تر پانو، چھانو اور گانو کو پاؤں، چھاؤں اور گاؤں لکھا جاتا ہے۔ البتہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ صدیقی صاحب نے یہاں دھنوا اور کنوا لکھا ہے جب کہ اس سے پہلے وہ ان کا املا دھواں اور کنواں لکھ چکے تھے۔

(4) ہمزہ

اس سلسلے میں ان کی اس تجویز پر عمل نہیں ہوا کہ ہمزہ کو اوپر اٹھا کر لکھنے کے بجاے اس کے صحیح مقام پر یعنی حرفوں کے بیچ میں اور سطر پر لکھا جائے یعنی آئے کو آ ء ے لکھا جائے۔ البتہ

ان کی یہ بات بالکل درست ہے کہ بعض الفاظ مثلاً گاے، چاے، ناو، گھاو وغیرہ میں ہمزہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کو اب بھی اکثر لوگ تسلیم نہیں کرتے خاص کر وہ لوگ جن کا لسانیات اور صوتیات کا پس منظر نہیں ہے وہ اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں کہ یہاں واو کی آواز مختلف ہے اور یہاں ہمزہ قطعی غیر ضروری ہے۔ اس پر ہم اوپر بھی کچھ عرض کر چکے ہیں کہ اردو کے پروفیسر بھی اس بات کو نہیں سمجھتے کہ واو کے ساتھ یا 'ے' کے ساتھ یہاں ہمزہ کیوں نہیں چاہیے اور باقی سب لوگوں کو بھی رواج کے مطابق، نہ چاہتے ہوئے بھی، ہمزہ لکھنا پڑتا ہے۔

ان کی اس تجویز کو کہ لیجیے، کیجیے، دیجیے، کیے، لیے، دیے وغیرہ میں ہمزہ غیر ضروری ہے اب عمومی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس میں غالباً رشید حسن خاں کا بھی بڑا ہاتھ ہے، جنھوں نے وضاحت سے سمجھایا کہ یہاں ہمزہ لکھنا غلط ہے۔ اس کے بعد دی گئی تقریباً تمام تجاویز درست اور قابلِ قدر ہیں اور ہم جیسے طالب علموں کے لیے ان سے رہ نمائی لینی چاہیے۔ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

وحید الدین سلیم کی کتاب پر ان کے تبصرے میں بھی اردو املا سے متعلق اہم امور زیرِ بحث آئے ہیں اور ان کے بتائے گئے تقریباً تمام نکات سے اتفاق کرنا پڑے گا بلکہ ان کو اپنانا ہوگا۔

اسی طرح سید عبداللہ کے نام ان کے خطوط میں بھی بعض اہم اور دل چسپ باتیں ہیں جن سے بعض دیگر الفاظ کے املا کے سلسلے میں بھی رہ نمائی حاصل ہوتی ہے، مثلاً رشید حسن خاں صاحب ایرانیوں کے اتباع میں نمائش، فرمائش، گنجائش وغیرہ میں ہمزہ کے بجائے 'ی' لکھنے کی تاکید کرتے ہیں اور وجہ صرف یہی بیان کرتے ہیں کہ فارسی میں ایسے ہی لکھا جاتا ہے۔ صدیقی صاحب کا بنیادی اصول یہ تھا کہ اردو کے لیے اردو کو بنیاد اور سند بنانا چاہیے اور سید عبداللہ کے نام خط میں لکھی ہوئی اس بات میں اتنا وزن ہے کہ اسے یہاں دہرانے کو جی چاہتا ہے:

> 'اردو میں ہمزہ قرینِ تلفظ ہے یعنی اس امر میں عربی اور اردو کا اتفاق و اتحاد ہے۔ خلاصہ یہ کہ میں تو قائم، اور دائم اور فوائد ہی لکھتا ہوں۔ چاہے کوئی ایرانی خفا ہو جائے، اور اسی کو صحیح اور بہتر جانتا ہوں۔' (اردو نامہ، شمارہ 44، ص 58)

اس اصول کو ہم آزمائش اور نمائش وغیرہ پر منطبق کریں تو یہی صورت سامنے آتی ہے کہ آزمایش اور نمایش وغیرہ فارسی کا تلفظ ہے، اردو والے اس طرح نہیں بولتے۔ لہٰذا اس طرح لکھنا بھی

نہیں چاہیے۔ فارسی کے تلفظ اور احمد بہمن یار کے اصولوں کو حرزِ جاں بنا کر اردو کے تلفظ کو نظر انداز کر کے اردو الفاظ کا املا فارسی تلفظ کی بنیاد پر طے کرنا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا ان الفاظ کا اردو املا بھی تبدیل کر دیا جائے؟ لیکن یہ ہو نہیں سکتا اور ہم اردو والے اسی طرح بولتے رہیں گے۔ ایرانیوں کا جیسے جی چاہے بولتے رہیں۔ اور جی چاہے تو خفا ہو جائیں۔ اردو ایک قائم بالذات اور خود مختار زبان ہے، عربی فارسی کی پابند نہیں ہے۔

روئے سخن اور کوئے جاناں وغیرہ میں ہمزہ نہ لکھنے کا جواز بالکل درست دیا ہے کہ یہ نیم مصوتہ ہے یہاں ہمزہ نہیں چاہیے۔ البتہ بعض الفاظ مثلاً ذات کو زات لکھنے پر لوگ متفق نہیں ہوئے اور ایک بات ان مباحث میں بار بار گھوم پھر کر سامنے آتی ہے کہ زبان میں جو رائج ہو جاتا ہے اسے بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے اور آپ چاہے جتنے بھی جتن کریں، سیمینار کر لیں اور جتنے بھی مقالے لکھ لیں، لکھنے والے اپنی سی کر کے رہیں گے۔ پھر یہ کہ خود ہمارے بنائے ہوئے بعض اصولوں سے خود ہمیں بھی کبھی کبھی روگردانی کرنی پڑتی ہے اسی رواج اور چلن کی وجہ سے۔ مثلاً صدیقی صاحب نے لکھا ہے کہ اصل کا لحاظ کر کے بعض ناموں کی کتابت کی جائے یعنی کان پوُر، شاہ جہاں پوُر گو کہ اس کا تلفظ ۔۔۔' پُر ' کیا جائے' (ص 591)۔ سوال یہ ہے کہ اگر 'اصل کا لحاظ' کر کے کتابت کرنی ہے تو الف مقصورہ جن عربی الفاظ میں آتا ہے (مثلاً ادنیٰ، اعلیٰ) ان کی کتابت کے وقت 'اصل کا لحاظ' کرنے والا اصول کہاں گیا؟ اور ص، ذ اور ظ کی جگہ ز لکھنے کی تجویز میں 'اصل کا لحاظ' کا کیا بنے گا؟

بہ ہر حال۔ اس مختصر جائزے میں ان کے تمام املائی خیالات، تفردات اور مختارات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ املا کے مسائل پر انھوں نے جو کچھ لکھا اس کی اہمیت آج بھی ہے اور ان کے اٹھائے ہوئے بعض نکات آج بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں، اگرچہ ان کی بعض تجاویز سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔

5- مولوی عبدالحق

انجمن کی کمیٹی کے پانچویں رکن مولوی عبدالحق تھے جو انجمن کے معتمد تھے اور جن کا نام بطور داعیِ کمیٹی شامل تھا۔ مولوی صاحب کا کیا تعارف کرایا جائے اور کن الفاظ میں کرایا جائے؟ جو کچھ انھوں نے علمی، سیاسی، لسانی اور انتظامی طور پر کیا، جو معرکے سر کیے، وہ سب تاریخ کا

حصہ ہیں اور اس پر کتابوں، رسالوں اور مضامین ومقالات کا گراں مایہ انبار موجود ہے۔ اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ انھوں نے انجمن کی ذمے داری سنبھالنے کے بعد اپنی ساری زندگی انجمن اور اردو کے لیے وقف کر دی اور ہمہ وقت اردو کی خدمت اور انجمن کے کاموں میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ رہتے بھی انجمن کے دفتر میں تھے اور دفتری اوقات کے بعد بھی انجمن اور اردو کا کام کرتے رہتے تھے۔ اپنا سارا ذاتی سرمایہ بھی انجمن کی نذر کر دیا۔ پھر سیاسی محاذ پر بھی انھیں اردو کی لڑائی لڑنی پڑی اور گاندھی جی سے ان کا اردو اور ہندستانی کے مسئلے پر ٹکراو ہوا (اس موضوع پر بھی ان کے کئی مضامین مختلف جرائد میں شائع ہوئے)۔

اردو کی ترقی اور ترویج کے لیے کتب ورسائل کی اشاعت وطباعت اور علمی وادبی کاموں میں انجمن کی سرگرمیوں کو کبھی سست نہ پڑنے دینا اور اپنا علمی وادبی کام بھی کرتے رہنا اس پر مستزاد تھا۔ نوّے اکیانوے برس کی عمر تک برابر اردو کی خدمت میں لگے رہے۔ خود انجمن کی اردو کے لیے جو بے پناہ خدمات رہیں دراصل ان کے پیچھے بھی مولوی صاحب ہی کا ہاتھ تھا۔ کون جانتا ہے کہ مولوی صاحب انجمن کے کرتا دھرتا نہ ہوتے تو انجمن کا کیا حال ہوتا بلکہ اردو کا کیا ہوتا۔

☆ سوانح

مولوی عبدالحق کی جائے ولادت اور تاریخِ ولادت کے بارے میں اختلافی باتیں لکھی جاتی رہی ہیں لیکن شہاب الدین ثاقب نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مولوی عبدالحق 20 اگست 1870 کو سراوہ میں پیدا ہوئے جو ہاپوڑ کے قریب واقع گاؤں ہے اور جہاں مولوی صاحب کی ننھیال تھی[99]۔ مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم سراوہ ہاپوڑ اور پھر فیروز پور (پنجاب) میں ہوئی۔ فیروز پور میں ان کے والد مقیم تھے[100]۔ وہ 1888 میں علی گڑھ چلے گئے۔ علی گڑھ سے 1895 میں بی اے کیا[101]۔ علی گڑھ ہی میں انھوں نے سر سید، حالی، شبلی اور بعض انگریز اساتذہ کی صحبت میں بہت کچھ حاصل کیا۔ اس کے بعد دکن پہنچے اور وہاں مختلف خدمات بہ شمول تدریس پر مامور رہے۔[102]

1912 میں مولوی صاحب انجمن ترقی اردو کے معتمد نامزد ہوئے[103]۔ اس وقت انجمن کا کل سرمایہ رسی سے باندھے گئے ایک بوسیدہ صندوق اور چند پرانے رجسٹروں پر مشتمل تھا[104]۔

اسی انجمن کو عبدالحق نے ہندستان کا سب سے مؤقر، معتبر اور فعال ادارہ بنا دیا۔ 1930 میں جامعہ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔[۱۰۵]

1936 تک مولوی صاحب نے ہندی یا کسی زبان کی مخالفت نہیں کی اور ایک مشترک زبان (ہندستانی) کے حامی رہے۔ لیکن ساہتیہ پریشد کے 1936 کے اجلاس میں ہندی کو ہندستانی کے بجائے پریشد کی زبان کے لیے منظور کر لیا گیا جس سے مولوی صاحب بہت بددل ہوئے اور انھوں نے پریشد کی ورکنگ کمیٹی سے استعفا دے دیا[۱۰۶]۔ 1936 میں ہندی ساہتیہ پریشد کے اسی اجلاس کے بعد اردو ہندی تنازع شدت اختیار کر گیا اور مولوی صاحب نے اردو کے تحفظ کے لیے اکتوبر 1936 میں علی گڑھ میں آل انڈیا اردو کانفرنس منعقد کی۔ اس میں یہ بھی طے پایا کہ انجمن اپنا دفتر دہلی منتقل کر لے۔ چناں چہ 1936 میں مولوی صاحب جامعہ عثمانیہ سے سبک دوش ہو کر 1938 میں انجمن کا دفتر اور کتب خانہ لے کر دہلی چلے آئے[۱۰۷]۔

آزادی کے بعد انجمن کے دہلی کے دفتر کی بلوائیوں کے ہاتھوں تباہی[۱۰۸] کے بعد جنوری 1949 میں وہ کراچی آ گئے اور اگرچہ انجمن کراچی آ چکی تھی لیکن یہ صحیح معنوں میں 1949 میں پاکستانی ادارہ بنی[۱۰۹]۔ انھوں نے پاکستان میں انجمن کو صفر سے ازسرِ نو کھڑا کیا اور اسے ایک فعال علمی، ادبی و اشاعتی ادارہ بنا دیا۔ پاکستان میں انھیں نامساعد حالات اور سازشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا[۱۱۰]۔ بالآخر صدرِ پاکستان محمد ایوب خان نے ایک آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے مولوی صاحب کو انجمن کا مستقل صدر قرار دیا گیا[۱۱۱]۔ لیکن آفتابِ عمر لبِ بام آ چکا تھا۔ 16 اگست 1961 کو مولوی صاحب نے کراچی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا[۱۱۲]۔ زکریا مائل نے 'ہائے آفتابِ اردو غروب ہو گیا' سے سالِ وفات (1961) نکالا[۱۱۳]۔

مولوی صاحب کراچی آنے کے بعد انجمن کے معتمد کے علاوہ کراچی یونی ورسٹی میں اردو کے اعزازی پروفیسر رہے۔ جب 1958 میں ترقی اردو بورڈ (بعد ازاں اردو لغت بورڈ) قائم ہوا تو مولوی صاحب اس کے پہلے مدیرِ اعلا تھے اور اردو نامہ (کراچی) کے مختلف پرانے شماروں میں شائع شدہ تصاویر میں انھیں اجلاسوں کی صدارت کرتے ہوئے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

☆ علمی کام

جو کام مولوی صاحب نے دوسروں سے انجمن کے لیے کرائے ان کی تو طویل فہرست

ہے ہی اور ان کا ذکر یہاں ممکن بھی نہیں اور خاصا ذکر کہیں اور ہو بھی چکا ہے، مثلاً جو رسالے انھوں نے جاری کیے اسی کو دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے۔ ان رسالوں کا ذکر بھی ضیاء الدین انصاری کر چکے ہیں[114]۔ لیکن مولوی صاحب کے اپنے علمی کاموں کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ لغت نویسی، قواعد نویسی، قدیم متون کی بازیافت اور تدوین، تحقیق، تنقید، شخصیت نگاری، ادارت، اصطلاح سازی، علمی مقدمہ نویسی، خطبات، لسانی مباحث، تبصرہ نگاری، اداریہ نویسی، مکتوب نویسی، غرض کہاں تک گنوایئے۔ سہ ماہی اردو کے اشاریے[115] میں ان کے اس رسالے میں مطبوعہ مقالات ومضامین کی فہرست موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تصانیف اور تالیف کی فہرست شہاب الدین ثاقب کے مقالے میں شامل ہے[116]۔

انجمن کے رسالوں سہ ماہی 'اردو' اور 'قومی زبان' کے علاوہ بھی مولوی عبدالحق کے مضامین متعدد رسائل میں شائع ہوتے رہے، مثلاً علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، حسن، دکن ریویو، افسر[117] اور متعدد دیگر۔

☆ املا سے متعلق خیالات

تعجب ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب نے املا کے موضوع پر براہ راست بہت کم لکھا۔ اگر چہ وہ املا کی صحت اور اصلاح کی ضرورت کے بہت قائل تھے اور انجمن میں املا کمیٹی کا قیام، اس کمیٹی کے اجلاس اور سہ ماہی اردو میں اس کی تجاویز کی اشاعت ہی ان کی اس دل چسپی کے مظہر ہیں۔ انجمن کی پرانی مطبوعات میں بھی املا کمیٹی کی بعض تجاویز پر عمل نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مولوی صاحب کی رضامندی کے بغیر ممکن نہ تھا۔

مولوی صاحب کے خطبات میں زبان اور رسمِ خط پر تو بہت کچھ ہے لیکن اصلاحِ املا یا صحتِ زباں پر کچھ نہیں ملتا، ہاں زبان پر اور رسمِ خط پر عمومی آرا ملتی ہیں۔ البتہ اردو کا رسمِ خط رومن کرنے کی بات چلی تو مولوی صاحب اسی طرح شمشیرِ برہنہ بن گئے جس طرح اردو ہندی اور ہندستانی کے جھگڑے میں ہو گئے تھے۔ رسمِ خط کے موضوع پر دیگر مواقع پر بھی لکھا لیکن املا کی اصلاح (یا اس زمانے میں انجمن کے رسالے اردو میں مستعمل اصطلاح کے مطابق رسمِ خط کی اصلاح) پر ان کی کوئی تحریر خصوصی طور پر لکھی ہوئی نظر سے نہیں گزری۔ یہاں تک کہ ان کی مختلف کتب سے ماخوذ اقتباسات پر مبنی کتاب افکارِ عبدالحق (مرتبہ آمنہ صدیقی) میں بھی اردو

املا کی اصلاح پر کچھ نہیں ملتا، اگر چہ زبان، رسمِ خط اور متعلقہ موضوعات پر ان کے عمومی خیالات موجود ہیں۔ ان کے مکتوبات میں بھی املا کی اصلاح یا املا کی صحت و درستی کے موضوع پر کچھ نظر نہیں آتا۔ اردو املا کی اصلاح یا صحتِ زباں پر لکھی گئی یا مرتب کی گئی کتب میں بھی مولوی عبدالحق کا حوالہ خاص طور پر املا کی صحت یا اصلاح کے سلسلے میں نہیں ملتا، مثلاً ابو سلمان شاہ جہاں پوری کی کتاب[۸] میں ایسی کتب و مقالات کی خاصی بڑی تعداد کا ذکر ہے لیکن مولوی عبدالحق کی جن تحریروں کا اس میں حوالہ ہے وہ اردو میں اصطلاحات، سرکاری زبان، قومی زبان، پاکستان میں اردو کا المیہ، انگریزی کا تسلط، اردو کی اصل، علمِ ہجا، رسمِ خط اور اردو، وغیرہ جیسے موضوعات پر ہیں، املا یا صحتِ املا و صحتِ زبان پر نہیں ہیں۔

سہ ماہی اردو کے اشاریے (مرتبہ سید سرفراز علی رضوی) کو دیکھا جائے تو مولوی صاحب کے جو مقالات و مضامین سہ ماہی اردو میں شائع ہوئے ان میں سے کوئی بھی اردو املا کی صحت یا اصلاح کے موضوع پر نہیں تھا اگر چہ بعض اہم موضوعات (مثلاً لغت نویسی، دخیل الفاظ، اردو کے قدیم کتبے، اصطلاحات، اردو ہندی اور اردو ہندستانی کا قضیہ، مختلف علاقوں میں اردو کی ترقی، انجمن کی سرگرمیاں، ادیبوں کی وفیات، کتابوں پر تبصرے، اہلِ یورپ کی اردو خدمات، ادبی تحقیق، عورتوں کی زبان، خطبات، وغیرہ) پر بہت وقیع اور بڑی تعداد میں ان کی تحریریں ملتی ہیں۔ بعض تحریریں ان کی ایسی ہیں جن سے اردو املا کے اصولوں اور اردو الفاظ سے متعلق بنیادی اصول وضع کیے جاسکتے ہیں۔

عبدالحق کے بعض خیالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ املا سے متعلق دیگر اہلِ علم کے اٹھائے ہوئے بعض نکات ان کے ذہن میں ہوتے تھے اور وہ کسی کی جانب اشارہ کیے بغیر اپنی رائے دے دیتے تھے۔ مثلاً بعض لوگ اردو سے ژ، ث، ظ، ص وغیرہ کو زائد قرار دے کر نکالنے کے حق میں تھے اور اس مسئلے پر انھوں نے اپنے ایک مضمون بہ عنوان رسمِ خط میں عمومی گفتگو کرتے ہوئے ضمناً اس پر اظہارِ خیال بغیر کسی بحث میں الجھے کر دیا۔ لکھتے ہیں:

> 'اس امر کی تصریح کی ضرورت نہیں کہ عربی فارسی الفاظ کا کسی دوسری زبان میں تحریر کرنا محض دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے۔ ژ، س، ص، ز، ذ، ض، ظ میں جو فرق ہے وہ دوسری زبانوں کے حروف سے ادا نہیں ہوسکتا۔ چند حروف ایسے ہیں جو دوسری زبانوں میں پائے نہیں جاتے،

مثلاً غ، ق وغیرہ۔ علاوہ بریں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی ان کے مادّے اور املا سے معلوم کیے جاتے ہیں۔ مادّہ اور املا کا فرق رسمِ خط کی تبدیلی سے مفقود ہو جائے گا اور مفہوم تک پہنچنے میں دقت ہوگی۔ اس لیے ہندی حروف میں نقطے یا دو تین حروف کا ادغام یا دیگر حروف کا اضافہ کرنے سے اردو زبان کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔"[19]

رسمِ خط کی تبدیلی کے موضوع پر اسی مضمون میں آگے چل کر بغیر کسی انگشت نمائی کے کہتے ہیں: "یہ امر محتاجِ دلائل و ثبوت نہیں کہ اردو زبان کی ضروریات رومن، ہندی یا لاطینی طرزِ تحریر سے پورے [پوری] نہیں ہو سکتے [سکتیں]۔" (ص 91)۔

مقدمات میں کہیں کہیں وہ زبان پر اظہارِ خیال کرتے ہیں تو املا، رسمِ خط اور اردو میں عربی فارسی الفاظ کے استعمال اور املا پر کچھ کہہ جاتے ہیں اگرچہ یہ ضمناً ہی ہوتا ہے اور مقصود بالذات نہیں ہوتا، مثلاً انتخابِ میر کے مقدمے میں میر تقی میر اور ان کے ہم عصر شعرا کے کلام میں فارسیت غالب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اردو زبان سے متعلق ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ:

"ان بزرگوں نے تو پھر بھی یہ کیا کہ جہاں کثرت سے فارسی الفاظ اور محاورے اور فارسی ترکیبیں داخل کیں وہاں بہت سے الفاظ کو اپنا کر اور صرف، صرف ونحو کے خراد پر چڑھا کر اردو بنا لیا لیکن آج کل یہ کوشش کی جاتی ہے کہ عربی الفاظ اور ترکیبوں کو جوں کا توں رکھا جائے ایسا نہ ہو کہ یہ مقدس الفاظ اردو صرف ونحو کے چھو جانے سے نجس ہو جائیں۔ ان بزرگوں نے زبان کو بنانے میں اور وسیع کرنے کی کوشش کی اور بہت بڑا احسان کیا۔ مگر آج کل لوگ ان کی تقلید کو ننگ سمجھتے ہیں اور ان کی کوششوں کو غلط العام سے تعبیر کرتے ہیں حالاں کہ وہ صحیح اصول پر چل رہے تھے اور ہم باوجود ہمہ دانی کے اصلی ترقی اور نشو و نما کے گر سے ناواقف ہیں۔ ایک دوسرا فریق جو فارسی، عربی کے مقبول الفاظ نکال نکال کر ان کی جگہ ثقیل اور غیر مانوس سنسکرت کے الفاظ ٹھونسنا چاہتا ہے اسی نافہمی میں مبتلا ہے۔ ہماری رائے میں دونوں زبان کے دشمن ہیں۔"[20]

یہی مولوی صاحب کا اردو کے بارے میں منشور بھی تھا جس کی انھوں نے ہمیشہ تبلیغ کی۔ اردو میں ہندی کے سبک اور رواں الفاظ کے استعمال کے موید تھے، باغ و بہار کے مقدمے میں میر امن کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں 'جب کہیں گفتگو یا مکالمے کا موقع آتا ہے حفظِ مراتب اور موقع محل کے لحاظ سے اسی قسم کی زبان لکھتے ہیں، موقعے موقعے سے ہندی لفظ اس حسن وخوبی سے کھپاتے ہیں کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے' (مقدمات، مرتبہ عبادت بریلوی، ص329)۔

لیکن زبان اور الفاظ سے متعلق مولوی صاحب کے خیالات سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اردو میں خالص ہندی الفاظ کے بلاضرورت استعمال کے قائل تھے۔ عبدالماجد دریابادی کو اپنے ایک خط 3 اگست 1942 میں لکھتے ہیں: 'رانی کیتکی کی کہانی انشا کی تفننِ طبع کا نتیجہ ہے، اسے یار لوگوں نے خوب بانس پر چڑھایا ہے' اور 'ہندستانی' کے ضمن میں کہتے ہیں۔ ہندستانی یا خالص اردو کے یہ معنی نہیں ہیں۔ جب خالص ہندی عربی فارسی الفاظ سے خالی نہیں تو خالص اردو ایسی زبانوں کو کہنا جس میں عربی فارسی لفظ نہ آئے سراسر خوش فہمی ہے۔'[۲۱]

اردو زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ ومحاورات میں کیے گئے تصرفات کو مولوی صاحب درست خیال کرتے تھے۔ اس ضمن میں وہ انشاء اللہ خاں انشاء کے ہم خیال تھے اور ان کی تائید وتوصیف میں 'دریائے لطافت' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> 'سید انشاء اللہ پہلے شخص ہیں کہ جنھوں نے عربی فارسی زبان کا تتبع چھوڑ کر اردو زبان کی ہیئت و اصلیت پر غور کیا اور اس کے قاعدے وضع کیے اور جہاں کہیں تتبع کیا بھی ہے تو وہاں زبان کی حیثیت کو نہیں بھولے...الفاظ کی فصاحت وغیر فصاحت وصحت وغیر صحت کے متعلق کتنی سچی رائے دی ہے۔
>
> وہ [انشاء] کہتے ہیں کہ ہر لفظ جو اردو میں مشہور ہو گیا، عربی ہو یا فارسی ترکی ہو یا سریانی پنجابی ہو یا پوربی از روئے اصل غلط ہو یا صحیح اردو کا لفظ ہے، اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلافِ اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت وغلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے کیوں کہ جو کچھ خلافِ اردو ہے غلط ہے گو اصل میں وہ صحیح ہو اور جو کچھ موافقِ اردو ہے صحیح ہے گو اصل میں صحت نہ رکھتا ہو۔ (مقدمات، مرتبہ بریلوی، ص81-480)

یہ بھی لکھا کہ اسی صول کے تحت انشاء اللہ خاں انشاء لفظ غدر بفتحۂ دال اردو کا صحیح لفظ خیال کرتے ہیں اگرچہ اصل میں بسکونِ دال ہے (ص 481)۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عبدالحق کا نقطۂ نظر املا اور زبان کی صحت کے بارے میں کیا تھا۔ اس کی مزید توضیح انشاء ہی کے خیالات کی مدد سے کرتے ہیں:

'سید انشاء اردو کو ایک جدا زبان خیال کرتے ہیں اور غیر زبان کے جن الفاظ نے منجھ منجھا کر یا گھس پس کر یا اختلافِ لہجہ یا دوسرے اسباب سے ایک خاص صورت اختیار کرلی ہے وہ اب اردو کے لفظ ہو گئے ہیں۔ انھیں اصل زبان سے کچھ تعلق نہیں رہا اور جو کچھ صورت ان کی پیدا ہوگئی ہے اور جس طرح وہ زبان زدِ خاص و عام ہو گئے ہیں وہی ان کی صحیح صورت ہے... ہر اردو لفظ اس کی اصلی صورت میں (یعنی جس زبان سے وہ آیا ہے) لکھنا اور بولنا شروع کریں تو اردو زبان کوئی زبان ہی نہ رہے گی۔' (مقدمات، مرتبہ بریلوی، ص 481)

البتہ جب یہی بات اپنی کتاب 'قدیم اردو' میں شامل مقالے 'کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ' میں دہرائی تو اتنا اضافہ کیا کہ انشاء اللہ خاں انشاء نے 'اس قسم کے الفاظ کی بہت مثالیں دی ہیں۔ اگرچہ یہ نکتہ اصولِ لسان کے لحاظ سے بہت خوب بیان کیا ہے لیکن اپنے کلام میں کہیں اس پر عمل نہیں کیا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے اس نکتے کو دو صدی قبل سید انشاء سے بہتر سمجھا اور اپنے کلام میں جا بجا استعمال کر کے دکھایا ہے'[۱۲۲] لیکن جو مثالیں یہاں املا کی مولوی صاحب نے قلی قطب شاہ کے کلام سے دی ہیں کہ مثلاً وہ شمع کو شما، نفع کو نفا اور انعام کو انام لکھتا ہے اس املا کو تو خود مولوی صاحب نے بھی، باوجود قلی قطب شاہ کی تعریف میں بیان کرنے کے، کبھی نہیں لکھا، اِلّا یہ کہ بعض قدیم متون کی تدوین کے وقت انھوں نے اسی قدیم املا کو ترجیح دی ہے، لہٰذا انشاء کے طریق کار پر مولوی صاحب کا یہ اعتراض اور قلی قطب شاہ کی تعریف ایک سوالیہ نشان ہے۔

'تنقیداتِ عبدالحق' میں احمد دین کی کتاب سرگذشتِ الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی صاحب نے بعض مقامات پر گرفت کی ہے اور بعض الفاظ کی اصل بتائی ہے جس میں چند الفاظ کا املا بھی آ گیا ہے، مثلاً لفظ رضائی کی جو اصل مصنف نے لکھی تھی (کہ اس کا نام اس کے موجد

محمد رضا کے نام پر ہے) اس کی تردید کرتے ہوئے عبدالحق نے لکھا ہے کہ 'یہ لفظ دراصل رزائی ہے چوں کہ یہ عموماً رنگے ہوئے کپڑے کی بنائی جاتی ہے اس لیے یہ نام پڑ گیا'[۱۲۳] لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ اس لفظ کا درست املا کیا ہوگا، رضائی یا رزائی ؟

مولوی عبدالحق کی الفاظ نیز دکنی کے الفاظ اور ان کی اصل پر کیسی نظر تھی اس کا اندازہ ان کی اس سخت تنقید سے ہوتا ہے جو انھوں نے محی الدین قادری زور کی کتاب 'اردو شہ پارے' پر کی تھی۔ اس میں انھوں نے کتاب میں درج کئی لفظوں کو غلط اور بے معنی کہا ہے اور بتایا ہے کہ یہ الفاظ غلط املا کے ساتھ کسی ناقص نسخے سے نقل کر دیے گئے ہیں جس سے عبارت بے معنی ہو گئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے درست املا اور صحیح معنی بھی بتائے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے ایک مصرعے کی تصحیح اس طرح کی ہے:

جیوں پھول تازا بن منے جیوں یوتلی بوجن منے

بے معنی ہے۔ یہ لفظ بوجن نہیں بلکہ 'لوچن' ہے۔ یوتلی 'پوتلی' ہے۔ لوچن کے معنی آنکھ کے ہیں یعنی آنکھ کی پتلی' (تنقیدات، مرتبہ تراب، ص 94-93) ۔

لیکن یہاں کسی لفظ کے املا سے تفصیلی بحث نہیں کی، محض معنی یا املا کی تصحیح کر دی ہے۔ تنقیداتِ عبدالحق میں شامل مضمون دیوانِ ولی میں ایک جگہ 'کہ' کے املا کے بارے میں کہا 'اس میں شک نہیں کہ اہلِ دکن کافِ بیانیہ کو ہمیشہ 'کے' لکھتے تھے اور بعد میں جاہل لوگ اسی طرح لکھتے رہے اور اب بھی لکھتے ہیں لیکن میرے اور [گارسیں] دتاسی کے تمام نسخوں میں 'کہ' ہی لکھا ہے (تنقیدات، مرتبہ تراب، ص 6)۔

اردو املا اور طباعت کے مسائل سے مولوی صاحب ہرگز غافل نہیں رہے، نہ ابتدائی دور میں اور نہ پاکستان آنے کے بعد۔ مثلاً حسام الدین راشدی کے نام ایک خط (محررہ 23 مئی 1949) میں اردو کی ترقی اور مسائل کے حل سے متعلق ایک کانفرنس کے انعقاد اور شعبہ جات کے قیام کی تجویز پیش کرتے ہوئے انھوں نے لکھا (املا کے مسائل کو حسبِ روایت رسمِ خط کے مسائل کہا ہے):

> 'شعبۂ رسم الخط و مسائلِ طباعت: رسمِ خط کے مسائل کو قطعیت کے ساتھ فوری فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو آسان اردو اور افادی بنانے کے لیے مختلف مسائل پر غور کر کے صحیح راہِ

عمل متعین کرنا ہے۔ اور زبان کی ترقی کے راستے میں طباعت کی موجودہ صورتیں سدِ راہ ہیں۔ اور یہ طے کرنا ہے کہ ٹائپ کو اضافہ وترمیم کے بعد کس طرح مروج کیا جاسکتا ہے۔'[۱۲۴]

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کی تحریروں میں اصلاحِ املا پر براہِ راست کچھ نہیں لکھا ہوا ملتا۔ خطوط جو عموماً بے تکلفی سے لکھے جاتے ہیں اور جن میں دل کی ایسی باتیں بھی زبان پر آجاتی ہیں جو سرِ محفل نہیں کہی جاتیں ان میں بھی مولوی صاحب نے اس موضوع پر کم ہی لکھا ہے۔ بلکہ شاید ہی کسی خط میں کسی کو اس کے غلط املا پر ٹوکا ہو یا غلط زبان کی تصحیح کی ہو۔ ان کی عام زندگی کے واقعات میں بھی کسی راوی نے شاید ہی کہیں کوئی ایسا واقعہ لکھا ہو جس میں مولوی عبدالحق، جو بجا طور پر بابائے اردو کہلاتے تھے، نے کسی کی زبان یا تلفظ کی اغلاط پر گرفت کی ہو۔ اس ضمن میں سب سے اہم خط کتابت وہ ہے جو مولوی صاحب اور زبان کے جید لوگوں کے مابین ہوئی، مثلاً عبدالستار صدیقی۔ لیکن مولوی صاحب کے جو خطوط صدیقی صاحب کے نام ہیں ان میں بھی املا اور اس کی صحت کے موضوع پر نہ ہونے کے برابر مواد ملتا ہے۔

لیکن اردو کے ٹائپ پر مولوی صاحب صدیقی صاحب سے برابر مشورے کرتے رہے اور اس سے ان کی اس دل چسپی کا اندازہ ہوتا ہے جو انھیں اردو کی جدید تر چھپائی سے تھا اور صدیقی صاحب بھی اس کے بڑے حامی تھے۔ انجمن کی املا کمیٹی کی تشکیل سے پہلے ہی اس پر کام شروع ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب کسی جرمن کمپنی سے اردو ٹائپ کے سلسلے میں رابطے میں تھے اور صدیقی صاحب کو اس کی اطلاع بھی دیتے رہتے تھے۔ مثلاً 10 فروری 1927 کے ایک خط میں مولوی صاحب نے صدیقی صاحب کو لکھا:

'ٹائپ کے معاملے میں خدا خدا کر کے کامیابی ہوئی۔ اب اس کا بنوانا شروع کروں گا۔ ٹائپ دو قسم کے ہوں گے ایک وہ جس میں نقطے الگ رکھے گئے ہیں۔ دوسرا وہ جس میں نقطے بھی شامل ہیں۔ پہلے میں ایک سو پچاس اور دوسرے میں دو سو پچاس جوڑ ہیں اور خوش نویسی کے اصولوں کے بالکل مطابق ہیں۔ اس کام میں آپ بہت یاد آتے ہیں۔'[۱۲۵]

مکتوبات (مرتبہ جلیل قدوائی) میں شامل ایک خط میں لکھتے ہیں: 'نستعلیق کا تجربہ کامیاب ہوگیا۔ اب اس کا بنوانا باقی ہے۔' (ص 49) اور 'نستعلیق ٹائپ جو میری نگرانی

میں بن رہا تھا وہ مکمل ہوگیا ہے۔اس کا آخری امتحان کرنا تھا(ص 62)۔نیز لندٹائپ کمپنی سے متعلق آگاہ کرتے ہیں کہ 'وہ کہتے ہیں ہم اردو نستعلیق کے لیے لند ٹائپ تیار کردیں گے۔ان کے لیے بعض جوڑوں میں تبدیلی کرنی پڑی۔ 'ج' اور 'ع' کا پورا دائرہ اس ٹائپ میں نہیں آسکتا۔اس لیے ان دائروں کو کم کرنا پڑا۔'(ص 67) اس کے بعد لکھا ہے کہ ان دائروں کو لکھنے کی کچھ صورتیں ہیں اور صدیقی صاحب سے رائے مانگی ہے کہ کون سی صورت موزوں ہوگی۔

صدیقی صاحب اپنا کوئی ٹائپ بنا رہے تھے۔اس سے متعلق خط میں لکھا ہے 'آپ کا ٹائپ اگر سرکار نے منظور نہ کیا تو آپ کو ہر حال میں یہ حق رہے گا کہ آپ جس طرح چاہیں اسے رواج دیں۔'(ص89)

اردو کے نستعلیق ٹائپ ہی سے صدیقی صاحب کو لکھا 'بہ حیثیت معتمدِ مجلسِ اردو نستعلیق ٹائپ آپ کی خدمت میں عرض گذار ہوں کہ اس مجلس کے جلسے کا انعقاد 13 اکتوبر 31ء کو قرار پایا ہے'(ص 90) اور یہ کہ 'براہِ کرم آپ اپنے ٹائپ کے متعلق مجھ ایک نوٹ لکھ کر بھیج دیجیے، اس میں اس کا بھی ذکر ہو کہ جو نمونہ آپ کے ٹائپ کا دار الطبع نے بنا کر پیش کیا ہے وہ درست نہیں ہے'(ص91-90)

انجمن کی انگریزی بہ اردو لغت کی تدوین میں صدیقی صاحب شریک تھے۔اس کے مسائل اور زبان سے متعلق عبرت انگیز بات ایک خط میں انھیں لکھی ہے:

> 'اب تک جو حصہ میں آپ کے ملاحظے کے لیے بھیجتا رہا وہ میرا یا ڈاکٹر عابد حسین کا دیکھا ہوا اور تصحیح کیا ہوا ہوتا تھا لیکن اب جو حصہ ہے اس پر کسی کی نظر ثانی نہیں ہوئی۔مترجموں کے ترجمے اس قدر خراب ہیں کہ شاید ہی کوئی لفظ بچتا ہو ورنہ ہر لفظ کے ترجمے کو بدلنا کاٹنا چھانٹنا پڑتا ہے۔سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایسے ایسے لائق لوگ ہیں مگر معمولی الفاظ کا ترجمہ بھی صحیح نہیں کر سکتے۔جتنے ترجمے آئے ان میں سوائے ہاشمی اور وہاج الدین کے (جن میں کم اصلاح کی ضرورت ہوئی) باقی سب ایسے تھے کہ آتش دان میں ڈال دیے جاتے۔'(ص 112)

13 اکتوبر 1936 کے ایک خط میں اردو کانفرنس کی تجویز کے ضمن میں جلیل قدوائی نے مکتوبات کے مجموعے میں پیش نامۂ اردو کانفرنس بھی حاشیے میں درج کیا ہے اور اس ایجنڈے

میں دیگر تجاویز کے علاوہ 'اصلاحِ زبان کمیٹی' کا بھی ذکر ہے (ص 24-123)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے ذہن میں املا کی اصلاح کا مسئلہ مستقل گردش کرتا رہتا تھا۔

پھر جنوری 1944 میں ناگ پور کی آل انڈیا اردو کانفرنس کے ضمن میں 23 دسمبر 1943 کے خط میں صدیقی صاحب کو مولوی صاحب نے لکھا: اس میں آپ کی شرکت لازم اور نہایت ضروری ہے (ص 136)۔ اگلے خط میں لکھا: آپ سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔ رسمِ خط کمیٹی کے صدر آپ ہی ہیں اب کے کچھ نہ کچھ فیصلہ کر ڈالنا چاہیے (ص 137)۔ جلیل قدوائی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر صدیقی اسٹیشن گئے تھے لیکن گاڑی پانچ چھے گھنٹے لیٹ تھی اور وقت پر ناگ پور پہنچنا ممکن نہ تھا، گھر لوٹ آئے۔ (ص 137)

البتہ نستعلیق ٹائپ سے متعلق ایک اہم خط مولوی صاحب نے 6 مارچ 1944 کو صدیقی صاحب کو لکھا کہ سجاد مرزا صاحب کے ٹائپ کے نمونے پہلے سے بہتر ہیں لیکن اس میں شبہہ ہے کہ یہ ٹائپ مقبول ہوگا اور اس کے بعد ایک اہم بات لکھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نستعلیق ٹائپ سے مطمئن نہیں تھے: 'نستعلیق کا خیال اب دماغ سے نکال دیا جائے۔ موجودہ نسخ میں تھوڑی بہت اصلاح ہو جائے تو اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ نستعلیق کے خبط کی وجہ سے اس قدر دیر ہوئی اور اگر اسی پر اصرار کیا گیا تو ٹائپ کبھی نہیں بنے گا۔' (ص 141) پھر 8 ستمبر 1945 کے خط میں اطلاع دی: ریمنگٹن کمپنی سے میں نے دریافت کیا تو اس نے لکھا کہ ان کے امریکی آقاؤں نے نئے اردو ٹائپ بنانے کا خیال ترک کر دیا ہے۔ (ص 149)

صدیقی صاحب کے نام خط مرقومہ 31 اگست 1945 میں لکھتے ہیں: 'انفارمیشن بیورو گورنمنٹ آف انڈیا نے ہمیں لکھا ہے کہ آپ نے اردو املا کے متعلق جو اصلاحیں تجویز کی ہوں یا جو قواعد بنائے ہوں ہمیں لکھ بھیجیے تاکہ ہم انھیں اپنے شعبۂ اردو میں رائج کر سکیں (ص 149)۔ 6 اکتوبر 1945 کو لکھا 'املا کے متعلق جو ہدایتیں آپ نے بھیجی تھیں وہ چھپنے کے لیے دے دی ہیں۔' (ص 151)

مولوی عبدالحق کے اردو ٹائپ اور اصلاحِ املا سے متعلق خیالات یہاں پیش کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مولوی صاحب ان مسائل کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور انجمن کی املا کمیٹی کی تجاویز کا ایک بڑا حصہ ٹائپ کی تیز طباعت اور اس میں آسانیاں پیدا کرنے کے خیال کے ماتحت تھا جس سے کچھ خرابیاں بھی پیدا ہوئیں۔ عبدالستار صدیقی صاحب بھی اس

کے موید تھے اور وجہ غالباً یہ ہوگی کہ صدیقی صاحب اپنے قیامِ یورپ میں دیکھ چکے ہوں گے کہ ٹائپ کی چھپائی سے زبانوں کی اشاعت و ترویج میں کتنی آسانی اور تیزی آجاتی ہے۔ اسی نیک نیتی سے انھوں نے اردو کو بھی اسی رستے پر ڈالنا چاہا۔

☆ ماحصل

ان بزرگوں کے خلوص، محنت اور اردو زبان سے محبت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا جاسکتا لیکن ان تجاویز میں سے بعض سو (100) سال قبل پیش کی گئی تھیں اور اب نہ وہ مسائل رہے، نہ وہ علمی حالات اور نہ اردو زبان کا وہ معیار۔ ادب اور زبان بھی کساد بازاری کا شکار ہے اور قاری یا سہل پسند ہوگیا ہے یا سماجی ذرائع ابلاغ یعنی سوشل میڈیا کا دلدادہ۔ اب ہمیں معروضی فکر کے ساتھ اردو املا کے مسائل اور مباحث پر غور کرتے ہوئے آج کے دور میں اردو زبان کے استعمال اور معیار میں عمومی زوال اور اردو پڑھنے والوں کی مشکلات نیز کمپیوٹر کی آسانیوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

اوپر پیش کی گئی بعض تجاویز اور اس طالب علم کی معروضات میں سے بھی بعض باہم متصادم ہیں اور ہماری اجتماعی فکر میں بھی تضادات نظر آتے ہیں، مثلاً کبھی ہم لفظ کی اصل اور اشتقاق پر زور دیتے ہیں اور کبھی رواج اور چلن کی پابندی کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں، کبھی املا کو آسان بنانے کی سوچتے ہیں لیکن عربی و فارسی کے حروفِ تہجی اور ان کے املا کو برقرار بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اردو میں اردو کا استعمال سند ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ عربی یا فارسی میں ایسے نہیں لکھا جاتا۔ ہم فارسی کی بھی پابندی کرنا چاہتے ہیں اور اردو کے تلفظ کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔ کبھی ہمیں کسی لفظ یا محاورے کی اصلیت کا خیال آتا ہے اور ہم زبان کو خالص رکھنا چاہتے ہیں لیکن کبھی غلط العام فصیح کا سہارا لے کر بڑی بڑی باتوں کی طرف سے آنکھیں بند بھی کر لیتے ہیں۔ کبھی عربی املا پر اَڑ جاتے ہیں اور کبھی اردو کے تصرفات کو جائز مان کر تبدیل شدہ املا کو قبول کر لیتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کے اور تضادات کوئی عجیب بات اس لیے نہیں ہے کہ خود زبان کسی اصول کے تحت نہیں بنتی۔ جیسا کہ جدید لسانیات کا بھی کہنا ہے زبان arbitrary یعنی من مانی خود اختیاری یا الل ٹپ ہوتی ہے۔ زبان میں بعض بے قاعدگیوں کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ پہلے کسی زبان کی قواعد، صرف و نحو اور املا و استعمال کے اصول بنالیں اور پھر

زبان کا استعمال شروع ہو۔ زبان پہلے بنتی ہے اور بعد میں اس کے استعمال پر غور کر کے کچھ لوگ اس کی قواعد اور استعمال وغیرہ کے اصول طے کرتے ہیں ۔ اور پھر اردو جیسی زبان جو ہے تو خالصتاً مقامی، یعنی برِعظیم پاک و ہند اس کی جنم بھومی ہے لیکن جس کے ذخیرۂ الفاظ میں کئی زبانوں کے الفاظ، محاورات، ضرب الامثال اور مرکبات شامل ہیں جس نے اس کی رنگارنگی میں اضافہ کر دیا ہے اور، کسی حد تک، مشکلات میں بھی۔

بہ ہر حال، ان مسائل پر گفتگو جاری رہنی چاہیے اور افہام و تفہیم سے اور جدید لسانیات کی روشنی میں ان امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہنا چاہیے۔

حواشی:

١ اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 1998)، ص 13-12 (دوسرا اڈیشن)۔

٢ اصلاحِ رسمِ خط، مشمولہ اردو (سہ ماہی)، دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، جنوری 1944، ص 103۔

٣ ایضاً۔

٤ ایضاً، ص 111-110

٥ سیّد یوسف بخاری دہلوی، یارانِ رفتہ (کراچی: مکتبۂ اسلوب، 1987)، ص 105؛ نیز محمد اسلم، خفتگانِ خاکِ لاہور (لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، 1993)، ص 272۔

٦ کسریٰ منہاس، مورخینِ لاہور، مشمولہ نقوش، لاہور، لاہور نمبر، شمارہ 92، فروری 1962، ص 1010۔

٧ نصر اللہ خان، کیا قافلہ جاتا ہے (کراچی: مکتبۂ تہذیب و فن، 1984)، ص 60۔

٨ ایضاً۔

٩ کسریٰ منہاس، مورخینِ لاہور، نقوش، لاہور نمبر، محولۂ بالا، ص 1010۔

١٠ ایضاً۔

١١ کیا قافلہ جاتا ہے، محولۂ بالا، ص 61۔

١٢ ایضاً، ص 62۔

١٣ ایضاً، ص 63۔

١٤ یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 105۔

١٥ سیّد ہاشمی فرید آبادی مرحوم، مشمولہ اردو نامہ، ترقی اردو بورڈ [اردو لغت بورڈ]، کراچی، شمارہ 20، اپریل تا جون 1965، ص 49؛ ادارتی نوٹ کے مطابق یہ خود نوشت حالات اس سے پہلے نومبر،

دسمبر 1964 کے قومی زبان (کراچی) کے شمارے میں شائع ہوئے تھے۔

١٦ ایضاً؛ لیکن کسریٰ منہاس کے مطابق پنشن پر ریٹائر ہوکر 1939 میں انجمن کے دہلی کے دفتر میں بطور جوائنٹ سکریٹری کام کرتے رہے، دیکھیے: مورخینِ لاہور، مشمولہ نقوش لاہور نمبر، محولۂ بالا، ص 1010۔

١٧ کسریٰ منہاس، محولۂ بالا۔

١٨ ایضاً۔

١٩ کیا قافلہ جاتا ہے، محولۂ بالا، ص 63۔

٢٠ یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 115۔

٢١ یادِ رفتگاں، جلد 2 (مرتبہ طالب الہاشمی)، (لاہور: البدر پبلی کیشنز، 1986)، ص 36۔

٢٢ چند اکابر چند معاصر (کراچی: ادارۂ نگارش و مطبوعات، 1977)، ص 148۔

٢٣ سید یوسف بخاری دہلوی، یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 106۔

٢٤ جلیل قدوائی، چند اکابر چند معاصر، محولۂ بالا، ص 149۔

٢٥ یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 117۔

٢٦ تفصیلات مختلف مآخذ میں ہیں، مثلاً: نصر اللہ خان، کیا قافلہ جاتا ہے، محولۂ بالا، ص 63؛ نیز یوسف بخاری دہلوی، یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 133؛ جلیل قدوائی، چند اکابر چند معاصر، محولۂ بالا، ص 150۔

٢٧ یوسف بخاری دہلوی، یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 131؛ نیز جلیل قدوائی، چند اکابر چند معاصر، محولۂ بالا، ص 150۔

٢٨ یوسف بخاری دہلوی، یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 137؛ نیز محمد اسلم، خفتگانِ خاکِ لاہور، محولۂ بالا، ص 272۔ نیز مالک رام نے تذکرۂ ماہ و سال میں تاریخِ وفات 26 جولائی لکھی ہے جو درست نہیں، (دہلی: مکتبۂ جامعہ، 1991) ص 412۔

٢٩ سید ہاشمی فرید آبادی کی تصانیف، تالیفات، مقالات و تراجم کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: یوسف بخاری دہلی، یارانِ رفتہ، محولۂ بالا، ص 42-138؛ نیز اشاریۂ اردو، مرتبہ سرفراز علی رضوی (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، 1976)، ص 38-136؛ اس کے علاوہ سید ہاشمی کی تصنیفات و تالیفات، مقالات اور منظومات کی ایک فہرست اردو نامہ (کراچی) کے شمارے (محولۂ بالا) میں ان کے خودنوشت حالات کے ساتھ بھی شائع ہوئی تھی۔

٣٠ سید ہاشمی فرید آبادی، تجویزِ اصلاحِ رسمِ خط، مشمولہ اردو (سہ ماہی)، جولائی 1921، اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو، ص 469۔

٣١ دیکھیے: سید ہاشمی فرید آبادی، اصلاحِ رسمِ خط: ابتدائی تجاویز اور رسمِ خط کے متعلق چند تجاویز، مشمولہ اردو (سہ ماہی)، جنوری 1944، دہلی: انجمن ترقی اردو، ص 20-103

٣٢ دیکھیے: اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: ترقی اردو بورڈ، 1977)، ص ض۔

۳۳ مثلاً مسعود حسین خاں نے اس کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: مقالاتِ مسعود (دہلی: ترقی اردو بیورو، 1989)، ص 18-19
۳۴ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول، محولۂ بالا، ص 'ض'۔
۳۵ لسانیاتی مباحث (کراچی: فضلی سنز، 2015)۔
۳٦ تفصیلات کے لیے: ماریو پے (Mario Pei)، The Story of Language، (نیویارک: نیو امریکن لائبریری، 1966)، ص 101-02
۳۷ رحمت قطبی، علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مشمولہ نقوش، شخصیات نمبر، ج اول، 1955، ص 247۔
۳۸ ایضاً، ص 245۔
۳۹ یادِ رفتگاں، ج 2 محولۂ بالا، ص 33-34
۴۰ ایضاً، ص 43۔
۴۱ اسمٰعیل پانی پتی، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مشمولہ نقوش، لاہور نمبر، شمارہ 92، فروری 1962، ص 941؛ نیز مرزا خلیل احمد بیگ، ہندوستانی ادب کے معمار: پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی (دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1989)، ص 13۔
۴۲ عابد علی عابد، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مشمولہ نقوش، لاہور نمبر، محولۂ بالا، ص 1070۔
۴۳ اسمٰعیل پانی پتی، نقوش لاہور نمبر، محولۂ بالا، ص 941؛ نیز عابد علی عابد، نقوش لاہور نمبر، محولۂ بالا، ص 1070؛ نیز رحمت قطبی، نقوش شخصیات نمبر، محولۂ بالا، ص 248۔
۴۴ مرزا خلیل بیگ، ہندوستانی ادب کے معمار: پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، محولۂ بالا، ص 15۔
۴۵ مالک رام، وہ صورتیں الٰہی (دہلی: مکتبۂ جامعہ، 1974)، ص 114۔
۴٦ مرزا خلیل بیگ، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، محولۂ بالا، ص 15۔
۴۷ وہ صورتیں الٰہی، محولۂ بالا، ص 114۔
۴۸ مالک رام نے مزید تفصیلات بھی دی ہیں، دیکھیے: وہ صورتیں الٰہی، ص 109-15۔
۴۹ مرزا خلیل بیگ، محولۂ بالا، ص 21۔
۵۰ ایضاً، ص 16۔
۵۱ ایضاً، ص 23۔
۵۲ ایضاً، ص 23-24
۵۳ ایضاً، ص 24۔
۵۴ ایضاً، ص 28؛ نیز اسمٰعیل پانی پتی، نقوش، لاہور نمبر، محولۂ بالا، ص 941۔
۵۵ خورشید احمد خان یوسفی (مرتب)، خمخانۂ جاوید، جلد ششم (مصنفہ لالہ سری رام)، عرضِ مرتب (اسلام آباد:

مقتدرہ قومی زبان، 1990)، ص40۔

۵۶۔ ایضاً، ص43۔

۵۷۔ ایضاً، ص44۔

۵۸۔ تفصیلات کے لیے: مرزا خلیل بیگ، محولۂ بالا، ص145-50؛ اسمٰعیل پانی پتی، محولۂ بالا، ص941؛ مالک رام، وہ صورتیں الٰہی، محولۂ بالا، ص121۔

۵۹۔ کیفیہ (لاہور: مکتبہ معین الادب، 1950)، ص62 (طبعِ دوم)۔

۶۰۔ تنقیدی افکار (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، 2004)، ص225-26 (دوسرا اڈیشن)۔

۶۱۔ مقالاتِ مسعود، (دہلی: ترقی اردو بیورو، 1989)، ص188۔

۶۲۔ ایضاً، ص188-89۔

۶۳۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے عطش درانی صاحب کی کتاب: اردو اطلاعیات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2008)، ص22-41

۶۴۔ نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت (لکھنؤ: راجا رام کمار بک ڈپو، 1957)، ص996۔

۶۵۔ مالک رام، تذکرۂ معاصرین، ج2 (دہلی: مکتبۂ جامعہ، 1976)، ص162۔

۶۶۔ (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 2003)، ص17۔

۶۷۔ دیکھیے: اردو (سہ ماہی)، کراچی، شمارہ ا، 1985، ص121-50۔

۶۸۔ دیکھیے: خطوطِ مشاہیر بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب (مرتبہ نیر مسعود)، (لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، 1985)، ص298۔ حاشیے میں نیر مسعود لکھتے ہیں: "مکتوب الیہ یائے مجہول کو جب اس سے پہلے کا حرف مفتوح ہوتا تھا نصف لکھتے تھے، مثلاً ہے، نے وغیرہ۔ باقی صورتوں میں بازگشتی۔"

۶۹۔ مرزا خلیل بیگ، ہندوستانی ادب کے معمار: پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، محولۂ بالا، ص105۔

۷۰۔ غلام مصطفیٰ خاں، جامع القواعد، حصۂ دوم (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1973)، ص186۔

۷۱۔ چند اکابر چند معاصر، محولۂ بالا، حاشیہ ص35۔

۷۲۔ ملاحظہ ہو: اشاریۂ اردو (مرتبہ سید سرفراز علی رضوی) (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 1976)، ص136۔

۷۳۔ دیکھیے: نفسیاتِ ترغیب (اعظم گڑھ: مطبع معارف، سالِ اشاعت ندارد)۔

۷۴۔ نفسیاتِ ترغیب، محولۂ بالا، ایضاً، ص3۔

۷۵۔ ایضاً۔

۷۶۔ علمی نقوش (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، سن ندارد)، ص145۔

۷۷۔ تفصیلات کے لیے: تحسین فراقی، عبد الستار صدیقی: نامور ماہرِ لسانیات، تہ رس محقق، مشمولہ مقالاتِ عبد الستار صدیقی، جلد دوم (مرتبہ ساجد صدیق نظامی) (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، 2015)؛ نیز

مقصود احمد، پروفیسر عبدالستار صدیقی: حیات اور کارنامے، (ترجمانی محمود حسن الہ آبادی)، مشمولہ معارف، فروری 2015، ص 54-137۔

۷۸۔ دیکھیے فراقی صاحب کا مضمون، مشمولہ مقالاتِ صدیقی، محولۂ بالا، ص 6۔

۷۹۔ ملاحظہ ہوں عبدالستار صدیقی کے خط بنام سید عبداللہ، نوادر المکاتیب، مشمولہ اردو نامہ، کراچی، مارچ 1973 شمارہ 45-44، ص 88-38۔

۸۰۔ مشمولہ مقالاتِ صدیقی، مرتبہ مسلم صدیقی (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، 1983)، ص ز، ح۔

۸۱۔ زہیر صدیقی، ابا جان، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان (کراچی)، جولائی 1973 شمارہ ا، جلد 42، ص 12-3

۸۲۔ دیکھیے شوکت سبزواری کا مضمون بعنوان ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم اور ان کی لسانی تحقیقات، مشمولہ اردو نامہ (سہ ماہی)، کراچی، شمارہ 45-44، مارچ 1973، ص 30۔

۸۳۔ ایضاً، ص 31-30۔

۸۴۔ دیکھیے: معارف میں مطبوعہ مقصود احمد کا مقالہ بعنوان پروفیسر عبدالستار صدیقی: حیات اور کارنامے، (ترجمانی محمود حسن الہ آبادی)، محولۂ بالا۔

۸۵۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: مظہر محمود شیرانی، احوال واقعی، مشمولہ معربات رشیدی، (کراچی: ادارۂ یادگار غالب، 2003)، ص 20-5 ؛ معربات رشیدی کے مصنف کے بارے میں مشفق خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ: 'سید عبدالرشید گیارھویں صدی ہجری کا بہت بڑا فرہنگ نویس تھا۔ وہ ٹھٹھہ (صوبہ سندھ) کا رہنے والا تھا اور منتخب اللغات (عربی۔فارسی) اور فرہنگ رشیدی (فارسی-فارسی) جیسی بلند پایہ اور مستند فرہنگوں کا مولف تھا۔ معربات رشیدی میں مختلف زبانوں خصوصاً فارسی زبان کے وہ الفاظ مع معنی درج کیے جو عربی زبان میں داخل ہو کر اسی کا جزو بن چکے ہیں'، ملاحظہ کیجیے: معربات رشیدی، محولۂ بالا، عقبی سرورق۔

۸۶۔ سہ ماہی اردو (اورنگ آباد)، انجمن ترقی اردو ہند، جلد سوم، حصہ دوازدہم، اکتوبر 1923 ص 581۔

۸۷۔ ملاحظہ کیجیے: اردو (سہ ماہی)، جنوری 1944، دہلی: انجمن ترقی اردو، ص 20-103۔

۸۸۔ یہ ان تجاویز کا اجمال ہے جو مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی) کے پہلے مقالے بعنوان اردو املا میں تفصیل سے دی گئی ہیں (ص 19-1)۔ یہی مقالہ پہلے 1931 میں شائع ہوا تھا اور پھر مقالاتِ عبدالستار صدیقی (جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور) میں شامل ہوا۔

۸۹۔ مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی)، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، 1983)، ص 19-1

۹۰۔ ملاحظہ کیجیے: نوادر المکاتیب، اردو نامہ (سہ ماہی) کراچی، شمارہ 44، مارچ 1973، ص 88-38۔

۹۱۔ تحقیق (تحقیقی مجلہ)، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ 13-12، 99-1998، ص 64-612۔

۹۲۔ اردو املا محولۂ بالا، ص 29-28۔

۹۳ ایضاً،ص117-23۔
۹۴ ملاحظہ کیجیے: سفارشاتِ املا و رموزِ اوقاف (مرتبہ اعجاز راہی) (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1986)؛ نیز سفارشاتِ اردو املا 2022 (مرتبہ رؤف پاریکھ، انجم حمید و دیگر) (اسلام آباد: ادارۂ فروغ قومی زبان، 2022)۔
۹۵ اردو املا، محولۂ بالا، ص57۔
۹۶ ایضاً،ص59-58۔
۹۷ لغاتِ روزمرہ، (کراچی: آج، 2003) ص229 (دوسرا ایڈیشن)۔
۹۸ ایضاً،ص230۔
۹۹ دیکھیے: شہاب الدین ثاقب کی کتاب: بابائے اردو مولوی عبدالحق: حیات اور علمی خدمات (کراچی: انجمن ترقیِ اردو پاکستان، 1985) ص19-15۔
۱۰۰ ایضاً،ص20۔
۱۰۱ ایضاً،ص25۔
۱۰۲ ایضاً،ص33-29۔
۱۰۳ سید ہاشمی فرید آبادی، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقیِ اردو، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 1987) ص20-19 (اشاعتِ ثانی)۔
۱۰۴ ایضاً،ص21-20۔
۱۰۵ شہاب الدین ثاقب، بابائے اردو مولوی عبدالحق، محولۂ بالا، ص35۔
۱۰۶ تفصیلات: ایم حبیب خان، مولوی عبدالحق اور انجمن ترقی اردو کا دلّی میں ورود، مشمولہ مولوی عبدالحق: ادبی اور لسانی خدمات، جلد اول (مرتبہ خلیق انجم)، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 1992)، ص79-73۔
۱۰۷ شہاب الدین ثاقب، بابائے اردو مولوی عبدالحق، محولۂ بالا، ص36-35؛ نیز ایم حبیب خان، مولوی عبدالحق اور انجمن ترقی اردو کا دلی میں ورود، مشمولہ مولوی عبدالحق: ادبی اور لسانی خدمات، جلد اول، (مرتبہ خلیق انجم) محولۂ بالا، 73۔
۱۰۸ سید ہاشمی فرید آبادی، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، محولۂ بالا، ص75-174۔
۱۰۹ ایضاً،ص229۔
۱۱۰ تفصیلات کے لیے دیکھیے مولوی عبدالحق کی کتاب: انجمن ترقی اردو کا المیہ (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 2002)؛ نیز اس کی ابتدا میں جمیل الدین عالی نے بھی کچھ متعلقہ حالات واقعات بیان کیے ہیں؛ نیز ملاحظہ ہو شجاع احمد زیبا کا مضمون مولوی عبدالحق اور اردو کالج کراچی، مشمولہ مولوی عبدالحق: ادبی اور لسانی خدمات، جلد اول، (مرتبہ خلیق انجم) محولۂ بالا، ص84-143۔

۱۱۱ جمیل الدین عالی، حرفے چند (دیباچہ)، مشمولہ انجمن ترقی اردو کا المیہ، محولہ بالا، ص 17۔
۱۱۲ شہاب الدین ثاقب، محولہ بالا، ص 37۔
۱۱۳ شہاب الدین ثاقب، محولہ بالا، ص 41۔
۱۱۴ دیکھیے ضیاء الدین انصاری کا مضمون: بابائے اردو کے رسالے، مشمولہ مولوی عبدالحق: ادبی اور لسانی خدمات، جلد اول، (مرتبہ خلیق انجم)، محولہ بالا، ص 25-100۔
۱۱۵ مرتبہ سرفراز علی رضوی، محولہ بالا، ص 94-79۔
۱۱۶ شہاب الدین ثاقب، محولہ بالا، ص 52-245۔
۱۱۷ آمنہ صدیقی (مرتب)، افکارِ عبدالحق (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1962)، ص 'ج'۔
۱۱۸ کتابیاتِ اردو املا اور دوسرے مسائل (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1986)۔
۱۱۹ مشمولہ ہندستانی زبان کا مسئلہ، رسالہ زمانہ کانپور سے انتخاب 1903 سے 1942 (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1995) ص 91-90۔
۱۲۰ مقدمات عبدالحق (مرتبہ عبادت بریلوی) دہلی: اعتقاد پبلی کیشنز، 1972، ص 205۔
۱۲۱ جلیل قدوائی (مرتب)، مکتوبات عبدالحق، (کراچی: مکتبۂ اسلوب، 1963) ص 206۔
۱۲۲ قدیم اردو (کراچی: انجمن ترقی اردو، 1961)، ص 196۔
۱۲۳ تنقیداتِ عبدالحق (مرتبہ محمد تراب علی خاں باز)، (لاہور: ایسٹرن بک، 1945)، ص 13 (طبع چہارم)۔
۱۲۴ مکتوباتِ بابائے اردو بنام پیر حسام الدین راشدی، قومی زبان (ماہ نامہ)، کراچی، بابائے اردو نمبر، اگست 1964، ص 50-249۔
۱۲۵ جلیل قدوائی (مرتب)، مکتوباتِ عبدالحق، محولہ بالا، ص 47۔

مآخذ:

الف: کتب

1- احمد، مختار الدین، علمی مکتوبات، مشمولہ تحقیق (تحقیقی مجلہ)، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ 13-12، 99-1998۔
2- احمد، مقصود، پروفیسر عبدالستار صدیقی: حیات اور کارنامے، (ترجمانی محمود حسن الہٰ آبادی)، مشمولہ معارف، فروری 2015۔
3- احمد، منہاج الدین، نفسیاتِ ترغیب، اعظم گڑھ: مطبع معارف، سال اشاعت ندارد۔
4- اسلم، محمد، خفتگانِ خاکِ لاہور، لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، 1993۔
5- انصاری، ضیاء الدین، بابائے اردو کے رسالے، مشمولہ مولوی عبدالحق: ادبی اور لسانی خدمات، جلد

اول،(مرتبہ خلیق انجم)،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،1992۔
6- بیگ،مرزا خلیل احمد،پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی،دہلی:ساہتیہ اکیڈمی،1989۔
7- پاریکھ،رؤف(مرتب باشتراک دیگر مرتبین)سفارشاتِ اردو املا 2022 اسلام آباد:ادارۂ فروغ قومی زبان،2022۔
8- پاریکھ،رؤف،لسانیاتی مباحث،کراچی:فضلی سنز،2015۔
9- پانی پتی،اسمٰعیل،پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی،مشمولہ نقوش،لاہور،لاہور نمبر،شمارہ 92،فروری 1962۔
10- پے۔ماریو (Pei, Mario)، The Story of Languhae ، نیویارک: نیو امریکن لائبریری،1966۔
11- ثاقب،شہاب الدین۔بابائے اردو مولوی عبدالحق:حیات اور ادبی خدمات،کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،1985۔
12- خان،ایم حبیب،مولوی عبدالحق اور انجمن ترقی اردو کا دلّی میں ورود،مشمولہ مولوی عبدالحق:ادبی اور لسانی خدمات،جلد اول(مرتبہ خلیق انجم)،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،1992۔
13- خاں،رشید حسن،اردو املا،دہلی:قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،1998(دوسرا اڈیشن)۔
14- خاں،رشید حسن،اردو املا کے چند اہم مسائل،مشمولہ اردو(سہ ماہی)،کراچی،شمارہ ا،1985۔
15- خاں،رشید حسن،کلاسکی ادب کی فرہنگ،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،2003۔
16- خاں،غلام مصطفیٰ،جامع القواعد،حصۂ دوم،لاہور:اردو سائنس بورڈ،1973۔
17- خاں،غلام مصطفیٰ،علمی نقوش،کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،سن ندارد۔
18- خاں،مسعود حسین،مقالاتِ مسعود،دہلی:ترقی اردو بیورو، 1989۔
19- خان،نصر اللہ،کیا قافلہ جاتا ہے،کراچی:مکتبۂ تہذیب وفن،1984۔
20- درانی،عطش،اردو اطلاعیات،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،2008۔
21- دہلوی،سید یوسف بخاری،یارانِ رفتہ،کراچی:مکتبۂ اسلوب،1987۔
22- رام،مالک،تذکرۂ ماہ وسال،دہلی:مکتبۂ جامعہ،1991۔
23- رام،مالک،تذکرۂ معاصرین،ج ۲،دہلی:مکتبۂ جامعہ،1976۔
24- رام،مالک،وہ صورتیں الٰہی،دہلی:مکتبۂ جامعہ،1974۔
25- راہی،اعجاز،سفارشاتِ املا ورموزِ اوقاف،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،1986۔
26- رضوی،سید سرفراز علی،اشاریۂ اردو،کراچی:انجمن ترقی اردو،1976۔
27- زیبا،شجاع احمد،مولوی عبدالحق اور اردو کالج کراچی،مشمولہ مولوی عبدالحق:ادبی اور لسانی خدمات،جلد اول،(مرتبہ خلیق انجم)،دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،1992۔

28- سبزواری، شوکت، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم اور ان کی لسانی تحقیقات، مشمولہ اردو نامہ (سہ ماہی)، کراچی، شمارہ 45-44، مارچ 1973ء۔
29- شاہ جہاں پوری، ابو سلمان، کتابیاتِ اردو املا اور دوسرے مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1986ء۔
30- شیرانی، مظہر محمود (مرتب)، احوالِ واقعی، مشمولہ معربات رشیدی، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، 2003ء۔
31- صدیقی، آمنہ (مرتب)، افکارِ عبدالحق، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1962ء۔
32- صدیقی، زہیر، ابا جان، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان (ماہ نامہ)، کراچی، جولائی 1973، شمارہ ا، جلد 42ء۔
33- صدیقی، عبدالستار، اردو رسم خط میں اصلاح، مشمولہ اردو (سہ ماہی)، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو (ہند)، جلد سوم، حصہ دوازدہم، اکتوبر 1923، ص 581ء۔
34- صدیقی، عبدالستار، رودادِ مجلس (کمیٹی اصلاحِ رسمِ خط)، مشمولہ اردو (سہ ماہی)،، دہلی: انجمن ترقی اردو، جنوری 1944ء۔
35- صدیقی، عبدالستار، مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی)، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، 1983ء۔
36- صدیقی، عبدالستار، مقالاتِ عبدالستار صدیقی (جلد دوم) (مرتبہ ساج صدیق نظامی)، لاہور: مجلس ترقی ادب، 2015ء۔
37- صدیقی، عبدالستار (مرتب)، معرباتِ رشیدی (مصنفہ عبدالرشید ٹھٹھوی)، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، 2003ء۔
38- عابد، عابد علی، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مشمولہ نقوش، لاہور نمبر، فروری 1962ء۔
39- عالی، جمیل الدین (دیباچہ) انجمن ترقی اردو کا المیہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، 2002 (اشاعتِ ثانی)
40- عبدالحق، مولوی، انجمن ترقی اردو کا المیہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، 2002 (اشاعتِ ثانی)
41- عبدالحق، مولوی، تنقیداتِ عبدالحق (مرتبہ محمد تراب علی خاں باز)، (لاہور: ایسٹرن بک، 1945)، (طبع چہارم)۔
42- عبدالحق، مولوی، رسمِ خط، مشمولہ ہندستانی زبان کا مسئلہ، رسالہ زمانہ کانپور سے انتخاب 1903 سے 1942، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1995ء۔
43- عبدالحق، مولوی، قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو، 1961ء۔
44- عبدالحق، مولوی، مقدماتِ عبدالحق (مرتبہ عبادت بریلوی) دہلی: اعتقاد پبلی کیشنز، 1972ء۔
45- عبدالحق، مولوی، مکتوبات بابائے اردو بنام پیر حسام الدین راشدی، قومی زبان (ماہ نامہ)، کراچی، بابائے اردو نمبر، اگست 1964ء۔
64- عبدالحق، مولوی، مکتوبات عبدالحق (مرتبہ جلیل قدوائی)، کراچی: مکتبۂ اسلوب، 1963ء۔

47- عبداللہ، سید، نوادر المکاتیب، مشمولہ اردو نامہ (سہ ماہی)، کراچی، مارچ 1973، شمارہ 45-44۔
48- فاروقی، شمس الرحمٰن، تنقیدی افکار، دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، 2004 (دوسرا اڈیشن)۔
49- فاروقی، شمس الرحمٰن، لغاتِ روزمرہ، کراچی: آج، 2003 (دوسرا ایڈیشن)۔
50- فراقی، تحسین، عبدالستار صدیقی: نامور ماہر لسانیات، تہہ رس محقق، مشمولہ مقالاتِ عبدالستار صدیقی، جلد دوم (مرتبہ ساجد صدیق نظامی)، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، 2015۔
51- فرید آبادی، سید ہاشمی، اصلاحِ رسمِ خط، مشمولہ اردو (سہ ماہی)، جنوری 1944، دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)۔
52- فرید آبادی، سید ہاشمی، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 1987، (اشاعتِ ثانی)۔
53- فرید آبادی، سید ہاشمی، تجویزِ اصلاحِ رسمِ خط، مشمولہ اردو (سہ ماہی)، اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو، جولائی 1921۔
54- فرید آبادی، سید ہاشمی، خودنوشت حالات، اردو نامہ (سہ ماہی)، کراچی، شمارہ 20، اپریل تا جون 1965۔
55- قدوائی، جلیل، چند اکابر چند معاصر، کراچی: ادارۂ نگارش و مطبوعات، 1977۔
56- قطبی، رحمت، علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مشمولہ نقوش، لاہور، شخصیات نمبر، ج اول، 1955۔
57- کیفی، پنڈت برج موہن دتاتریہ، کیفیہ، لاہور: مکتبہ معین الادب 1950 (طبع دوم)۔
58- کیفی، پنڈت برج موہن دتاتریہ، منشورات، لاہور: مکتبہ معین الادب، 1950۔
59- ماہر القادری، یادِ رفتگاں، جلد 2 (مرتبہ طالب الہاشمی)، لاہور: البدر پبلی کیشنز، 1986۔
60- مسعود، نیر (مرتب)، خطوطِ مشاہیر بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، 1985۔
61- منہاس، کسریٰ، مورخینِ لاہور، مشمولہ نقوش، لاہور، لاہور نمبر، شمارہ 92، فروری 1962۔
62- نجم الغنی رام پوری، بحر الفصاحت، لکھنؤ: راجا رام کمار بک ڈپو، 1957۔
63- یوسفی، خورشید احمد خان (مرتب)، خمخانہ جاوید (مصنفہ لالہ سری رام)، جلد ششم، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1990۔

ب۔ حوالہ جاتی کتاب

1- اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول، کراچی: ترقی اردو بورڈ، 1977۔

✡✡✡

سفارشاتِ اُردو املا: انجمن ترقی اردو (ہند)

اردو زبان کو سائنٹفک اصولوں کے تحت عام فہم بنانے کے لیے وہ املائی اصول پیش نظر رکھنے ہوں گے جن سے اردو زبان کی قرأت اور صحیح مفہوم کی ادائیگی میں مدد مل سکے۔ یہاں ان الفاظ کی ایک فہرست دی جا رہی ہے جن میں املا کا اختلاف ہے۔ ہم کسی لفظ کی صورت میں تغیر یا تبدیلی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح کر رہے ہیں، اور ایسی صورت میں ہمیں کوشش کرنا ہے کہ اختلافات زیادہ سے زیادہ ختم کیے جائیں، اور ابتدائی درسی کتابیں جو بچوں کے ذہنوں پر ابتدائی نقش مرتب کرتی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ سائنٹفک ہوں۔ یہ بات تو طے ہے کہ نقص اور خامی ہر زبان میں پائی جاتی ہے اس لیے زبان کے حروفِ تہجی میں یا املا میں کسی انقلابی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے اور نہ کسی انتشار اور الجھن میں اضافہ مقصود ہے، البتہ اصلاحِ املا کے لیے ان الفاظ کی صحیح صورت یہاں درج کی جا رہی ہے جن کی مکتوبی صورت میں اختلاف در آیا ہے۔ انجمن کی کمیٹی کے ذریعے درج ذیل املا کو مرجح قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام اصطلاحات استاد اور اسکالروں کے خیالات کا عکس ہیں۔ تفصیلِ مباحث اس میں درج نہیں کیے جا رہے ہیں کیوں کہ اگلے اوراق میں اساتذہ کے مضامین میں یہ ساری بحثیں شامل ہیں۔ اس اندراج سے فہرست سازی مقصود نہیں اور نہ ممکن ہے، یہ محض ان لفظوں کی ناتمام فہرست ہے جس میں غلط نگاری کا عام چلن ہے۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے ذریعے پیش کردہ سفارشات رشید حسن خاں کے مرتب کردہ اصول و قواعد سے اخذ کی گئی ہیں اور اس سے اکتساب کی وجہ یوں رہی ہے کہ رشید حسن خاں نے

اکثر وبیش تر انھیں طریقہ ہاے املا کو پیش نظر رکھا ہے جس پر انجمن کی 1944 کی تشکیل کردہ کمیٹی کا اصرار تھا، تاہم اس املا کے اکتساب میں کیا اصول کارفرما رہے ہیں اسے فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے کیوں کہ آئندہ اوراق میں اس کی بحث شامل ہے نیز مزید وضاحت کے لیے رشید حسن کی کتاب 'اردو املا' بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی از حد ضروری ہے کہ اگلے اوراق میں ادارۂ فروغ اردو اسلام آباد، پاکستان کی جانب سے جو سفارشات رؤف پاریکھ صاحب اور دیگر حضرات نے مرتب کی ہیں ان میں سے چند پر انجمن کا اختلاف ہے جسے اس فہرست میں واضح کردیا گیا ہے۔

درج ذیل فہرست لفظوں کی مروج اور مرجح صورت پیش کررہی ہے۔جن کا املا رائج ہوچکا ہے وہ الفاظ 'مروج' کے خانے میں درج ہیں نیز صحیح املا کی صورت 'مرجح' کے خانے میں درج ہے:

مروّج	**مرجّح**
بھروسہ	بھروسا
آشکارہ	آشکارا
معمہ	معما
ادنیٰ	ادنا
اعلیٰ	اعلا
دعویٰ	دعوا
مدعیٰ علیہ	مدعا علیہ
ماویٰ	ماوا
مولیٰ	مولا
مولیٰنا	مولانا
علیٰحدہ	علاحدہ، علاحدگی
رحمٰن	رحمان
سلیمٰن	سلیمان

نوٹ: یہاں ناموں کے ساتھ استثنائی صورت روا رکھی گئی ہے۔انھیں ویسے ہی لکھنے کی گنجائش ہے جیسے عربی میں مستعمل ہیں مثلاً لیلیٰ، عیسیٰ، موسیٰ، عاشورہ وغیرہ نیز عربی کے مرکبات جو اردو

میں مستعمل ہیں انھیں ان کی اصل شکل کے مطابق ہی لکھا جائے تو بہتر ہوگا مثلاً: علیٰ ہذا القیاس، حتیٰ الامکان وغیرہ۔

بارات	برات
داوات	دوات
دوکان	دکان
لئے	لیے
دیجئے	دیجیے
کیجئے	کیجیے
اے لڑکوں	اے لڑکو!
اژدحام	ازدحام
گزشتہ	گذشتہ
گذارش	گزارش
پزیر	پذیر
قصائی	قسائی
مصالحہ	مسالا
عاشورہ	عاشورا
حلوہ	حلوا
طوطا	توتا
انشاءاللہ	ان شاءاللہ
آیے	آیئے
بوئے گل	بوے گل
صلوٰہ	صلات
زکوٰۃ	زکات
استعفیٰ	استعفا
اعلیٰ، ادنیٰ	اعلا، ادنا

علیحدہ	علاحدہ
ہندوستان	ہندستان
بھرحال	بہرحال
انہیں	انھیں
تہمارا	تمھارا
گائے	گاے
چائے	چاے
ترقی اردو	ترقیِ اردو
شادابی چمن	شادابیِ چمن
زندگانیٔ بےنظیر	زندگانیِ بےنظیر
رعنائی خیال	رعنائیِ خیال
ذخار	زخار
راہ گزر	راہ گذر
تشت	طشت
ٹھہراؤ	ٹھہراو
بہرطور	بہ ہرطور
رسم الخط	رسمِ خط
کیجئے	کیجیے
حالانکہ	حالاں کہ
خودبخود	خود بہ خود
بروئے کار	بہ روے کار
ارتقائے زبان	ارتقاے زبان
بھروسہ	بھروسا
معمہ	معما
بارا	بارہ

دلچسپ	دل چسپ
آئندہ	آیندہ
صورتحال	صورت حال
بے نیل ومرام	بے نیلِ مرام
آشکارہ	آشکارا
اکیلہ	اکیلا
آنولہ	آنولا
کمیاب	کم یاب
اسطرح کہ	اس طرح کہ
شاہکار	شاہ کار
پتہ	پتا
مجھکو	مجھ کو
خاکہ	خاکا
تہہ	تہ

ذیل میں عربی، فارسی اور ترکی کے ان الفاظ کی ایک فہرست دی جارہی ہے جس کے آخر میں ہمزہ نہیں بلکہ الف ہے۔ بعض لفظ ایسے بھی ہیں جن میں الف اور ہ کے استعمال سے معنی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اسے ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ تفصیلی مباحث کے لیے ملاحظہ کیجیے اردو املا از رشید حسن خاں (الف اور ی کی بحث)

معمہ	معما
تماشہ	تماشا
شوربہ	شوربا
حلوہ	حلوا
ناشتہ	ناشتا
عاشورہ	عاشورا
قورمہ	قورما

آشکارہ	آشکارا
خارہ	خارا
ملغوبہ	ملغوبا
سقہ	سقا

نہ (حرفِ نفی کے لیے

نا (حرفِ تاکید کے لیے)

عش عش	اش اش
عبیر وگلال	ابیر وگلال
دلآویز	دل آویز
دلارام	دل آرام
دلازار	دل آزار

ہندی انگریزی اور اردو زبان کے لفظوں کے آخر میں 'الف' اور بقیہ عربی فارسی کے لفظوں کی لیے 'ہائے مختفی' کا استعمال کیا جائے گا۔ عربی و فارسی لفظوں کے علاوہ کسی اور زبان کا لفظ جس کا اختتام الف کی آواز پر ہو رہا ہے اس کے لیے 'ہائے مختفی کی جگہ الف' کا ہی استعمال کیا جائے گا۔ اردو میں الف کا خاص مقام ہے لہٰذا نئے الفاظ کی شمولیت میں بھی محققین نے الف کے استعمال پر زور دیا ہے۔ وہ الفاظ جن کے آخر میں الف اور ہائے مختفی کا استعمال ہوتا ہے:

ڈرامہ	ڈراما
کمرہ	کمرا
پتہ	پتا
دھبہ	دھبا
کونہ	کونا
دھوکہ	دھوکا
کلیجہ	کلیجا
سامنہ	سامنا
مہینہ	مہینا

اجالہ	اجالا
اچکہ	اچکا
اچمبھہ	اچمبھا
انڈہ	انڈا
انگارہ	انگارا
انگوٹھہ	انگوٹھا
بتاسہ	بتاسا
باجرہ	باجرا
بانکہ	بانکا
امام باڑہ	امام باڑا
بیگھہ	بیگھا
دوپٹہ	دوپٹا
خرچہ	خرچا
دریبہ	دریبا
دھاگہ	دھاگا
ڈاکیہ	ڈاکیا
ڈھکوسلہ	ڈھکوسلا
راجہ	راجا
صافہ	صافا
غبارہ	غبارا
گھونسلہ	گھونسلا
لبھوڑہ	لبھوڑا
اٹھائی گیرہ	اٹھائی گیرا
بارہ ماسہ	بارہ ماسا
چوراہہ	چوراہا

روپیہ	روپیا
پیسہ	پیسا

اصول: ہندی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں قصر پایا جاتا ہے وہ اس اصول سے مستثنا ہوں گے اور ان کے تلفظ کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس میں ہائے مختفی کا استعمال کیا جائے مثلاً ساہتیہ اکیڈمی، راشٹریہ بھاشا، شاستریہ سنگیت اور ستیہ جیت رے۔ ان جیسے الفاظ کے علاوہ بقیہ تمام الفاظ میں مندرجہ بالا اصول پیش نظر رہے گا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے اردو املا از رشید حسن خاں۔

تنوین والے الفاظ:

نتیجۃً	نتیجتاً
دفعۃً	دفعتاً
کلیۃً	کلیتاً
واقعۃً	واقعتاً
نسبۃً	نسبتاً

ہمزہ اور ہمزہ کے بغیر والے الفاظ:

ابتداء	ابتدا
انتہاء	انتہا
اجزاء	اجزا
جزء	جز
شئ	شے

انجمن ترقی اردو کی املا کمیٹی نے تائے مدور (ۃ) کو ختم کر کے تائے دراز (ت) برقرار رکھا ہے اس لیے ایسے تمام الفاظ جن کے آخر میں تائے مدور ہوگی اسے تائے دراز سے تبدیل کر دیا جائے گا۔

تائے دراز (ت) والے الفاظ:

صلوٰۃ	صلات
حیوۃ	حیات

زکوٰۃ	زکات
توراۃ	تورات
مشکوٰۃ	مشکات
نجاۃ	نجات

وعلیٰ ہذا القیاس

ط اور ت میں ابہام پیدا کرنے والے الفاظ:

طشت	تشت
طوطا	توتا
طمانچہ	تمانچا/تماچا
رشتے ناطے	رشتے ناتے
طیار	تیار (بمعنی آمدہ)
طلاطم	تلاطم

ذ اور ز والے الفاظ:

گذارش	گزارش
آزر	آذر
آزر پرست	آذر پرست
جزبات	جذبات

آزر (ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام)

ذکریا	زکریا
ذخار	زخار
بزلہ	بذلہ
بزلہ گو	بذلہ گو
بزلہ سنج	بذلہ سنج
دل پزیر	دل پذیر
جہانِ گزراں	جہانِ گذراں

رزیل	رذیل
گزشتہ	گذشتہ
زات	ذات
لزت	لذت
لزیز	لذیذ
گزشتگاہ	گذشتگاہ
گزرگاہِ خیال	گذرگاہِ خیال
راہ گزر	راہ گذر
دل پزیر	دل پذیر
برگذیدہ	برگزیدہ
ناگذیر	ناگزیر

اصول: اردو، عربی، انگریزی کے تمام الفاظ میں ہمیشہ ز لکھا جائے گا۔ ذال عربی اور فارسی لفظوں میں لکھی جائے گی۔

چند متفرق الفاظ:

غیض وغضب	غیظ وغضب
پہونچا	پہنچا
باہیں	بانہیں
سن	سنہ
ڈھونڈنا	ڈھونڈھنا
باٹنا	بانٹنا
نگہت	نکہت
سونچنا	سوچنا
پونچھنا	پوچھنا
چونچلا	چوچلا
پانوں	پاؤں

گانوں	گاؤں
چھانوں	چھاؤں
اودھم	ادھم
رمال	رومال
ہندوستان	ہندستان
کمخاب	کمخواب
خرشید	خورشید

ہ کے باب میں غلط الفاظ:

تحس نحس	تہس نہس
حرج	ہرج
پرواہ	پروا
ان ہی	انھیں
تم ہی	تمھیں
تب ہی	تبھی
تین مرثیہ	تین مرثیے
کعبہ میں	کعبے میں
پردہ پر	پردے پر
مصرعہ	مصرع
معہ	مع
موقعہ	موقع
بناؤ سنگھار	بناوسنگار
بھاؤ تاؤ	بھاوتاو

اصول: ایسے تمام اسم جن کے آخر میں الف آئے اس سے مصدر اور اسمِ نسبت بنانے کے لیے 'ء' اور 'ی' بڑھاتے ہیں: جیسے رعنا سے رعنائی، گدا سے گدائی اور جب اضافت استعمال ہوگی تو محض انھیں الفاظ کے نیچے ہمزہ اور کسرے کا استعمال ہوگا جہاں پہلے سے ہمزہ موجود ہے اور

دیگر لفظوں میں کسرہ ہی استعمال ہوگا جیسے اضافت کے لیے زندگی جاوید نہیں بلکہ زندگیِ جاوید اور بقولِ غالب 'ی' پر 'ء' لگانا عقل کو گالی دینا ہے:

ابتدائے عشق	ابتداے عشق
حکمائے حاذق	حکماے حاذق
شعرائے نامدار	شعراے نام دار
بہاؤ، بہاو (مصدر)	بہاؤ (فعل امر)
گیارا / بارا / تیرا	گیارہ / بارہ / تیرہ
گیاروان / باروان	گیارھواں / بارھواں

انگریزی اور دیگر اردو مرکبات توڑ کر لکھے جائیں تا کہ ان کا صحیح تلفظ ادا ہو سکے۔ 'بہ' کسی بھی صورت میں استعمال کیا جائے اسے ہمیشہ توڑ کر لکھا جائے گا:

بیباک	بے باک
بیتکان	بے تکان
بیخوابی	بے خوابی
بیدماغ	بے دماغ
براہ کرم	بہ راہ کرم
بذات خود	بہ ذات خود
بآسانی	بہ آسانی
بعافیت	بہ عافیت
برنگِ غالب	بہ رنگ غالب
دم بدم	دم بہ دم
روز بروز	روز بہ روز
زر بکف	زر بہ کف
ماہ بماہ	ماہ بہ ماہ

لاحقے سابقے الگ الگ لکھے جائیں، اسموں کے ساتھ آنے والے لاحقے بھی الگ شامل کیے جائیں:

فنکار	فن کار
قلمکار	قلم کار
دستکار	دست کار
بازیگر	بازی گر
گنہگار	گنہ گار
ستمگار	ستم گار
باغبان	باغ بان
فیلبان	فیل بان
نگہبان	نگہ بان
پریوش	پری وش
ماہوش	ماہ وش
طالعور	طالع ور
سعادتمند	سعادت مند
ہوشمند	ہوش مند
یونیورسٹی	یونی ورسٹی
پارلیمنٹ	پارلی منٹ
کانفرنس	کان فرنس

یہ فہرست محض ایک نامکمل نمونہ ہے۔ اس طرز کے انگنت الفاظ ہیں جن میں غلط نگاری عام ہو چکی ہے، اردو زبان سے وابستہ لوگوں کے لیے یہ لازمی امر ہے کہ اسے محض موشگافی کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ املا کے ایک طرز کے سلسلے میں کوششیں کی جائیں اور زبان کی اس نیرنگی کو جدید ٹکنالوجی کے اس دور میں جب کمپیوٹر کے سوفٹ ویر اردو زبان کے اکثر و بیشتر حروف کو لکھنے پر قادر ہیں اور طباعت میں بھی آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں اختلافی صورتوں کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

☼☼☼

مرتّبین: رؤف پاریکھ، انجم حمید
عظمت زہرا، منظور احمد

ادارۂ فروغِ قومی زبان (اسلام آباد) کی منظور کردہ

سفارشاتِ اردو املا

محترم اطہر فاروقی صاحب (معتمد، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی) کے ارشاد کی تعمیل میں ذیل میں املا کی سفارشات کو مکمل طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ یہ سفارشات اصلاً ان مجالسِ کار کی تحریری تجاویز پر مشتمل ہیں جو دو روزہ قومی سمینار بہ عنوان 'اردو املا کی معیار بندی: مسائل اور حل' منعقدہ ادارۂ فروغِ قومی زبان، اسلام آباد (18-17 مارچ 2022) میں دی گئی تھیں اور جن کی قومی مجلس برائے سفارشاتِ املا نے تصحیح و ترمیم و اضافے کے بعد حتمی منظوری دی تھی۔ کتابی صورت میں شائع کی گئیں سفارشات (سوائے تمہید، دیباچوں/ پیش لفظ اور اختتامی کلمات کے) یہاں لفظ بہ لفظ پیش کی جارہی ہیں۔ یہ عاجز طالبِ علم اس قومی مجلس کا حصہ ضرور تھا لیکن ان سفارشات کا (اپنے تین دیگر ساتھیوں کی طرح) یہ عاجز محض مرتب ہے۔ (رؤف پاریکھ)

سفارشاتِ اردو املا

الف(1): ہمزہ (ء) کا استعمال

1- ہمزہ اردو کے حروفِ تہجی میں شامل ہے اور یہ الف کا قائم مقام ہے۔ اسے محض علامت نہ سمجھا جائے۔ اردو کے حروفِ تہجی کی کل تعداد چوّن (54) ہے جو ادارۂ فروغِ قومی زبان (سابقہ مقتدرہ قومی زبان) نے 2010 میں طے کی تھی (تفصیلات: ضمیمہ 1)

2- جن الفاظ میں ہمزہ آئے گا ان کے لیے شرط ہے کہ ان میں ہمزہ سے پہلے یا الف (ا)

ہو یا واو(و) ہو، جیسے: آیئے، جایئے، لایئے، فرمایئے، کھایئے وغیرہ۔ اسی طرح کھویئے، رویئے، دھویئے، سویئے، وغیرہ۔ یہ الفاظ ہمزہ کے ساتھ درست ہیں۔ امر کی صورت میں آؤ، جاؤ، آئیو، جائیو وغیرہ لکھا جائے گا۔

3- ایک اور صورت ہمزہ کے استعمال کی یہ ہے کہ ہمزہ سے پہلے والے حرف پر زبر ہو، جیسے: گئے، نئے۔

4- <u>لفظ 'لیے' کا املا دراصل ل ی ے ہے۔ اس لیے اسے 'لئے' (یعنی ل ء ے) نہیں لکھنا چاہیے۔ لئے، کئے، دئے، سئے، جئے، لیجئے، کیجئے، دیجئے وغیرہ لکھنا غلط ہے۔ ان کے تلفظ میں ہمزہ کا کوئی کام نہیں اور ان کا درست املا ہمزہ کے بغیر یعنی لیے، کیے، دیے، سیے، جیے، لیجیے، کیجیے، دیجیے وغیرہ ہے۔ 'کیجیے' کا املا 'ک ی ج ی ے' ہے۔ اسے 'ک ی ج ء ے' لکھنا کس طرح درست ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس طرح تو اس کا تلفظ بھی ٹھیک طرح سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح امر کی دیگر تعظیمی صورتوں میں بھی ہمزہ نہیں چاہیے، جیسے اٹھیے۔ بیٹھیے، بولیے، سوچیے، کہیے، سنیے، ملیے۔</u>

5- 'چاہیے' میں بھی ہمزہ نہیں چاہیے۔ اسی طرح جمع کے لیے 'چاہییں' درست ہے، یعنی دو 'ی' کے ساتھ، اور ہمزہ کے بغیر۔

6- اگرچہ یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ گائے اور چائے میں ہمزہ نہ لکھا جائے اور اسی طرح بہاؤ (اسم، جیسے پانی کا بہاؤ) اور اس جیسے دیگر اسما (مثلاً الاؤ، ناؤ، وغیرہ) پر ہمزہ نہ لکھا جائے تاکہ ان اسما کو امر (جیسے: پانی اس طرح نہ بہاؤ) سے ممیّز کیا جاسکے۔ نیز یہ تجویز بھی تھی کہ مرکبات میں جہاں یائے مجہول بہ طور حرفِ اضافت آئے (مثلاً بابائے اردو اور بوئے گل وغیرہ) وہاں بھی ہمزہ نہ لکھا جائے، لیکن متعلقہ مجلسِ کار نے ان تجاویز سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ چوں کہ اب یہ املا رائج ہو چکا ہے اور اس کے بدلنے سے انتشار پیدا ہوگا لہٰذا ان الفاظ الاؤ، ناؤ، چائے، گائے، بہاؤ (بطور اسم بھی) وغیرہ پر ہمزہ لکھا جائے گا۔ اسی طرح آئے، جائے، بجائے میں بھی ہمزہ لکھا جائے گا۔

7- مرکبات (مثلاً بابائے اردو، بوئے گل، تمنائے وصل، خدائے بزرگ و برتر، سوئے دار، کوئے یار) میں ہمزہ لکھا جائے گا۔ البتہ سوءِ ترکیب، سوءِ اتفاق، سوءِ حفظ بغیر 'ے' کے آئیں گے اور انھیں سوئے ترکیب، سوئے اتفاق، سوئے حفظ لکھنا غلط ہوگا۔ تفصیل کے

لیے اگلے صفحات کی شق الف (۲) بھی ملاحظہ کی جائے۔ فارسی قاعدے سے 'ہا' کے اضافے سے بننے والے مرکبات پر بھی ہمزہ، لکھا جائے گا جیسے: گل ہائے رنگیں، شکوہ ہائے بے جا، نسخہ ہائے وفا وغیرہ۔

8- متعلقہ مجلسِ کار نے مجموعی طور پر سفارش کی کہ مذکورہ بالا اور اس طرح کے دیگر الفاظ و مرکبات میں کسی 'ؤ' اور کسی 'ے' کو ہمزہ کے بغیر نہ لکھا جائے۔ البتہ اس میں اتنا اضافہ کیا جاتا ہے کہ بعض الفاظ میں 'ؤ' یا 'ئے' پر ہمزہ لکھنا املا اور تلفظ کے لحاظ سے درست نہیں، مثلاً اساوری، نساوری، اوتار، اولا (بمعنیِ ژالہ)، اور، اوس، اے، بے، تے (جیسے الف بے تے) وغیرہ۔ مندرجۂ بالا الفاظ کا املا ہمزہ کے بغیر ہی رائج ہے اور درست بھی ہے۔ اسی طرح بعض اسمائے عَلَم مثلاً راولا کوٹ کا املا بھی بغیر ہمزہ کے درست ہے۔

9- فرمائش، نمائش، پیمائش، ستائش، آزمائش، آرائش، آلائش، گنجائش وغیرہ میں ہمزہ لکھا جائے گا اور انھیں 'ے' سے (یعنی فرمایش، نمایش وغیرہ) نہ لکھا جائے۔ اسی طرح آئندہ، نمائندہ، پائندہ، سائل، قائل، شائق، فائق، لائق، حقائق، ذائقہ، مضائقہ، معائنہ، وغیرہ میں ہمزہ لکھا جائے گا۔ کوئل اور پائل کے دونوں املا درست ہیں یعنی: کوئل رکویل، پائل رپایل۔ کیوں کہ ان کا درست تلفظ تو 'ی' کے ساتھ ہے یعنی کویَل اور پایَل (ی مفتوح) لیکن بعض شعرا نے ضرورتِ شعری کے تحت کوئِل اور پائِل بھی باندھا ہے۔ پلیٹس نے ان کا املا 'ی' پر زبر اور زیر دونوں سے دیا ہے اور رومن میں اسے koyal/koil اور koyal/payal سے ظاہر کیا ہے۔

10- گاؤں، پاؤں، چھاؤں وغیرہ کا یہ املا اب بڑے پیمانے پر رائج ہو چکا ہے اور اسے بدلنا انتشار کا باعث ہوگا۔ لہٰذا متعلقہ کمیٹی نے ان لفظوں کے دوسرے املا (گانو، پانو، چھانو وغیرہ) کی منظوری نہیں دی۔

الف(2): ہمزہ (ء) کا استعمال

مقتدرہ کی املا کمیٹی 1985 نے ہمزہ کے ضمن میں سفارشات پیش کی تھیں جو مذکورہ بالا تجاویز کے علاوہ ہیں، ان کی تائید و توثیق کی جاتی ہے اور وہ یہ ہیں:

1- عربی کے کئی الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں ہمزہ ہے لیکن ان کے اردو املا سے اب

ہمزہ خارج ہو چکا ہے اور اردو میں انھیں ہمزہ کے بغیر ہی لکھا جائے گا، مثلاً: ابتدا، انتہا، ادبا، شعرا، بہا، ضیا، حکما، طلبا [طلبہ بھی درست ہے]، وزرا وغیرہ۔ البتہ ان میں سے بعض الفاظ مخصوص تراکیب میں آئیں تو ان پر ہمزہ لکھا جائے گا، جیسے: ان شاء اللہ، بہاء الحق، ضیاء الحق، بہاء الدین، ضیاء الدین، علاء الدین۔ ان میں سے بعض الفاظ جب تنوین کے ساتھ لکھے جائیں گے تو اس وقت بھی ہمزہ لکھنا ہوگا، جیسے: ابتداءً۔

2- عربی کے جن الفاظ میں الف اور واو کے اوپر ہمزہ لکھا جاتا ہے ان کے اردو املا میں بھی ہمزہ لکھا جائے گا، مثلاً: تأثر، مؤثر، تأسف، توأم، مؤذن، جرأت، قرأت (گو کہ اسے قرأت بھی لکھا پڑھا جاتا ہے مگر اس کا صحیح املا 'قراءت' ہے)، مؤخر، مؤنث، وغیرہ۔

3- بعض الفاظ کے واحد میں ہمزہ نہیں ہے لیکن جمع کی صورت میں تصریفی حالت کے لحاظ سے ان الفاظ پر ہمزہ لکھا جائے گا: بہو، بہوؤں۔ بچھو، بچھوؤں۔ سادھو، سادھوؤں۔ ہندو، ہندوؤں۔ آریا، آریاؤں۔

4- 1985 کی سفارشات کے مطابق عربی کے بعض الفاظ میں دو 'ی' ہیں لیکن اردو میں ان میں سے ایک 'ی' کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے اور اردو میں دونوں طرح سے لکھنا جائز ہے، جیسے: 'تخییل، تخئیل۔ تزیین، تزئین۔ تعیین، تعئین۔ تمییز، تمئیز' (ص 29-28)

لیکن موجودہ دور میں ان کا املا بالعموم ایک 'ی' سے کیا جاتا ہے اور ہمزہ بھی بالعموم نہیں لکھا جاتا، یعنی اب یہ تخیل، تزئین، تعین اور تمیز کی شکل میں رائج ہیں لہٰذا اسی کو درست مانا جائے گا۔ البتہ پرانے شعری متون میں جہاں بحر/وزن کا مسئلہ پیدا ہو وہاں یہ ذہن میں رہے کہ دو 'ی' سے بھی ان کا املا کرنا پڑتا ہے۔ البتہ اسے استثنائی صورت سمجھا جائے گا۔

5- درج ذیل تراکیب میں 'ی' کی بجائے ہمزہ اور اس کے نیچے زیر لکھا جائے گا: سوءِ ادب، سوءِ ظن [کیوں کہ یہ عربی کا 'سوء' ہے اور ہمزہ کے ساتھ ہے اور فارسی کے سُو مثلاً 'سوے دار' سے الگ ہے۔]

6- حسبِ ذیل غیر عربی الفاظ میں ہمزہ لکھا جائے گا: اناؤنسر، بائبل، پاؤڈر، پائلٹ، ڈیزائن، ڈائنامائیٹ، پرائیویٹ، رامائن، سائنس، نارائن، نائکہ، مئیر، ٹائٹل، وغیرہ۔

7- اگر مرکب کے جزوِ اول کا آخری حرف ہائے مختفی ہوگا تو ہمزہ استعمال ہوگا، جیسے: پیمانۂ صبر، نالۂ درد، چشمۂ شیریں، خانۂ خدا، فسانۂ دل، [البتہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر

مرکب کے جزوِ اول کا آخری حرف ہاے ملفوظی ہے تو ہمزہ کے بجاے کسرہ چاہیے، جیسے: راہِ خدا، چاہِ بابل، آہِ سرد]

8- مرکبات میں پہلا جزو اگر 'ے' پر اختتام پذیر ہو رہا ہے تو اس پر ہمزہ چاہیے، جیسے: بوئے گل، کوئے یار، صدائے دل، نوائے ادب۔

ب(1): الف مقصورہ

سفارشاتِ املا 1985 میں موجود تمام الفاظ کے عربی املا کی تائید و توثیق کی جاتی ہے۔ وہ سفارشات یہ ہیں:

1- عربی کے ایسے الفاظ، جن کے آخر میں یا (ی) پر چھوٹا الف (الف مقصورہ، 'یٰ') آتا ہے، مگر پڑھتے وقت یا (ی) کے بجاے الف پڑھا جاتا ہے، اُنھیں اُردو میں بھی عربی املا کے مطابق لکھا جائے، کیوں کہ قرآن پڑھنے والے سبھی لوگ اس سے مانوس ہیں، مثلاً:

(i) ادنیٰ، اعلیٰ، اُولیٰ، بُشریٰ، تحت الثریٰ، تعالیٰ، تقویٰ، حتّٰی، دعویٰ، سلمیٰ، سلویٰ (من وسلویٰ)، صُغریٰ [اصغر کی تانیث]، طُوبیٰ، عُظمیٰ، عُقبیٰ، علیٰ، عیسیٰ، فتویٰ، قُویٰ، کُبریٰ [اکبر کی تانیث]، کسریٰ، لُبنیٰ، لیلیٰ، ماویٰ، متبنّیٰ، مثنّیٰ، مجتبیٰ، مُرتضیٰ، مُصطفیٰ، مُقفّیٰ، مُوسیٰ، نصاریٰ، ہدیٰ، یتامیٰ، یحییٰ

(ii) بدرُ الدجیٰ، خدیجۃُ الکبریٰ، رُومۃ الکبریٰ، شمسُ الہدیٰ، شمسُ الضحیٰ، کیف الوریٰ، نُورالہدیٰ، شفیع الوریٰ۔

2- عربی کے درج ذیل الفاظ کو اسی طرح لکھا جائے: زکوٰۃ، مشکوٰۃ، صلوٰۃ

3- ذیل کی تمام صورتوں میں بھی الف عربی طریقے ہی سے لکھا جائے: الٰہ، الٰہی، الٰہیات، لٰہذا، ہٰذا۔

4- بعض عربی الفاظ میں کسی حرف کے اوپر الف لکھا جاتا ہے، اُردو میں اس الف کو متعلقہ حرف کے بعد مستقل حرف کی حیثیت سے شامل کر دیا جاتا ہے، یہ دونوں طرح لکھنا جائز ہے، جیسے:

اسحٰق	اسحاق
اسمٰعیل	اسماعیل
رحمٰن	رحمان

مولٰینا مولانا

یٰسین یاسین

علٰحدہ علاحدہ

5- ضمناً یہ وضاحت بھی کی جاتی ہے کہ عربی کے بعض الفاظ کو اُردو میں الف سے لکھا جاتا ہے اور سفارشاتِ املا 1985 میں انھیں اسی طرح لکھنے کا کہا گیا تھا جس کی تائید کی جاتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: تقاضا، تماشا، سلیمان، صغرا [صغیر کی جمع، لیکن بطور نام یا صفت صغریٰ لکھا جائے گا]، کبرا [کبیر کی جمع، لیکن نام کبریٰ لکھا جائے گا]، ماجرا، مترا۔

ب (2): الف مقصورہ

الف مقصورہ کے ضمن میں دیگر سفارشات یہ ہیں:

1- مولانا کو پہلے مولٰینا بھی لکھا جاتا تھا۔ اب مولانا رائج ہو چکا ہے۔ لیکن مولٰینا بھی درست ہے۔

2- قرآنی سورتوں کے نام قرآن پاک میں جیسے موجود ہیں انھیں ویسے ہی رہنا چاہیے۔

3- اسمائے صفاتِ باری تعالیٰ کو بھی اُسی طرح رہنا چاہیے۔

4- مولا اور مولیٰ، معرا اور معریٰ، ہیولا اور ہیولیٰ، منقا اور منقیٰ، مصفا اور مصفیٰ، مقتدا اور مقتدیٰ، کے دونوں املا رائج ہیں اور دونوں درست ہیں۔

ج: باے جارہ

(i) الفاظ کو بلا وجہ ملا کر نہیں لکھنا چاہیے لیکن انھیں بلا وجہ توڑنا بھی درست نہیں ہے۔

عربی میں ب:

عربی میں حرف 'ب' حرفِ جر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اسے باے جارہ کہتے ہیں۔ اسے دوسرے حروف کے ساتھ ملا کر ہی لکھا جاتا ہے، مثلاً بسم اللہ میں ب اور اسم کو ملا کر بسم لکھا جاتا ہے۔

- عربی میں 'ب' کبھی 'میں' کے معنی میں آتا ہے، جیسے بالاقساط،
- کبھی 'ساتھ' کے معنی میں جیسے بالاتفاق،
- کبھی قسم کے لیے جیسے واللہ باللہ،
- 'سے' کے مفہوم میں بھی آتا ہے، جیسے: بالخیر،

ایسے الفاظ میں ب کو توڑ کر لکھنا مناسب نہیں ہے، نیز: بعونہٖ ، بفضلہٖ، بجنسہٖ، بحمد اللہ، بالواسطہ، بالآخر، بالقابہٖ، بالکل، بالتحقیق، بالاعلان، بالجبر، بالجہر، بالمشافہہ، بالفرض۔
ان سب مثالوں میں ب کے نیچے زیر پڑھا جائے گا اور ملا کر لکھا جائے گا۔

فارسی میں ب:

- قسم کے لیے بھی ہے، جیسے: بخدا، برب کعبہ،
- ساتھ کے معنی میں بھی ہے، جیسے: بسرو چشم، بایں ریش وفش،
- مطابق یا موافق کے مفہوم میں، جیسے: بقولِ غالب، بقولِ شخصے،
- تسلسل یا کثرت کے لیے، جیسے: رنگ برنگ، قدم بقدم،
- باوجود کے لیے، جیسے: بعصیاں درِ رزق بر کس نبست

ان سب مثالوں میں ب پر زبر پڑھا جائے گا اور ملا کر لکھا جائے گا۔
بعض اوقات (خاص طور پر طالبِ علموں کی سہولت کے لیے) بعض الفاظ رتراکیب میں ب کو بہ لکھا جا سکتا ہے لیکن ہر موقعے پر ب کو بہ لکھنا درست نہیں ہے۔

(ii) اردو میں عربی کے جو مرکبات الف اور لام (ل) کے ساتھ لکھے جاتے ہیں انھیں اسی طرح لکھا جائے، مثلاً: بالالتزام، بالاتفاق، بالاقساط، اصل الاصول، امیر البحر، بالکل، اناالشرق، انا البحر، انا الحق، بالترتیب، بالفعل، بالفصل، بین الاقوامی، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع، (آخری تینوں مرکبات میں 'ت' کی تشدید اور زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا)۔

(iii) بعض دیگر الفاظ وتراکیب کا جو املا سفارشاتِ املا 1985 میں طے کیا گیا تھا اسے برقرار رکھنے کی سفارش کی جاتی ہے، مثلاً: بضد، بحدِ ادب، بخدا، بآسانی، بخوبی، بدولت، بذاتِ خود، براہِ راست، بشرطیکہ ربشرطے کہ، بعینہٖ، بغیر، بہر حال، بہم، وغیرہ

(iv) البتہ طالب علموں کی سہولت کے لیے بعض مرکبات میں ب کو بہ لکھا جا سکتا ہے اور دونوں املا درست ہیں، مثلاً: جاں بلب اور جاں بہ لب (کیوں کہ انگریزی کے لفظ bulb کا گمان کیا جا سکتا ہے) سربکف اور سر بہ کف۔

(v) بعض مرکبات کے دو اجزا کو ملا کر لکھنے سے ان کے تلفظ میں طالب علموں کو دشواری ہوتی ہے اور وہ مثلاً دست کاری کو 'دس تکاری' اور دست گیر کو 'دس تگیر' پڑھتے ہیں، ایسے

الفاظ کو ملا کر نہ لکھا جائے، یعنی دست گیر، دست کاری، گورکھ پور رپوری وغیرہ لکھنا چاہیے۔

د: ہائیہ آوازیں/ ہائے مخلوط

1- دو چشمی 'ھ' اردو کے نظام املا میں ایک بنیادی کردار ادا کرتی ہے لیکن اسے الگ سے حرفِ تہجی یا آواز کے طور پر شمار کرنا درست نہیں۔ یہ 'ہ' ہی کی ایک شکل ہے مگر اردو میں اسے ہائیہ یا ہکاری آوازوں (aspirated sounds) کے لیے مخصوص کیا گیا ہے جو تعداد میں پندرہ ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

بھ۔ پھ۔ تھ۔ ٹھ۔ جھ۔ چھ۔ دھ۔ ڈھ۔ رھ۔ ڑھ۔ کھ۔ گھ۔ لھ۔ مھ۔ نھ۔

(یہ پندرہ آوازیں رحروف ضمیمہ ۲ میں بھی درج کیے جا رہے ہیں)۔

2- دو چشمی 'ھ' کا استعمال خالصتاً ہائیہ آوازوں کے لیے استعمال کرنا درست ہوگا۔

بھ	بھالو، کبھی، لوبھ
پھ	پھل، پھوپھی، گپھا
تھ	تھک، کتھا، ہاتھ
ٹھ	ٹھگ، کٹھالی، کاٹھ
جھ	جھاگ، بجھانا، بانجھ
چھ	چھڑی، کچھا، کچھ
دھ	دھن، گدھا، دودھ
ڈھ	ڈھاٹا، ڈھکن، بڈھا
کھ	کھول، مکھن، مکھ
گھ	گھوم، سنگھار، باگھ
ڑھ	بڑھانا، کوڑھ، پڑھ
رھ	سرھانا، گیارھواں
لھ	کلھاڑی، چولھا، دولھا، کولھو
مھ	کمھار، تمھارا، تمھیں
نھ	ننھا، ننھیال، انھیں، جنھیں

3- سفارش کی جاتی ہے کہ تعلیمی اداروں میں خاص طور پر ابتدائی جماعتوں میں جب طالبِ علموں کو حروفِ تہجی اور املا کے اصول سکھائے جائیں تو ان ہائیہ آوازوں کو مرکب حروفِ تہجی کے طور پر پڑھایا جائے اور چھوٹی جماعتوں میں حروف توڑنے اور حروف جوڑنے کی مشق میں ان مرکب حروف کو ایک حرف کے طور پر سکھایا جائے، یعنی:

گھر: گھ + ر (نہ کہ: گ + ہ + ر)

بھائی: بھ + ا + ء + ی (نہ کہ: ب + ہ + ا + ء + ی)

کیوں کہ مرکب حرف کو ایک حرف نہ ماننے سے ان الفاظ کا املا بالترتیب 'گہر' اور 'بہائی' ہو جائے گا اور اس سے تلفظ بھی مختلف ہو جائے گا جس سے مغالطے کا امکان ہے اور یہ اصولاً درست بھی نہیں ہوگا۔

4- اس کے برعکس وہ الفاظ جن میں ہائے ہوز کی آواز بہ طور حرف استعمال ہوتی ہے، انھیں دو چشمی 'ھ' سے لکھنا درست نہ ہوگا۔ مثلاً:

دہی	کو	دھی	لکھنا غلط ہے۔
کہنا	کو	کھنا	لکھنا غلط ہے۔
لاہور	کو	لاھور	لکھنا غلط ہے۔
ہاشمی	کو	ھاشمی	لکھنا غلط ہے۔
ہندوستان	کو	ھندوستان	لکھنا غلط ہے۔
بہرحال	کو	بھرحال	لکھنا غلط ہے۔
پہر	کو	پھر	لکھنا غلط ہے۔
کہوٹہ	کو	کھوٹہ	لکھنا غلط ہے۔

5- اکثر ماہرینِ املا و لسانیات و لغات متفق ہیں کہ اردو کے بعض الفاظ میں ہائے مخلوط کی آواز ہوتی ہے اور ان الفاظ کو ہائے مخلوط (دو چشمی ھ) ہی سے لکھنا چاہیے، مثلاً بعض ضمائر (موصولہ یا استفہامیہ) جب مفعولی حالت یا اضافی حالت میں آئیں تو انھیں ہائے مخلوط سے لکھنا ہوگا، مثلاً:

انھیں، تمھیں، جنھیں، کنھیں، تمھارا، تمھاری، تمھارے

(ان الفاظ کو ہائے مخلوط کے بغیر یعنی 'انہیں' یا 'تمہیں' وغیرہ لکھنا درست نہیں)

6- بعض ضمائر اور اسما جب حرفِ تخصیص 'ہی' سے جڑتے ہیں تو وہ ایک مرکب لفظ بن جاتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے 'قواعدِ اردو' میں اس کی وضاحت کی ہے، مثلاً:

کب اور ہی مل کر: کبھی
جب اور ہی مل کر: جبھی
اب اور ہی مل کر: ابھی
تب اور ہی مل کر: تبھی
تم اور ہی مل کر: تمھیں/تمھی
ہم اور ہی مل کر: ہمیں
مجھ اور ہی مل کر: مجھی
تجھ اور ہی مل کر: تجھی — وغیرہ

اگرچہ شاعری میں کبھی کبھی یہ ہی، وہ ہی، تم ہی وغیرہ کا بھی استعمال ہوتا ہے لیکن تقریر و نثر میں بیش تر یہی، وہی، تمھی/تمھیں، اُنھی/اُنھیں استعمال ہوتے ہیں اور ان کا تلفظ بھی ہائے مخلوط سے کیا جاتا ہے۔ لہٰذا سفارش کی جاتی ہے کہ ان کے دونوں املا یعنی تمھی/تمھیں، انھی/انھیں درست قرار دیے جائیں۔

ہ: اعداد اور گنتی

1- مقتدرہ کی املا کمیٹی کی سفارشات 1985 میں سفارش کی گئی تھی کہ گیارہ سے اٹھارہ تک میں ہائے ملفوظی ہے (یعنی ان کے تلفظ میں 'ہ' کی آواز ادا کی جاتی ہے) لہٰذا ان اعداد کے آخر میں 'ہ' لکھی جائے گی۔ مستند لغات کے مطابق درست املا بھی یہی ہے لہٰذا اس کی تائید کی جاتی ہے، یعنی اعدادِ معین کو یوں لکھا جائے گا:

گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ۔

2- سفارشات 1985 کی اس سفارش کی بھی تائید کی جاتی ہے کہ اعدادِ ترتیبی اور اعدادِ استغراقی کے املا میں ہائے ملفوظی درحقیقت ہائے مخلوط سے بدل جاتی ہے اس لیے ہائے مخلوط ہی لکھی جائے گی:

گیارھواں، گیارھویں، گیارھوِیں، گیارھوں
(گیارھوں یعنی گیارہ کے گیارہ، جیسے تینوں، چاروں)

بارھواں، بارھویں، بارھوِیں، بارھوں (بارھوں یعنی بارہ کے بارہ)

البتہ ایک اختلافی نکتہ یہ ہے کہ اٹھارہ کے ضمن میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس سے عددِ ترتیبی (یعنی اٹھارھواں/اٹھاروال) میں چوں کہ ایک ہائے مخلوط پہلے آتی ہے تو اس میں دوسری ہائے مخلوط بولنا مشکل ہوتا ہے اور اسے دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ قدیم متون میں بھی اس کے دو املا ملتے ہیں یعنی اٹھارھواں اور اٹھارواں، لہٰذا سفارش کی جاتی ہے کہ یہ دونوں املا درست مانے جائیں گے۔

و: انگریزی الفاظ کا املا

1- انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے طویل الفاظ اور مشکل تراکیب کو ان کے صوتی ارکان کے پیش نظر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں لکھنا چاہیے:

ٹیلی وژن (television) ٹیلی گرام (telegram) کیفے ٹیریا (cafeteria)

البتہ جن لفظوں کو اکٹھا لکھنے کا رواج عام ہے انھیں مانوس اور معروف املا کے مطابق اکٹھا ہی لکھنا چاہیے:

ٹائیفائیڈ	(typhoid)	یونیورسٹی	(university)
پارلیمان/ پارلیمنٹ	(parliament)	کانفرنس	(conferene)
انسپکٹر	(inspector)	ورکشاپ	(workshop)
ٹریننگ	(training)	ڈائریکٹر	(director)
گلکرسٹ	(Gilchrist)	سیمینار	(seminar)

2- سکونِ اول کا مسئلہ

انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے وہ الفاظ جن کے شروع میں دو مصمتے (consonants) اکٹھے آتے ہیں ان کے املا اور تلفظ میں مسئلہ ہوتا ہے، مثلاً:

School spain street stoolوغیرہ کو

سکول/اسکول سپین/اسپین سٹریٹ/اسٹریٹ سٹول/اسٹول وغیرہ

دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔ ان الفاظ کو پنجاب میں بالعموم الف کے بغیر اور کراچی میں الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ مختلف اہل علم کے ہاں اور لغات میں ان کے دونوں طرح کے املا ملتے ہیں۔ گویا یہ دونوں املا رائج ہیں لہٰذا دونوں کو درست مانا جائے گا۔ البتہ

شعری متون میں وزن/ بحر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی ایک املا کو ترجیح دی جانی چاہیے۔

3- **غیر ملفوظی حروف** (silent letters)

انگریزی کے کئی الفاظ میں غیر ملفوظی حروف آتے ہیں لیکن اردو املا میں ان غیر ملفوظی حروف کو بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ ایسے الفاظ کو تلفظ کے بہ جائے رواجِ عام کے مطابق لکھنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ sandwich, first کو فرسٹ اور سینڈوچ لکھنا درست ہے۔

4- **انگریزی الفاظ کی نقلِ حرفی میں مصوتوں کا استعمال**

انگریزی الفاظ کی اردو نقلِ حرفی میں، جہاں تک ضروری ہو، مصوتوں (vowels) کو شامل کیا جائے جس کا پہلے کم رواج تھا۔ مثلاً: ام اے (MA)، اسے ایم اے ہی لکھا جائے گا۔ اسی طرح:

ایمرجنسی، ڈیپارٹمنٹ، لیفٹیننٹ، کیتھولک، درست املا ہے۔

5- **انگریزی الفاظ کی جمع کا مسئلہ**

اردو میں انگریزی الفاظ کی بعض اوقات جمع انگریزی کے قاعدے ہی سے لکھ دی جاتی ہے، جیسے کالجز، بسز، یونیورسٹیز، جو درست نہیں ہے۔ انگریزی الفاظ کی جمع اردو قواعد کے رواجِ عام اور صرفی ونحوی تقاضوں کے مطابق لکھنے کی سفارش کی جاتی ہے:

کاپی/ کاپیاں/کاپیوں	ڈراما/ ڈرامے/ڈراموں
پیراگراف/ پیراگرافوں	گلاس/ گلاسوں
پلیٹ/پلیٹیں/پلیٹوں	یونی ورسٹی/ یونیورسٹیاں/ یونیورسٹیوں
کالج/ کالجوں	بس/بسیں/بسوں وغیرہ۔

ز: تنوین

تنوین سے متعلق پچھلی سفارشات 1985 سے اتفاق کیا جاتا ہے، جو یہ ہیں:

ا- اُردو میں عربی کے ایسے بہت سے الفاظ مستعمل ہیں جن پر دو زبر لکھے جاتے ہیں اور آواز نون کی طرح ادا ہوتی ہے۔ جیسے عموماً (عمومن) مثلاً (مثلن) وغیرہ۔ اُردو میں ایسے الفاظ کو لکھتے ہوئے لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ کر کے اُس پر تنوین لگاتے ہیں، مثلاً:

آناًفاناً، اتفاقاً، اسماً، اصالتاً، اندازاً [اگرچہ 'اندازہ' فارسی ہے]، حقیقتاً، شکایتاً، ضرورتاً، عادتاً، عمداً، فطرتاً، فعلاً، فوراً، مثلاً، مروتاً، نسباً، نسلاً۔

2- عربی کے تاے مدوّرہ (ۃ) پرختم ہونے والے الفاظ جواُردو میں 'ہ' سے لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً 'ارادہ'، ان پر عربی قاعدے سے ہی تنوین لگائی جائے۔ یعنی:

ارادہ سے ارادۃً
دفعہ سے دفعۃً
کلیہ سے کلیۃً
عمدہ سے عمدۃً (کلی طور پر)

3- یہاں یہ وضاحت کردی جائے کہ عربی کے جو الفاظ تاے مدوّرہ (ۃ) پرختم ہوتے ہیں ان میں ۃ پر تنوین لگادی جاتی ہے اور باقی الفاظ پر الف کا اضافہ کرکے تنوین لگاتے ہیں لیکن اردو میں بعض الفاظ میں 'ۃ' کے بعد الف کا اضافہ کرکے بھی تنوین لگائی جاتی ہے اور اردو میں ایسے کئی الفاظ ہیں جن کے دونوں املا رائج ہیں۔ لہٰذا الف کے ساتھ اور الف کے بغیر ان کا املا درست جائے گا، جیسے: نسبۃً / نسبتاً دونوں درست ہیں۔ اسی طرح نتیجۃً / نتیجتاً دونوں درست ہیں۔

ح: مغیرہ حالت میں 'ے' کا استعمال، اِمالہ

1- ایسے الفاظ جو 'ہ' یا 'الف' پرختم ہوتے ہوں یا ایسے الفاظ جن کے آخر میں 'ہ' ہے لیکن وہ 'الف' کی آواز دیتا ہے اور ان الفاظ کی جمع یاے مجہول ('ے') سے بن سکتی ہو، ایسے الفاظ کے بعد حرف جار یا حرفِ اضافت کے آنے کی صورت میں ان کا 'الف' یا 'ہ' برقرار نہیں رہے گا رگی بلکہ 'ے' میں بدل جائے گا رگی۔ مثلاً:

اڈہ اڈے پر	دھماکا دھماکے میں
معاملہ اس معاملے میں	لڑکا لڑکے نے
مرغا مرغے کی ٹانگ	صوبہ اس صوبے میں
سلسلہ اس سلسلے میں	عمرہ عمرے کے لیے

2- مقامات اور شہروں کے نام کے ساتھ امالہ استعمال ہوگا۔ جیسے:

مکے تک	مدینے سے	کوئٹے میں	کعبے کا منظر
کلکتے میں	آگرے سے	کوفے سے	بصرے میں

ڈھاکے کی ململ ٹھٹھے کی شاہجہانی مسجد

لیکن بعض مقامات کے ناموں کے ساتھ امالہ نہیں ہوتا، جیسے: کینیڈا، امریکا، افریقہ۔ یعنی کینیڈا سے نہ کہ کینیڈے سے۔ اسی طرح اِن مقامات کے ناموں میں بھی امالہ نہیں کیا جاتا:

آسٹریا، آسٹریلیا، نینوا، بطحا، کربلا، قسطنطنیہ، بلّیا، وغیرہ۔

3- عربی اور فارسی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں الف ہے اور اردو میں ان کی جمع 'ے' نہیں بنتی، امالہ قبول نہیں کرتے۔ جیسے:

املا دنیا دریا صحرا انشا

مثلاً: صحرا سے، املا میں، انشا میں، دریا میں، دنیا میں

دونوں الفاظ کے املا میں (نہ کہ املے میں)۔

4- عربی کے وہ الفاظ جو 'ع' پر ختم ہوتے ہیں اور اردو میں ان کی آواز 'الف' سے ملتی جلتی ہے، وہ امالہ قبول کرتے ہیں۔ جیسے:

موقع (موقعے) تنازع (تنازعے) مطلع (مطلعے)

مصرع (مصرعے) رقعہ (رقعے)

5- ایسے مرکبات جن کے پہلے لفظ کی جمع اردو کے قاعدے کے مطابق 'ے' سے بن سکتی ہے وہ بھی امالہ قبول کرتے ہیں، چاہے ان کے ساتھ حرف مغیرہ آئے یا نہ آئے۔ جیسے:

پہرے دار ذمے دار عہدے دار دھوکے باز

جھنڈے بردار جوتے کاری ذمے داری تانگے والا

رکشے والا

6- اردو کے وہ الفاظ جو 'الف' کے ساتھ 'نون غنہ' یعنی 'اں' پر ختم ہوتے ہیں اور ان کی جمع 'ی' کے ساتھ 'نون غنہ' یعنی 'یں' بنتی ہے ان کا امالہ ان کی جمع کے مطابق بنے گا۔ جیسے:

دھواں دھویں سے کنواں کنویں میں

7- اردو کے بعض ایسے الفاظ جن کے آخر میں 'الف' ہے وہ امالہ قبول نہیں کرتے۔ جیسے:

دادا چچا/چاچا نانا بابا تایا سنکھیا ڈبیا

اگرچہ بعض لوگ 'بابے نے کہا' یا 'دادے نے کہا' وغیرہ بولتے ہیں لیکن اردو میں یہ ابھی

بول چال کی حد تک ہی ہے اور معیاری اردو کا تا حال حصہ نہیں بن سکا ہے۔ لہٰذا سفارش کی جاتی ہے کہ بابا اور دادا وغیرہ میں امالہ نہ کیا جائے۔ اسی طرح سنکھیا کا اثر نہ کہ سنکھیے کا اثر اور ڈبیا میں نہ کہ ڈبیے میں۔

ط: حروفِ تہجی

1- اردو کے حروفِ تہجی کی کل تعداد چون (54) ہے، جن کی ترتیب یہ ہے:

ا۔ آ۔ ب۔ بھ۔ پ۔ پھ۔ ت۔
تھ۔ ٹ۔ ٹھ۔ ث۔ ج۔ جھ۔ چ۔
چھ۔ ح۔ خ۔ د۔ دھ۔ ڈ۔ ڈھ۔
ذ۔ ر۔ رھ۔ ڑ۔ ڑھ ز۔ ژ۔
س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔
غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ کھ۔ گ۔ گھ۔
ل۔ لھ۔ م۔ مھ۔ ن۔ ں۔ نھ۔
و۔ ہ۔ ء۔ ی۔ ے۔(54)

2- ترتیب میں پہلے مفرد اور پھر مرکب حروف آئیں گے، مثلاً پہلے الف اور پھر الف ممدودہ (آ)۔ پہلے ب اور پھر بھ۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

3- ترتیب میں پہلے نون (ن) آئے گا اور پھر نون غنہ (ں) آئے گا اور پھر نھ۔

4- الفاظ الف بائی ترتیب کے وقت (مثلاً لغت میں یا فہرستِ الفاظ میں) اسی ترتیب سے درج ہوں گے یعنی پہلے الف سے شروع ہونے والے الفاظ کا اندراج ہوگا اور پھر 'آ' سے شروع ہونے والے الفاظ کا۔ اگرچہ اردو کی بعض متداول لغات میں اس کی پابندی نہیں کی گئی اور بعض لغات میں الف اور الف ممدودہ ایک ہی تقطیع میں درج کر دیے گئے ہیں اور بعض لغات میں الف بعد میں اور الف ممدودہ پہلے ہے۔ لیکن اردو لغت بورڈ کی لغت میں الف کا اندراج پہلے کیا گیا ہے اور الف ممدودہ کو دو الفوں (ا+ا) کے برابر یعنی مرکب حرف مان کر اس کا اندراج کیا گیا ہے اور یہی درست ہے۔ مرکب حروف کا (اور ان سے شروع ہونے والے الفاظ کا) اندراج مفرد حروف کے بعد ہوگا، مثلاً ب اور بھ، پ اور پھ، وغیرہ۔ اسی طرح لغت یا فہرستِ الفاظ میں پہلے مان آئے گا اور پھر ماں۔

ی: اعراب

1- درج ذیل اعراب کا استعمال ضرور کیا جائے:

زبر، زیر، پیش، تشدید، نون غنہ کی علامت، تنوین، الف مقصورہ (کھڑا زبر)، کھڑا زیر۔

2- کوشش کی جائے کہ نامانوس الفاظ کے صوت رکن (syllable) پر طالب علموں کی رہنمائی کے لیے اعراب لگائے جائیں۔

3- ساکن حروف پر جزم کی ضرورت نہیں، خاص طور پر اگر لفظ کے آخر میں آئے، کیوں کہ اردو کے لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) لیکن بعض اوقات تلفظ کی وضاحت کے لیے ضروری ہو تو لگایا جائے، خاص کر درسی کتب میں۔ جیسے لفظ 'عضو' میں ع پر پیش ہے اور ض اور 'و' پر جزم ہے جسے بعض طالب علم بغیر اعراب کے درست نہیں پڑھ سکتے۔ اسی طرح سہو، محو، وغیرہ۔

ک: کسرہ و ہمزہ (مرکباتِ اضافی و توصیفی)

1- مرکبات میں کسرۂ توصیفی / ہمزۂ توصیفی / ہمزۂ اضافت / کسرۂ اضافت کی علامت ضرور لگائی جائے۔

2- جہاں اضافت کے بغیر مرکبات بن سکتے ہیں ضرور بنا لینے چاہییں، مثلاً اردو باغ، قومی زبان وغیرہ (اور انھیں بلاوجہ باغِ اردو اور زبانِ قومی نہ لکھا جائے، ہاں شاعری کی بات اور ہے)۔

3- الف اور واو (و) پر ختم ہونے والے الفاظ مرکبات (اضافی یا توصیفی) میں بطور جزِ اول آئیں تو انھیں لکھنے کی صحیح صورت 'ے' اور ہمزہ کے ساتھ ہوگی:

بوئے گل۔ خدائے کریم۔ سوئے چمن۔ روئے جاناں۔ حکمائے اسلام۔ علمائے دینِ متین۔ دعائے خیر۔ سزائے موت۔ دوائے دل۔ ردائے نیلگوں۔ کوئے جاناں۔

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ یہاں سوئے چمن میں 'سو' فارسی کا لفظ ہے۔ عربی کے لفظ 'سوء' کے املا میں ہمزہ شامل ہے اور مثلاً علمائے سوء میں ہمزہ لکھا جائے گا۔ اسی طرح سوءِ ظن یا سوءِ ادب کے املا میں (سوئے چمن کے برعکس) یائے مجہول (ے) نہیں لکھی جائے گی۔ نیز یہ کہ مبدءِ فیض درست املا ہے۔

4- مرکبِ اضافی یا توصیفی میں پہلے لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر آتا ہے اور جن لفظوں

کے آخر میں 'ی' ساکن ہو، اس میں 'ی' کے نیچے زیر آئے گا، مثلاً:

شادابیِ چمن۔ ترقیِ اردو۔ وادیِ کاغان ۔مرضیِ معبود۔ رعنائیِ خیال۔ پنہائیِ فلک۔ زندگانیِ بے نظیر۔ صوفیِ صافی۔ بانیِ پاکستان۔

4- مرکبِ اضافی/توصیفی میں جزوِ اول کے آخری حرف کے ہائے مختفی ہونے کی صورت میں ہمزہ کا استعمال ہوگا، مثلاً:

خانۂ خدا۔ مژدۂ جاں فزا۔ دیدۂ جاناں۔ نشانۂ ستم۔ سلسلۂ کوہ۔

5- البتہ ایسے مرکبات میں جزوِ اول کے آخری حرف کے ہائے ملفوظی ہونے کی صورت میں زیر کا استعمال ہوگا، جیسے: آہِ سرد۔ راہِ پُر پیچ۔ چاہِ بابل۔ کوہِ ندا۔

ل: الفاظ کو ملا کر یا توڑ کر لکھنا

اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مرکب الفاظ اگر بامعنی مفرد الفاظ سے مل کر بنے ہوں تو ان کو توڑ کر لکھنا بہتر ہے تاکہ پڑھنے والوں کو دونوں لفظوں کے الگ الگ معنوں کا ابلاغ ہو سکے اور لفظوں کا اشتقاق بھی معلوم ہو سکے، مثلاً: دل چسپ۔ ماہ نامہ۔ خوب صورت۔ بت کدہ۔ شاہ جہان آباد۔ باغ بان۔ نان بائی۔ وغیرہ۔

لیکن ان کو ملا کر لکھنا بھی غلط نہیں ہے (یعنی دلچسپ۔ ماہنامہ۔ خوبصورت۔ بتکدہ۔ شاہجہان آباد۔ باغبان۔ نانبائی وغیرہ بھی درست ہیں)۔

م: 'ذ' اور 'ز'

1- 'ذ' اور 'ز' سے متعلق سفارشات 1985 میں ص 17 اور 18 پر دی گئی تمام سفارشات سے اتفاق ہے لیکن متعلقہ مجلسِ کار کی رائے ہے کہ:

'ہندی اور یورپی زبانوں کے دخیل الفاظ کے لیے جو اصول مقرر کیا گیا ہے اس میں مستثنیات نہیں ہونی چاہییں۔ اس لیے 'پریذیڈنٹ' اور 'ریذیڈنٹ' کے لیے دونوں حروف کے استعمال کو درست مانا جائے یعنی 'ذ' اور 'ز' دونوں سے لکھنے کی اجازت دی جائے، یعنی پریذیڈنٹ/پریزیڈنٹ اور ریذیڈنٹ/ریزیڈینٹ، تاوقتیکہ 'ز' کا چلن عام ہو جائے تو صرف ایک املا (زے سے) پر بھی اتفاق ہو سکتا ہے۔'

2- بعض تراکیب میں 'ز' کے استعمال کی سفارش کی جاتی ہے:

باج گزار، خدمت گزار، تہجد گزار، مال گزاری، شکر گزار، عرضی گزار، گزارش، گزارا

3- اسی درج ذیل الفاظ وتراکیب میں 'ذ' لکھنے کی سفارش کی جاتی ہے:
بذلہ سنجی، پذیرائی، پذیر (جیسے ترقی پذیر)، دل پذیر، درگذر، جہانِ گذراں، گذرگاہ، راہ گذر، ذات، ذرا، ذرّہ، گذشتہ، تعویذ، سرگذشت، لذت، لذیذ

4- بعض الفاظ واسما کا درج ذیل املا (یعنی زے کے ساتھ لکھنا) درست ہے:
آزر (حضرت ابراہیم کے والد/ چچا)، ازدحام، زرتشت، زکریا، زخار، گزاف، گزند، ناگزیر

5- بعض الفاظ اپنے مفاہیم اور اصل/ اشتقاق کے تناظر میں لکھے جاتے ہیں۔ ان کے املا کا زے اور ذال کے اختلاف سے کوئی تعلق نہیں، جیسے:

زکی/ زکیہ (زے سے) (بمعنی پاک)
ذکی/ ذکیہ (ذال سے) (بمعنی ذہین)
آذر (بمعنی آگ نیز ایرانی تقویم کے نویں مہینے کا نام، ذال سے)
آزر (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد یا چچا کا نام، زے سے)

ن: 'ت' اور 'ط'

'ت' اور 'ط' سے متعلق پچھلی سفارشات جو سفارشات 1985 (ص 16) دی گئی ہیں، کے مطابق ہندی الاصل اور یورپی زبانوں کے اسما وغیرہ کو 'ت' سے ہی لکھنا چاہیے۔

سفارشات املا 1985 یہ ہیں:

1- درج ذیل الفاظ 'ت' کی بجائے 'ط' سے لکھے جائیں:
طوطا، طشت، طشتری، طپنچہ، طمانچہ، طہماسپ، غلطاں

2- مندرجہ ذیل الفاظ کو 'ت' سے لکھنا بہتر ہے:
تراوت تنبورہ تیّار تیراک

س: گنتی

1- 'چھ' ایک حرف بھی ہے اور ہندسہ بھی۔ اس لیے 6 کے ہندسے کے املا کو 'چھے' لکھا جانا چاہیے تاکہ ابتدائی جماعتوں ہی سے سیکھنے والوں کو سہولت ہو اور ذہن نشین ہو جائے۔ اور اس کا درست تلفظ بھی چھے (بیائے لین) ہے نہ کہ چھ۔

2- اکہتر سے اٹھہتر تک گنتی کے املا میں بے نیازی کا رویہ دور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل املا کی صورتوں کو زیادہ سے زیادہ مروج کرنے کی سفارش کی جاتی ہے:

اکہتر بہتر تہتر چوہتر پچھتر چھہتر ستتر اٹھتر

ع: نون غنہ

'سفارشاتِ املا و رموزِ اوقاف'، 1985، مرتبہ ڈاکٹر اعجاز راہی، ص 19 اور 20 پر دیے گئے مندرجات سے اتفاق کیا گیا، سوائے اس کے کہ اس لفظ 'بلکہ' 'بل کہ' کو بھی توڑ کر لکھا جائے۔

ا- نون غنہ

بعض الفاظ میں نون غنہ کی آواز کے مقام و مخرج کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے چوں کہ ان الفاظ کا املا بہ صورتِ ذیل رواج پا چکا ہے۔ اس لیے اسی طرح لکھا جائے:

(i) پاؤں چھاؤں داؤں کھڑاؤں گاؤں

(ii) بہنگی مہندی مہنگا مہنگائی مہنگی

2- مندرجہ ذیل الفاظ کا دونوں طرح لکھنا درست ہے:

پیترا/ پینترا چوچلا/ چونچلہ جھوک/ جھونک سپولیا/ سنپولیا

سیکڑا/ سینکڑا کیچلی/ کینچلی کیچوا/ کینچوا موچھ/ مونچھ

3- قومی املا کمیٹی نے تجویز پیش کی ہے کہ جن الفاظ میں نون غنہ آتا ہے اور اسے ملا کر لکھا جاتا ہے ان الفاظ پر اُلٹے جزم (٘) کا نشان لگانے کا اہتمام کیا جائے۔ مثلاً:

ڈھنگ، گنگ، چاند، کانٹا، ہنسنا، سانس، مونڈ، پھانسی، کود پھاند

خاص طور پر نصابی کتب میں نون غنے پر یہ نشان ہونا چاہیے تا کہ طلبہ ان الفاظ کے درست تلفّظ سے واقف ہو سکیں اور نون غنے کو نون نہ سمجھ لیں۔

ضمیمہ 1:

اردو کے حروف تہجی کی تعداد اور ترتیب

اردو کے حروفِ تہجی کی کل تعداد چوّن (54) ہے، جن کی ترتیب یہ ہے:

ا۔ آ۔ ب۔ بھ۔ پ۔ پھ۔ ت۔

تھ۔ ٹ۔ ٹھ۔ ث۔ ج۔ جھ۔ چ۔

چھ۔ ح۔ خ۔ د۔ دھ۔ ڈ۔ ڈھ۔

ذ۔ ر۔ رھ۔ ڑ۔ ڑھ ز۔ ژ۔

س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔

غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ کھ۔ گ۔ گھ۔
ل۔ لھ۔ م۔ مھ۔ ن۔ ں۔ نھ۔
و۔ ہ۔ ء۔ ی۔ ے۔(54)

1- ترتیب میں پہلے مفرد اور پھر مرکب حروف آئیں گے۔
2- ترتیب میں پہلے نون (ن) آئے گا اور پھر نون غنہ (ں) آئے گا۔

ضمیمہ:2

اردو میں ہائیہ حروفِ تہجی/آوازوں کی تعداد

اردو میں ہائیہ حروفِ تہجی/آوازوں کی کل تعداد پندرہ (15) ہے، جو یہ ہیں:

بھ۔ پھ۔ تھ۔ ٹھ۔ جھ۔ چھ۔
دھ۔ ڈھ۔ رھ۔ ڑھ۔ کھ۔ گھ۔
لھ۔ مھ۔ نھ۔ (15)

عرض ہے کہ:

1- ان سفارشات کی تیاری، ترتیب و تدوین میں کئی لوگ شریک ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان سب کا شکریہ واجب ہے۔

2- ان میں سے کئی سفارشات سے بعض شرکا اور خود مرتبین کو بھی اختلاف تھا لیکن کثرتِ رائے کو اہمیت دی گئی۔ اس کثرتِ رائے کی بنیاد یہ تھی کہ 1985 کی سفارشاتِ املا بیش تر درست ہیں اور ان میں سے بیش تر رائج بھی ہیں لہٰذا ان میں تبدیلی سے انتشار پیدا ہوتا جو اس سیمنار کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہوتا۔ چناں چہ ذاتی اور انفرادی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اجتماعی دانش کو تسلیم کیا گیا۔

3- تاہم علمی کاموں میں اختلاف اور بہتری کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے اور اردو املا کی ان سفارشات کے ضمن میں تجاویز اور ترمیم و تبدیلی کی آرا کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

4- امید ہے کہ اہلِ علم کے تعاون سے ہم اردو کا ایک معیاری (standardised) اور یکساں (unified) املا تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

☼☼☼

مسائلِ املا پر مختلف اکابرین کے مقالات

غلام مصطفیٰ خاں

اُردو املا کی تاریخ[1]

املا دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے اور جو طریقہ ان حرفوں کے لکھنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، وہ رسمِ خط کہلاتا ہے۔ لیکن ان دونوں کی حدیں چوں کہ قریب قریب ہیں، اس لیے فنِ املا کے امام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنے[2] کو املا کہا ہے اور تقریباً یہی مفہوم انشاء اللہ خاں انشاؔ اور غالبؔ کے یہاں پایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کے لیے صحیح املا کے قواعد نہایت ضروری ہیں، لیکن یہ جس قدر ضروری ہیں اُتنی ہی ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک شخص جس طرح سے لکھ دیتا ہے وہ دوسروں کے لیے سند بن جاتا ہے اور جہاں کتابوں یا اخباروں میں اس کی تکرار ہوئی وہ مقبولیت حاصل کر لیتا ہے، اس لیے، محققین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زبان کی یک رنگی اور یک سانی کو قائم رکھنے کے لیے صحیح بنیادوں پر املا کے اُصول قائم کریں تا کہ بے ضابطگی بھی پیدا نہ ہو، اور ہر شخص آسانی سے اپنی زبان لکھ پڑھ سکے۔

اس مضمون میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ کس زمانے میں کون سے حروف کس طرح سے لکھے جاتے تھے اور ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ چناں چہ اس کے لیے معلومات نہ صرف مطبوعہ کتابوں سے بلکہ نادر مخطوطات سے بھی حاصل کی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ صحیح صحیح چیزیں نظر کے سامنے آجائیں تا کہ ہمارے محققین کچھ اسلاف کے اختیار کردہ اُصول سے اور کچھ اپنے اجتہاد سے املا کے صحیح قاعدے منضبط کر سکیں۔ مولوی عبدالحق صاحب کے ذاتی کتب خانے میں فخر الدین نظامی دکنی کی ایک مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' کے نام سے موجود ہے، یہ 825 ہجری[3] میں مرتب ہوئی، اِس لیے، اس کا شمار قدیم ترین اُردو تصانیف میں ہو سکتا ہے۔

مثنوی نسخے میں ہے اوراس طرح شروع ہوتی ہے:

گُسائیں تھیں ایک دُنہ جگ اوداآر   برد بُرونہ جکہ تھیں دَین ہار
(مالک)   (سا)   (آسرا)   (برابر)   (دینے والا)
آکاس اُنچہ پاتال دھرتی تھیں   جہاں کچھ نکوییئی ستھاں ہے تھیں
(آسمان)
رَجن ہار انکھیے رَجہار توں   رھن ہار پچھیں رہن ہار توں
(خالق)   (آگے)   (باقی رہنے والا)
تھیں رچیا جکہ ابر اور تال تل   اوپر تھیں نہ آکر سکی آپ بل
قلم کیآن سون تین لکھیا بھوگ جکہ   سِکایا قلم بھاگ لکھ جرم لک
(اکتساب)   (نصیب)

اس مخطوطے کی املائی خصوصیات یہ ہیں:

1- گاف پرایک ہی مرکز ہے اورا کثر اُس کے نیچے تین نقطے ہیں۔
2- جب گاف اور چ کسی لفظ کے آخر میں آتا ہے تو اس کے ساتھ 'ہ' بھی ہے، اور یہ بات دکنی ادب میں عام ہے۔
3- یاے معروف ومجہول میں کوئی فرق نہیں ہے۔
4- ہاے ہوز کی مختلف شکلوں کو بغیر کسی امتیاز کے لکھا ہے۔
5- الف ساکن کے پہلے زبر ہے اور ایسے الف پر اکثر مد لکھا گیا ہے۔
6- ہمزۂ مکسور کے نیچے دو نقطے ضرور ہیں۔
7- حرف نفی 'نہ' کو اکثر پہلے یا بعد کے لفظ سے جوڑ کر لکھا ہے۔

پھر حضرت شمس العشاق میراں جیؒ (المتوفی 902 ہجری) کے کلام کا ایک مجموعہ جو تصوف کے متعلق ہے، کراچی میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے یہاں ملتا ہے، یہ غالباً 850 ہجری میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں حضرت میراں جیؒ کے کچھ اشعار بھی ہیں۔ ایک جگہ 'سبیل الانسان' کے ذیل میں جو اشعار ہیں اُن میں سے دو یہ ہیں:

اپین جانیا جیون آپنا جیون وہی وہی
اسکوں دیکھت آپ گنوایا گیان کلا بھی رہی

بن تین جب سمایا جیسا پرکاسین پرکاس
کپر دُکھ بنیا ماک، پناوی پر چو سج اُداس

یہ مجموعہ بھی نسخ میں ہے اور اس کی خصوصیات یہ ہیں:

1- گ پر ایک ہی مرکز ہے اور اکثر اُس کے نیچے تین نقطے ہیں۔
2- یائے معروف و مجہول میں کوئی امتیاز نہیں ہے اور یہ بات تو بہت بعد تک رہی ہے۔
3- 'ہ' کی مختلف شکلیں اکثر دوچشمی ھ سے بنائی گئی ہیں۔ یہ چیز بھی بہت بعد تک پائی جاتی ہے۔

اسی قسم کی املائی خصوصیات حضرت شیخ بہاء الدین باجن (التوفی 912 ہجری) کے دوہوں میں بھی پائی جاتی ہیں؛ بلکہ حضرت شاہ علی حسینی (التوفی 973 ہجری) کے دیوان 'جواہر اسرار اللہ' میں بھی یہی چیزیں ہیں۔ مثلاً اُس میں ایک جگہ ہے:

'نکتۂ پنجم در تخلص'

کی لوک کونہ دکہ دھیں　　　جانوں جو ایسا کو سہیں
منجھ باج علیجیو کی کھیں　　　اے بھائیو ہون سون کروں[5]

یہ نسخہ بھی نسخ میں ہے۔

حافظ محمود شیرانی مرحوم نے 'اورینٹل میگزین' (بابت اگست 1930) میں آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے اُردو فقرے اور دوہرے نقل کیے ہیں، پھر اسی میگزین (نومبر 1930) میں حضرت شیخ باجنؒ کے مختلف اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں کئی چیزیں اہم ہیں۔ حضرت باجنؒ کے یہاں جمع مضارع کی ایک خاص شکل ہے، یعنی دھرنہ (دھریں کے بجائے)، کرنہ (کریں)، بلسنہ (بلسیں)، ترسنہ (ترسیں)، مانگنہ (مانگیں) وغیرہ جو پنجابی جمع کے مطابق ہے۔ اسی طرح پنجابی طرز کی جمع کانٹیاں (کانٹے)، انکھیاں (آنکھیں) کے ساتھ ساتھ برج کی جمع کلالنہ (کلالوں)، درویشنہ (درویشوں)، راتنہ (راتوں)، اورنہ (اوروں) وغیرہ بھی ہیں۔ فعلِ مستقبل میں کرلیوں (کروں گا)، دلیوں (دوں گا)، اتریسی (اُترے گا) بھی ہے۔

اور ہمارے موضوعِ املا کے لحاظ سے ان کے یہاں حسبِ ذیل چیزیں پائی جاتی ہیں:

1- جمع اور جمع مضارع، نیز مصادر ایک 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں۔ تم، اُن، جن، نین، باتوں، لین، دین وغیرہ بھی 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں۔

2- حروفِ مشدّد کو دوبار لکھا ہے۔

3- ٹ، ڈ، ڑ کے لیے کوئی امتیازی علامت نہیں ہے اور وہ ت، د، ر کی طرح ہیں۔

حضرت باجنؒ کے بعد دسویں صدی کے ختم ہوتے ہی یعنی 1002 ہجری میں مصطفیٰ تخلص کے ایک دکنی (گجراتی) شاعر نے 'نورنامہ' لکھا تھا۔ یہ نسخہ میں اکسٹھ (61) صفحات کا ایک رسالہ ہے جس میں تقریباً سوا چار سو اشعار ہوں گے۔ آخر میں جو اشعار ہیں اُن سے شاعر اور اُس کی تصنیف وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں:

فارسی تھا سو دکھنی بات	لکھا مصطفیٰ حُبّ سنکات
کوئی پیر دیکھیں کے درحال	میرے حُب کا یو ہی خیال
یاں نی مرنا نین مجکوں جان	'نورنامہ' کا کیا بیان
جکوی پیر دیکھی ہوے شاد	مجھ عاجز کوں کری یاد
شیخ قطب عالم کی میں اولاد	'نورنامہ' کا کیا میں بنیاد
نور محمدؐ کا نور محمدؐ مین	میں بیتھا لکھیا اوسان میں
یکہزار "دو" کلی سان جان	نور تھا قدرت کا یوں نشان
ہور بھجو نبیؐ پر ہم صلوٰۃ	بہی کلیمی ستی میری بات
نبی صلوا علیٰ و آلِ رسول	مجھ خادم کمین کون کرنا قبول
ہی مجھوں آپس بہی یو نفا	تجھ ناوں کاری ہوں مصطفیٰ

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا نام مصطفیٰ ہے جو اپنے آپ کو حضرت قطب العالم برہان الدین ابو محمد عبداللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 857ھ) بٹوہ، احمد آباد کی اولاد میں کہتا ہے۔ اور یہ کہ اس نے 1002ھ میں یہ 'نورنامہ' فارسی سے دکھنی میں منتقل کیا۔ اُس کی شاعری کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اس نسخے کی املائی خصوصیات ضرور ہمارے موضوع کے لیے اہم ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(1) کاف اور گاف دونوں پر ایک مرکز ہے، جو اس زمانے میں عام تھا (2) ڑ کے لیے نیچے تین نقطے ہیں۔ (3) 'ٹ' پر 'ط' کی جگہ چار نقطے ہیں۔ (4) 'ہے' کو اکثر دو چشمی ھ سے لکھا ہے اور یائے معروف و مجہول وغیرہ کا امتیاز نہیں ہے۔ ان کے علاوہ لسانی خصوصیات وہی ہیں جو دکھنی اُردو میں پائی جاتی ہیں۔ وزن اور قافیہ وغیرہ کی بھی کوئی خاص پروانہیں ہے کیوں کہ اس

قسم کے عقیدت مند لوگ اول تو شاعر ہی نہ تھے، اور جو شاعری کرتے بھی تھے اُن کو اس پر فخر و ناز نہ تھا۔

اس کے بعد ملاّ وجہی کا نمبر آتا ہے، جس کی مثنوی 'قطب مشتری' اور نثر 'سب رس' کو مولوی عبدالحق صاحب شائع کر چکے ہیں، اور ان کتابوں کی لسانی اور املائی خصوصیات پر بھی اظہارِ رائے کر چکے ہیں، اس لیے، اس کے بجائے اس کے معاصر ابن نشاطی کا ذکر کیا جاتا ہے، جس نے مثنوی 'پھول بن' 1076ھ میں لکھی تھی[7]۔ یہ بھی نسخ میں ہے۔ اس میں 'سببِ تالیف' اس طرح بیان کیا گیا ہے:

مجھے یک دن دیا ہاتف نے اواز — پر تکی داستاں کی اے سخن ساز
سخنکا آج تون کر کوہران سنج — سخنکا کھولتا مین کیا سبب کنج
جکت کون کی سناتا نین یو باتان — شکر پر کی توں لکھتا نین براتاں
تیری کفتار سوں عالم میتھا کر — دی تیری شعر کا ہر کسکوں شکّر
سخنکی پھولکی تاثیرتی توں — معطّر کر جکت یک دھیرتے توں
خوشی سوں اا خوشیکی ہاتھ پر آج — تون کانا نکون جکت کی عید کر[8] آج

اس کی املائی خصوصیات یہ ہیں:

(1) ٹ کے لیے چار نقطے اوپر ہیں۔ (2) ڑ کے لیے اکثر تین نقطے نیچے ہیں، مثلاً:

نہ ھلتا ھی نہ چلتا ہی موا تھا
تمام ارنی سوں کام اس کا ہوا تھا
(روح در جسم آہو)

(2) اسی طرح ڈ کے لیے تین نقطے نیچے ہیں:

ندیکھے کوئی تیون آہستہ ڈگ ڈگ
چلوں اوس کا ندکی اوس کاندکوں لک

لیکن کہیں کہیں ڑ اور ڈ کے تین نقطے اوپر بھی ہیں۔

(3) کہیں کہیں گاف پر دو مرکز نظر آتے ہیں، یہ کتابت اس لحاظ سے قدیم نمونہ سمجھی جائے گی۔

(4) واو معروف کے لیے اکثر ایک سیدھا پیش دیا گیا ہے، یہ چیز خاص ہے۔

(5) الف پر اگر مد کی ضرورت ہے تو اکثر مقامات پر دو الف لکھے گئے ہیں۔
(6) ہائے ہوز کو ہر جگہ دو چشمی ھ لکھا گیا ہے۔
(7) عام دستور کے مطابق یائے معروف و مجہول میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔
(8) اوس (اُس)، اون (اُن) واو کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے مرید شیخ رکن الدین ابن عماد الدین کاشانی نے تصوف پر ایک کتاب فارسی میں 'شمائل الاتقیا' کے نام سے لکھی تھی۔ اس کا دکنی ترجمہ میراں یعقوب نے 1084ھ میں کیا تھا، وہ بھی نسخے میں ہے اور اس طرح شروع ہوتا ہے:

'بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

حمد و ثنا اتقیا و اصفیا کی کہناں، ہور خصلتان کی بمنن بیحد و بی پایان ہور سرانا، بکھاننا اولیاء و انبیاء کی، نیکیاں، ہور صفتاں کے۔ بھانت بی کنت۔ ہور بی انت اُس یک پاک ذات کون، واجب ہور سزاوار ہے کہ، جینی پرہیزکاران کے، تو لی کون اپنی نزدیکی کے پرائے دیا، کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی تحقیق خدا کی نزدیکہ پر اتمنا میں اوکوی ہے، جو جی تمنا میں پری پرہیزکارھی؀'

اس نسخے میں بھی ٹ، ڈ، گاف، ہ وغیرہ کے لیے وہی علامات ہیں جو اس سے پہلے والے نسخے میں ہیں، لیکن اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ فقرہ یا کلمہ وغیرہ ختم ہونے پر ہر جگہ ایک بڑا گول (سرخ) نقطہ دیا گیا ہے، گویا اُس زمانے سے ہماری زبان میں علاماتِ وقت نظر آتے ہیں۔

1096ھ کی لکھی ہوئی ایک بیاض ملتی ہے، جس میں مختلف شعرا کے دوہے ہیں۔ اس کے آخر میں یہ عبارت ہے:

'بتاریخ 27 رجب المرجب 28 جلوس والا بندۂ درگاہ گلاب رائے سوائی بیادگار بقلعہ سولاپور وقتے کہ در تہیہ روانہ شدنِ برہان پور بود نوشت۔

خطِ ما بہرِ یادگار ماست   صاحب حال بے قرارِ ماست'

ایک جگہ مالکِ بیاض کے دستخط اس طرح ہیں: 'عاجز صاحب لال لالہ گردھاری لال جیو' پھر یہ شعر فارسی میں ہے:

دوائے صندل و عنبر نہ سازگارِ من ست
علاجِ دردِ سرم خاکِ پائے یارِ من ست

اس بیاض میں اہتمام خاں، احمد، افضل، فاضل، نول رام، موہن لال وغیرہ کے دوہے ملتے ہیں۔ اہتمام خاں غالباً عالمگیری امیر تھا، اُس کا ایک دوہا یہ ہے:

ان نینن کوں مورکھا کیتی راکھوں ہور
نینن بھی سورج مکھی دھری جات پی اور

احمد کا دوہا سنیے:

کاکوں گھبراروئیے کاکوں کیجے سوگ
احمد سنگ سرائے کو سبھی بتا او یوگ

افضل کا دوہا اس طرح ہے:

گورے مکھ پر سیام تل انچ لیوجی جور
افضل گھر میں کیا رہے پرت چاندنی چور

فاضل نے یوں کہا ہے:

جے بھانور پی تم دیے نے ہم دیے ندان
بھانور کے بھانور دیے فاضل دیے پران

نول رام کا دوہا بھی سنیے:

پاتی دیجو ہاتھ کی اودھو چرنن لاگ
نول رام درسن بنا نینن لاگے آگ

ایک دوہا موہن لال کا بھی سنیے جو غالباً مالکِ بیاض 'صاحب لال' کا عزیز ہوگا۔ دوہا یہ ہے:

کو جانے کا سوں کہوں کو پوچھے یہ بات
موہن موہن لال کے سندھ آئے سدھ جات

اس بیاض کی خصوصیات یہ ہیں:

1- گاف کے لیے ایک خاص علامت ہے، یعنی ایک مرکز بنا کر اُس پر چھوٹا سا ہندسہ، کا بنا دیا گیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نشان دہی کے لیے ایسا، کچھ کھینچ کر بنا دیتے ہیں۔

2- جی، پی وغیرہ دوحرفی اسما جب یاے مدہ پر ختم ہوتے ہیں تو اُن کے آخر میں بجاے واو کے ہاے مختفی ہے۔

3- مخلوطی اور غیر مخلوطی ہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

4- یاے معروف کو عموماً گول ی سے لکھا ہے، اور درمیان میں ایسی ی آئی ہے تو اُس کے نیچے چھوٹا الف لکھا ہے، جیسے 'انچ'۔

1096 ھ کی لکھی ہوئی جو بیاض دوہوں کے متعلق ملتی ہے اُسی سے منسلک چند اوراق ریختہ سے متعلق ہیں اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوراق بھی اسی کاتب کے لکھے ہوئے ہیں۔

آپ نے یہ مصرع تو بہت سنا ہوگا: بیکار مباش کچھ کیا کر۔ یہ دراصل ایک قطعے کا مصرع ہے جو اس بیاض میں موجود ہے۔ قطعہ اس طرح ہے:

بے کار مباش کچھ کیا کر　　　خونِ دلِ عاشقاں پیا کر
از رشتۂ زلفِ خویش ہردم　　　چاکِ دلِ عاشقاں سیا کر

اس بیاض میں ایک خاص غزل ریختے کی ہے جو امیر خسرو کی معلوم ہوتی ہے[1]۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے 'پنجاب میں اُردو' (پہلا اڈیشن، ص 127) میں امیر خسرو سے منسوب ایک غزل نقل کی ہے۔ اُس کا پہلا شعر یہ ہے:

خسرو کہے باتاں غضب دل میں نہ لاوے کچھ عجب
قدرت خدا کی ہے عجب جب جیو دیا گل لائے کر

قاضی فضل حق صاحب نے 'اورینٹل کالج میگزین' (مئی 1937، ص 95) میں امیر خسرو کی جو غزل نقل کی ہے اُس کا مقطع بھی اسی طرح ہے:

خسرو کہے باتاں عجب دلبر نہ پاوے اک قدر
قدرت خدا کی یہ عجب میں جی دیا پر لائے کر

لیکن ہماری بیاض میں جو اشعار ہیں، وہ ردیف کے علاوہ قافیوں کے لحاظ سے بھی اسی غزل سے متعلق معلوم ہوتے ہیں، اور ان میں اس غزل کا مطلع بھی ہے:

تا کے خورم خونِ جگر کا سوں کہوں دکھ جائے کے
شورے فتادہ در تنم پی دے گئے سرکائے کے

ہر چند گفتم این سخن اے دل بکس رغبت مکن
ان کی برہ ہے اب کٹھن بھوتا رہے سمجھائے کے
از دردِ تو بے جاں شدم طاقت نمانده در تنم
کے پیت دے آوان کرد کے میوہ لیو مولائے کے
(استعانت)

اس کی خصوصیات بھی وہی ہیں جو دوہوں کی بیاض میں ہیں، یعنی:

1- گاف کے لیے ایک مرکز اور اُس پر، کا ہندسہ۔

2- ایک ہ کا اضافہ، جیسے 'پچھ کو' کو 'چھ' لکھا ہے، 'پی جی' وغیرہ میں ہائے مختفی بھی ہے۔

3- مخلوطی اور غیر مخلوطی ہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ی کے استعمال میں کسی طرح کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

1104ھ میں نقل کیا ہوا سولہ ورق کا ایک رسالہ ہے جس کا نام مصنف (ملک محمد جائسی) نے 'پریم کہانی' لکھا ہے:

کہے محمد پریم کہانی   سن لو سنتا بھیو گیانی

آخر میں یہ عبارت ہے:

'تمت تمام شد بتاریخ ہفتم شہر جمادی الاول، 1104ھ در شاہ جہاں آباد در حویلی لالہ حکومت رائے بہ اتمام رسید۔'

اس میں سات سات شعر کے بند ہیں اور تلسی داس کی 'رامائن' کی طرح ہر بند کے بعد ایک دوہا ضرور ہے۔ ایک بند اس طرح ہے:

پایا یوں مہدی کڑ میٹھا   ملا پنتھ جو درسن دےتھا
نانوں پیارا شیخ برہانوں   کلپی نگر کہنہ استھانوں
ادتھنہ درس کو سا یک پادا   الہ داد کر پنتھ لکھاوا
الہ داد جگ سدھ نویلا   سیّد محمد کے سکھ چیلا
جک جگ امر حضرت خواجے   حضرت نبی رسول نواجے
دانیال تو پر گھٹ کینھاں   حضرت خواج خضر پنتھ دنیاں

اس بند سے معلوم ہوا کہ اس رسالے کا مصنف محمد 'مہدوی' عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ اُس نے

مہدوی فرقے کے بانی سیّد محمد جونپوری (المتوفی 910ھ/ 1505) کے سلسلے کا ذکر کیا ہے کہ حضرت خواجہ خضر نے حضرت دانیال چشتیؒ کی رہبری فرمائی تھی۔ یہ بزرگ وہی ہیں جن کے نام پر اکبر نے اپنے ایک بیٹے کا نام 981ھ میں دانیال رکھا تھا۔ شاعر نے حضرت دانیال چشتی کے مرید سیّد محمد جونپوری اور اُن کے 'عشرہ مبشرہ' میں سے تلک اللہ داد کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملک موصوف کے مرید شیخ برہان تھے، حالاں کہ مہدوی کتابوں میں ان کو بھی سیّد محمد کے 'عشرہ مبشرہ' میں شمار کیا جاتا ہے[11]۔ اس مخطوطے کی خصوصیات یہ ہیں:

1- مخلوطی 'ہ' کو عموماً دوچشمی لکھا ہے۔
2- 'ٹ' پر چھوٹا 'ط' لکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں ایسے 'ط' کے نیچے دو نقطے بھی ہیں۔
3- 'گاف' پر ایک ہی مرکز ہے، اور کبھی کبھی دوسرا مرکز پیش دے کر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ خاص چیز ہے۔
4- حروفِ مدّہ سے پہلے اگر ن ہے تو ان کے بعد نونِ غنہ لگا دیا ہے، جیسے برہانون (برہانو) استھانون (استھانو) کینھاں (کینھا) دنیاں (دنیا) وغیرہ۔

غالباً گیارہویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ وفات نامۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، نہایت پاکیزہ نسخ خط میں ہے اور مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' کی املا کی کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ اُس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

موت کون سر پرَ تھاری انون — دنیا خواب کی باری جانُون
اُس مَی دور درازی ہودی — ایک تہی پیٹ تماشا جُودہی
دوجی تھیں جب نکلے بھار — تماشا اُس کا جائے بسار
دنیا کوں بھی یونہیں پچانوں — تعبیر اُس کی دل ماں آنون
تم کون کام نہ آویَ کوئی — جو بی دل سوں دیکھو جوئی
نیکی اوپر امید دھرو — بدی کرنی تھے بھوت ڈرو

اُس کی املائی خصوصیات یہ ہیں:

1- ٹ کے لیے چھوٹے 'ط' کی جگہ پر نقطے ہیں، اور ڈ کے لیے د پر ایک زبر ہے۔
2- جزم کو عموماً گول دائرے کی طرح لکھا ہے، لیکن جب ماقبل حرف مفتوح ہے، یا مجہول تو الٹا جزم مثلِ ہلال کے ہے۔

3- سوائے ایک آدھ جگہ کے اکثر مقامات پر مخلوطی ہ کو دو چشمی لکھا ہے۔
4- یائے معروف کے لیے مکسور حرف کے نیچے چھوٹا الف ہے۔

لسانی خصوصیات میں ے کے لیے تھیں اور تھے ملتا ہے۔ امر میں اور خصوصاً اُس وقت جب کہ واؤ سے پہلے ن ہے تو ایسے واؤ کے بعد نونِ غنہ آتا ہے۔ اسی طرح 'پہچانو' کے بجائے 'پچانوں' ہے۔ لازم مصدر 'آنا' کو متعدی بنا کر امر 'آنون' بنایا ہے جیسے اس مصرعے میں ہے:

ع تعبیر اس کی دل ماں آنون

اسی مصرعے میں 'دل میں' کی جگہ 'دل ماں' ہے جو برج سے متعلق ہے اور مثنوی بھی برج بھاشا کے ایک وزن میں ہے کہ فعلن، فعلن، فعلن، فعلن ہندی وزن بھی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور وفات نامہ ملتا ہے[12]، جو 1111ھ میں مرتب ہوا تھا، مخطوطے کے آخر میں یہ شعر ہیں:

هوا نسخہ یو ہجرت بعد سارا ہوئے تھے برس اک گیارہ سو گیارہ
دیا تون فیض کوں توفیق یارب کیا اس کے سبب امرِ مرتب[13]

یعنی فیض شاعر نے 1111ھ میں اسے مرتب کیا، مخطوطہ نسخ میں ہے۔ شروع کے کچھ اشعار یہ ہیں:

بنا اوّل کروں حمدِ خدا میں زباں اوپر اپس کی ابتدا میں
کیا قدرت سے ظاہر اپنی قدرت بنا کر جگ دیکھیا آپ اپنی حکمت
نہ تھا سو سب کیا ہر شے کو موجود کہوایا سب کسی کا آپ معبود
دیا ہر شے کوں اپنی آشنائی پچھانت کی دلان میں دی صفائی
کیا نین وصف کوئی اس کا نہایت کوئی جانا تو اتنا ہی زیادت
منجھے توفیق دے یارب تو بولوں زبان ہجرِ نبیؐ دکھنی میں کھولوں
کہوں صلوات کہ کو بعد ازاں میں نبیؐ جو نقل کیتے سوں بیاں میں

اس نسخے کی خصوصیات یہ ہیں:

1- اس میں عموماً مخلوطی ہ کو دو چشمی لکھا گیا ہے، بہت کم مقامات پر اس اُصول سے اختلاف ہے۔
2- یائے معروف اور یائے مجہول میں اکثر و بیشتر آج کل کے مطابق امتیاز ہے، لیکن

3- کاف اور گاف میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

ولی گجراتی (المتوفی 1119ھ) اور میر و سودا کے عہد کی زبان میں جو اجزا مشترک تھے، اُن کے متعلق ڈاکٹر عبدالستار صدیقی فرماتے ہیں:

'بوجھنا (پہچاننا)، بولنا (کہنا)، پون (ہوا)، پی، پیو سجن، موہن، پیونا (پینا)، تجھ، مجھ (تیرا، میرا)، جیو (جی)، لگ (تلک)، نین، نَین (آنکھ، آنکھیں) ستی، سیتی (سے) کنے (پاس) پنٹ، پنٹھ (بالکل، سراسر) یہ اور اس طرح کے بہت سے لفظ دکنی شاعروں کے کلام کے علاوہ دلّی، پنجاب، صوبہ متحدہ اور بہار میں اب تک بولے جاتے ہیں، کسی لفظ میں حروفِ علّت کا گھٹ کر ایک حرکت رہ جانا یا حرکت کا کھنچ کر حرفِ علّت ہو جانا، جیسے اُپر (اوپر)، دِکھو (دیکھیو)، لاگا (لگا)، لوہو (لہو)، اودھر، ایدھر، جیدھر، تشدید کا جاتا رہنا یا اکہرے حرف پر تشدید کا آجانا جیسے اتنا سے اتّا اور پھر اِما، اور پات سے پتّا ہو جانا۔ یہ سب صورتیں دلّی کے شاعروں کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ نونِ غنہ پرانے زمانے میں بہت تھا، یہاں تک کہ بعض لوگ فارسی لفظوں کو چہ، پیچ، پانچہ کو کونچہ، پینچ، پائنچہ لکھا کرتے تھے... ملفوظ ہ خاص کر دلّی اور پچھاں کے اور مقامات میں اکثر بولی جاتی رہتی ہے۔ اور اس کی جگہ اکثر ایک مخلوط ی یا ہمزہ لے لیتا ہے۔ جیسے بہت کی جگہ بوت، کہتا کے لیے کیتا، کہوں (کتنوں) اسی طرح کئین یا کئن اور دئن اور نین عام طور پر سنا جاتا ہے۔... ملفوظ ہ کہیں حذف ہو جاتی ہے، جیسے گھبراہٹ سے گھبراٹ اور کہیں مخلوط ہو جاتی ہے، جیسے وہاں سے دھاں، یہاں سے یھاں۔ کہیں مخلوط ہ اپنی جگہ بدل لیتی ہے، جیسے گڑھنا (گھڑنا)۔ بعضے لفظوں میں ان دونوں کا قلب اور ابدال ایک ساتھ ہوا ہے جیسے پہچان اور پچھان، پہونچا اور پونچھا۔ لفظ کے بیچ یا آخر میں سے مخلوط ھ اکثر جاتی رہتی ہے اور بھوک (بھوکھ)، تڑپ (تڑپھ)، دھوکا (دھوکھا)، سامنا (سامھنا)، مانجنا (مانجھنا)، بھکاری، (بھکھاری) اب سے

تھوڑے دن پہلے تک دونوں طرح سے لکھے جاتے رہے ہیں[۱۴]۔'

تقریباً بارہویں صدی ہجری میں گلستانِ سعدی کا دکھنی زبان میں ترجمہ ہوا۔ بندہ ہماں یہ کہ... الخ اور اس کے بعد کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے:

'بندہ وہ بہتر ہے کہ تقصیر سے اپنے عذر بیچہ درکاہ خدا کے لاوی۔ اور نے لائق ہے، صاحبی کون اُس کے کوئی نے سکتا کہ بجالاوی۔ رحمت بے حساب اس کا سب کے تئیں آکے پہنچایا۔ اور خوان طرح طرح کے نعمتوں بیدریغ اوس کا سب جگا کہیں چا، اور پردہ شرم بندوں کا ساتھ گناہ کے نی پہاڑتا۔ اور وظیفہ روزی کھانیوالوں کا ساتھ گناہ بد کے نے لیجاتا۔'

اس مخطوطے میں املا سے متعلق وہ تمام خامیاں ہیں، جو اَب دور ہو چکی ہیں۔ مثلاً یاے معروف اور مجہول کا کوئی امتیاز نہیں ہے، ک اور گ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پیش کے لیے ترکی کی تقلید میں واو کا استعمال ہے، جیسے 'اوس' اور پہونچایا۔ مخلوطی اور غیر مخلوطی ہ کا فرق بھی نہیں ہے۔ مرکّب الفاظ کہیں جڑے ہوئے ہیں اور کہیں بے جڑے ہیں۔ کہیں کہیں مفرد لفظ کے بھی ٹکڑے کر ڈالے ہیں، جیسے 'کھیں چا' البتہ ڑ کے لیے چار نقطے ہیں۔ اور 'نہیں' کو صرف 'نے' (فارسی کی طرح) لکھا ہے۔[۱۵]

اسی طرح کا ایک مخطوطہ 'لوائحِ جامی' کی شرح میں ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ شمالی ہند میں لکھا گیا ہے۔ اُس میں جستہ جستہ مقامات اس طرح ہیں:

'لائحہ نمبر 3۔ مکاشفہ بوجھوتم کہ بیچ اس لایحہ کے تاکید کرتے ہیں واسطے مراقبۂ دائمی کی۔ اور مراد نسبت سے مراقبہ ہے کہ بیچ گذرنے لایحہ کے مراقبہ فرمائے ہیں، واقفِ نفس باید بود یعنی واقف اپنے دم کے چاہے ہونا کہ ہوش دردم اس کو کہتے ہیں۔ رُخ گرچہ نمی نمائیم سال بسال رُخ دکھانے سے رویہ اور شہود ہے۔ سال بسال سے مراد ہے ہمیشہ وشہود دائمی ہے۔ یعنی عاشق کہتا ہے کہ مومن اگرچہ مین دکھاتا ہے تو مجھے ہمیشہ بیچ اس دنیا کے شہود دائمی محال ہے اسی واسطے یومنون بالغیب تعریف ہے بیچ حق مومنوں کے۔'

ایک جگہ ہے کہ:

'فقیر تھوڑا ایک رمز بولا ہے۔ باقی اللہ سمجھایکا اپنے طالبوں کو۔'

اس مخطوطے میں صرف ایک خصوصیت مزید یہ ہے کہ ڑ کے لیے بجاے چار نقطوں کے صرف تین نقطے ہیں۔

رحمت اللہ گجراتی جو غالباً بارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے، 'قصیدۂ غوثیہ' کا منظوم ترجمہ کرتا ہے، آخری شعر یہ ہیں:

قصیدۂ غوثیہ پونچا تمامی — مریداں تم کرو اُن کی غلامی
بیاں ہے رحمت اللہ جی نھایت — کروتم سامعاں کی اب رعایت

مخطوطے کے آخر میں یہ عبارت ہے:

'رقیمہ میاں اسمٰعیل ساکن دھوراجی۔'

یہ مخطوطہ پاکیزہ نسخ میں ہے اور ابتدائی اشعار یہ ہیں:

قدح مجھ وصل کا ھتی پلایا — میں تب شوقِ الٰہی کون بولایا
اسی مستی نے مجھ میں جوش کیتا — تبی یاران منین بازی میں جیتا

املائی خصوصیات یہ ہیں:

1- مخلوطی حروف سواے 'مجھ' کے اکثر بغیر 'ھ' کے ہیں جیسے تبھی کی جگہ 'تبی' ہے۔ اسی طرح 'پہنچا' کو 'پونچا' لکھا ہے۔

2- یاے معروف ومجہول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ جس یاے ساکن کے قبل زبر ہے اس 'ی' کو نصف دائرہ دیا ہے۔

بالکل انھی خصوصیات کا حامل ایک اور مخطوطہ بھی ملتا ہے، جو ارکانِ اسلام کے متعلق ایک سو اشعار پر مشتمل ہے اور اسی شاعر کی تصنیف ہے۔ آخری اشعار میں شاعر کا نام آتا ہے:

خدایا بخش سب مسلماں کوں — کہ دنیا میں ہمین بہ ایمان سون
کہے رحمت اللہ اے رب الرحیم — مجھے دین پر رکھ سدا مستقیم

عہدِ عالمگیری کے مشہور فارسی داں میر عبدالواسع ہانسوی نے 'غرائب اللغات' کے نام سے ایک فرہنگ لکھی تھی، جس میں ایسے ہندی الفاظ دیے گئے تھے، جن کے معنی آسانی سے فارسی لغات میں نہیں ملتے۔ 1165ھ میں سراج الدین علی خاں آرزو نے اُس فرہنگ کی تصحیح کی

اور زیادہ تر ایسے الفاظ پیش کیے ہیں جو گوالیری یعنی برج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس زبان کو وہ جگہ جگہ 'افصح السنۂ ہندی' کہتے ہیں۔ عبدالواسع نے عہدِ عالمگیر کی دہلوی زبان کے جو الفاظ پیش کیے وہ بھی ہمارے موضوع کے لیے مفید ہیں۔ انھوں نے 'ڑ' کو 'ڈ' ہی لکھا ہے۔ مثلاً ساڈھو (ساڑھو)، گڈھی (کڑھی)، جھاڈ (جھاڑ)، مسوڈھا (مسوڑھا) اسی طرح چلمن کو چلون، پانا کو پاونا، چڑانا کو چڑوانا، پھلانا کو پھلاونا لکھا ہے۔[16]

خان آرزو غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے دخیل الفاظ کے تلفظ اور املا کے متعلق یہ رائے دی ہے کہ وہی صورت اختیار کی جائے جو اہلِ زبان میں رواج پذیر ہو چکی ہو، اور ایسے لفظوں کے لیے اصلی زبان کی پیروی ضروری نہیں ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف آرزو کی 'نوادرالالفاظ' میں بلکہ عبدالواسع[17] کی 'غرائب اللغات' میں صوف کو سوف، صابن کو سابن، چاقو کو چاکو،[18] نقشہ کو نقشا، غلولہ کو غلولا لکھا گیا ہے۔

مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ اس عہد میں زبر، زیر، پیش کے لیے حروفِ علت کا رواج ہے، لیکن مخلوطی ہ کا رواج نہیں ہے۔ اسی طرح یاے معروف اور مجہول میں فرق نہیں ہے، لیکن 'ڈ' کے لیے 'ط' کی علامت عربی 4 کی طرح ہے، کہیں کہیں چار نقطے بھی ہیں۔

خان آرزو نے ایک اور بات پر بھی زور دیا ہے، یعنی ہندی الفاظ کے آخر میں ہاے مختفی لکھی جائے یا نہیں، اس سلسلے میں گزارش ہے کہ عالمگیر کے عہد میں فضائل خاں کے عرض کرنے پر کہ ہندی رسمِ خط میں اسم و کلمہ کے آخر میں 'ہ' نہیں آیا کرتی، بلکہ الف ہوتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے۔ عالمگیر نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دے دیا کہ آئندہ ایسے کلمے الف کے ساتھ لکھے جائیں، یعنی مالوہ کو مالوا، بنگالہ کو بنگالا... اس فرمان کی تعمیل نہ صرف شاہی دفاتر اور ٹکسالوں میں ہوئی بلکہ اُردو خواں لوگوں نے بھی یہی املا اختیار کر لیا۔[19] خان آرزو نے اس عالمگیری فرمان پر محاکمہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

> 'بداں کہ ایں قسم لفظ کہ آخر آں ہاے مختفی بود، فارسیاں آں را بہاے مختفی تلفظ کنند و ہندیاں با الف، مثلاً بنگالا دم الوا و روپیا کہ زرِ رائج ہندوستان ست آنہا بنگالہ و مالوہ و روپیہ گویند و نویسند، چنانچہ از کلامِ اساتذہ و محاورۂ اہلِ زبان بہ ثبوت رسید۔ پس در ہندی ایں قسم الفاظ را بہ ہاے مختفی خواندن غلط باشد و در فارسی بہ الف، و آنچہ در عہدِ عالمگیری

> ایں قاعدہ برہم خوردہ بود و در دفاتر بنگالہ و مالوہ وغیرہما بہ الف می نوشتند
> محض غلط ومنشا آں غفلت از تحقیق است[۲۰]۔

بات صرف یہ ہے کہ بعض شعرا نے ایسے الفاظ کا قافیہ ہائے مختتمہ والے الفاظ کے ساتھ باندھا ہے، اس لیے خان آرزو نے یہ حکم لگایا ہے، ورنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہندی الفاظ جو الف پر ختم ہوتے ہیں، محض عربی اور فارسی کی تقلید میں ہائے مختفی سے لکھے گئے تھے۔

'تاریخِ غریبی' جو 1170ھ میں لکھی گئی، اس میں املا کی خصوصیات یہ ہیں:

1- ٹ کے لیے چار نقطے اوپر دیے گئے ہیں، مثلاً بات ، تھوڑا۔

2- ڈ، ڑ کے لیے پ اور چ کی طرح تین نقطے نیچے دیے گئے ہیں، جیسے ڈال، چھاپڑ، لڑکا۔

3- ہندی کے... کے لیے 'نژ' لکھا گیا ہے، جیسے کھانا کو کھاپرا، دانہ کو دانپرا۔

4- یائے معروف و مجہول ہائے ہوز اور دو چشمی کاف اور گاف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

5- عربی اور فارسی الفاظ جو 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں، الف سے لکھے گئے ہیں، مثلاً قصا، حصا، خزانا، پیشا، اندیشا، ہمیشا وغیرہ۔[۲۱]

اسی زمانے میں یعنی بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں طباعت کا سلسلہ ہندستان میں شروع ہوا۔ عبداللہ یوسف علی نے 'کلکتہ گزٹ' کا پہلا نمبر مورخہ 4 مارچ 1784 دیکھا تھا، جس میں 'خلاصۂ اخبار دربارِ معلیٰ بہ دارالخلافت شاہ جہاں آباد' کے عنوان سے ایک کالم فارسی ٹائپ میں چھپا ہوا تھا[۲۲]۔ یہ دراصل مغل شاہنشاہ کے دربار میں 'واقعہ نویس' کا روزنامچہ تھا، جس کے روزمرہ کے واقعات فارسی کے مقابل کالم میں انگریزی ترجمے کے ساتھ شایع ہوتے تھے۔ پھر یہ سلسلہ کچھ عرصے کے بعد شروع ہوا، یعنی منشی سداسکھ کی ادارت میں 28 مارچ 1822 میں 'سماچار درپن' فارسی اڈیشن 'جامِ جہاں نما' کے نام سے شایع ہوا، جس میں آدھا حصہ فارسی میں اور آدھا اُردو میں ہوتا تھا۔ یہ پہلا اُردو اخبار تھا۔ پھر 6 مئی 1823 کو ماتھر موہن متر کی ادارت میں 'شمس الاخبار' شایع ہوا، وہ بھی آدھا فارسی میں اور آدھا اُردو میں ہوتا تھا[۲۳]۔ تاہم اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں نستعلیق ٹائپ کا جو نمونہ[۲۴] دستیاب ہوتا ہے اس میں املائی خصوصیات یہ ہیں:

1- یائے ساکن کے پہلے اگر زیر آتا ہے تو اُسے نصف دائرہ دیا گیا ہے، جیسے ھــــی ، شــی۔

2- یاے معرف ومجہول میں گول اور لمبی یے والا فرق ہے۔
3- مخلوطی ھ جو ہندی کی ہے، اُسے دوچشمی ھ سے لکھا گیا ہے
4- ٹ وغیرہ کے لیے موجودہ ٹائپ کی طرح دو نقطے اور اُن کے اوپر ایک ڈیش (چھوٹا خط) لگا دیا گیا ہے۔

یہی اُصول بعد میں فورٹ ولیم کالج والوں کی کتابوں میں رائج ہوئے تاہم اٹھارہویں صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہی یعنی 1222ھ/ 1802 میں انشا نے 'دریاے لطافت' لکھی اور اس کتاب میں املا کے لیے یہ اُصول بھی پیش کیے ہیں:

'کبھی امر حاضر مفرد پر ہمزہ اور یاے مجہول زیادہ کر کے جمع بناتے ہیں، جیسے اُٹھیے، کبھی ہمزہ سے پہلے جیم مکسور (فعل متعدی میں) بڑھاتے ہیں، جیسے کیجیے، لیجیے، دیجیے... (لیکن یہاں) جیم وغیرہ کے بعد ہمزہ کا حذف... جائز بلکہ زیادہ فصیح ہے[۲۵]'

اس بات پر انشا نے زور دیا ہے کہ کیجیے، لیجیے وغیرہ پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے، اور حقیقت بھی ہے کہ ہمزہ اور 'ے' کا تلفظ 'اے' ہوتا ہے، 'یے' نہیں ہوتا، جو مطلوب ہے، لیکن اس اُصول پر نہ صرف انشا نے زور دیا ہے بلکہ ہم نے دکن کے متعدد مخطوطات میں ایسی جگہ ہمزہ نہیں[۲۶] دیکھا۔ ہمارے پاس ایک مثنوی 'جنگِ بدر' کے متعلق ہے اُس میں ایسے مقامات پر کہیں ہمزہ نہیں ہے، مثلاً:

لگا پوچھنے کون ہے کیوں اضطراب   دیے اوس کوں عباس نے یوں جواب
دیے اُس کوں انکار سیتی جواب   کہا پھر وہ ملعون نے کر یوں خطاب

2- پھر انشا فرماتے ہیں کہ:

'ایدھر، کیدھر، اودھر (اوس وغیرہ) کو... کتابت میں ضمّے کی رعایت سے واو اور کسرے کی رعایت سے ہی لکھ دیتے ہیں اور بعضے نہیں لکھتے۔ صحیح وہ ہیں جو نہیں لکھتے، کیوں کہ اگر ترکی کے قاعدے کے مطابق حرفِ مضموم کے بعد 'واو' اور حرفِ مکسور کے بعد 'ی' لکھنا ضروری ہے تو حرفِ مفتوح کے بعد 'الف' بھی لکھنا چاہیے (لیکن) ایسا نہیں ہوتا، چناں چہ رہا، کہا، چلا کو (ترکی کی تقلید میں) راہا، کاہا، چالا نہیں لکھتے (تو پھر بلاوجہ) اُردو

میں ترکی کی ٹانگ توڑنے کے کیا معنی؟ (اسی طرح) لفظ اس (اشارۂ قریب) میں 'یا' نہیں لکھتے، لفظ اُس میں واؤ لکھتے ہیں، اس بیچارے نے کیا قصور کیا کہ بغیر 'یا' کے لکھتے ہیں[27]...اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اُس اور ایسے تمام اُردو لفظوں میں جن میں ضمہ بغیر واؤ کے آواز دیتا ہے، واؤ کا لکھنا صحیح نہیں، ایسا ہی حال 'ی' کا ہے، جس حرف کے بعد تلفظ میں اس کا اظہار ہو تو کتابت بھی درست ہے ورنہ غلط[28]'۔

3- انشا کا تیسرا اُصول یہ ہے کہ جن ضمائر کے بعد 'ی' مستعمل ہوتا ہے وہاں 'ی' کو مستقل جز کے بجائے ادغام کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ 'انہیں' اصل میں 'اُن ہی سے' ہے، لیکن اب نقل کا استعمال اصل سے بہتر سمجھا جاتا ہے[29]۔

4- چوتھی چیز انشا کے نزدیک یہ ہے کہ 'جس لفظ کے آخر میں 'الف' ('یا 'ہ') ہو اور اُس کے بعد حروف جارّہ، فاعلیت، مفعولیت اور اضافت کی حالت میں آئیں تو وہ 'الف' ('یا 'ہ') 'یے' سے بدل جائے گا اور یہ تبدیلی دراصل متغیرات میں داخل نہیں[30]'۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ہم 'ایک لڑکا نے' کے بجائے 'ایک لڑکے نے' تو لکھتے ہیں، لیکن 'اس معاملے میں' کے بجائے 'اس معاملہ میں' لکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔

5- پانچویں چیز انشا کے یہاں (مفرد اور جمع کے بیان میں) یہ ہے کہ اُردو الفاظ کے آخر میں 'ہ' کے بجائے 'الف' ہی ہونا چاہیے، مثلاً پیڑا، کیلا، اندرسا، کھیرا، چیتا، پپیہا وغیرہ کو وہ 'الف' سے لکھتے ہیں[31]۔

یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ عالمگیر نے فضائل خاں کی تجویز پر حکم جاری کیا تھا۔ پھر اُسی پر خان آرزو کا محاکمہ بھی ہم دیکھ چکے ہیں۔

انشا کے بعد غالب نے املا کے اُصولوں پر زور دیا ہے۔ چناں چہ وہ بار بار اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ مثلاً منشی بہاری لال مشتاق کو لکھتے ہیں:

> 'یہ تقلید اور انشا پردازوں کے تمھاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں تم کو جابجا آگاہ کرتا ہوں خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائد ہو جائے[32]'۔

قدر بلگرامی کو بھی لکھتے ہیں کہ:

'صاحب تم نے مثنوی خوب لکھی ہے۔ کہیں املا میں کہیں انشا میں جو اغلاط
تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اُس کے تحت میں لکھ دی'[۴۳]

غالبؔ کے بعض اُصول یہ تھے:

1- وہ 'ذ' کو عربی حرف سمجھتے تھے، اس لیے فارسی اور ہندی لفظوں میں ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع بھی استعمال نہیں کرتے تھے، لیکن 'ذ' کو غالبؔ نے معلوم نہیں کس وجہ سے فارسی لفظوں سے خارج کیا جب کہ وہ نذر و آذر (آتش) اور کاغذ میں لکھا جاتا ہے۔ اس حرف کے متعلق صحیح تحقیق ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

'گذشتن، گذاشتن، پذیرفتن یہ سب ذال سے ہیں، البتہ گزاردن 'زے'
سے صحیح ہے۔ مرزا غالب نے پہلے نادانی سے پھر سخن پروری اور سینہ زوری
سے ذال کو فارسی سے خارج کرنے کی کوشش کی، اُردو میں یہ لفظ 'زے'
سے لکھیے تو مضائقہ نہیں مگر فارسی میں ذال لکھنا ضروری ہے'[۴۴]

اس سلسلے میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ اُردو والوں نے خواہ مخواہ بھی ذال کو لکھنا چاہا ہے۔ مثلاً بحرِ زخار کو بہت سے لوگ ذال سے لکھتے ہیں، حالاں کہ 'زے' سے صحیح ہے اور 'امنڈتا ہوا چڑھا ہوا' کے معنی میں آتا ہے۔ بعض لوگ زکریا کو بھی ذال سے لکھ دینے میں تامل نہیں کرتے، ذات بمعنی 'قوم و نژاد' دراصل سنسکرت जाति سے بنا ہے، اُسے بھی ذات (شخصیت) یعنی ذال سے لکھتے ہیں۔ یہی حال آزوقہ کا ہے جسے غلطی سے ذال سے لکھ دیا جاتا ہے۔ ذرّہ بمعنی 'تھوڑا اور کم' سے ہم نے ایک لفظ 'ذرا' بنالیا جو معنی تلفظ اور استعمال میں مختلف ہو گیا، اس لیے 'زے' سے لکھنا بہتر ہے۔ حالاں کہ غالبؔ سے پہلے رنگینؔ تو اس نئے معنی میں بھی 'ذرّہ' لکھتے تھے۔ مثلاً:

ذرّہ اس تاگے کو تو دینا ہلا[۴۵]

2- اورنگ زیب اور انشاؔ کی طرح غالبؔ کا اُصول یہ تھا، اور یہ صحیح تھا کہ جن لفظوں کی اصل فارسی یا عربی نہیں ہے اُن میں مختفی 'ہ' نہیں آسکتی۔[۴۶]

3- تیسری چیز غالبؔ نے یہ قائم کی کہ فارسی کے لفظ بھی جب اُردو محاورے میں آئیں تو ان کو 'الف' سے لکھنا چاہیے، جیسے 'اور مزا یہ کہ'، لیکن مزۂ طعام وغیرہ موقعوں پر وہ بے شک مختفی 'ہ' لکھتے تھے۔[۴۷]

4- چوتھی چیز جس پر غالبؔ بہت زور دیتے تھے، وہ یاے تحتانی کے متعلق ہے۔ مرزا تفتہؔ کو لکھتے ہیں:

'صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو... غلطی میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے؟ یاد رکھو یاے تحتانی تین طرح پر ہے: (1) جزوِ کلمہ:

ع: ہمارے بر سرِ مرغاں ازاں شرف دارد

اور

اے سرِ نامہ نامِ تو عقل گرہ کشاے را

یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یاے تحتانی ہے، جزوِ کلمہ ہے۔ اس پر ہمزہ لکھنا عقل کو گالی دینا ہے (2) دوسری یاے تحتانی مضاف ہے، صرف اضافت کا کسرہ ہے، ہمزہ وہاں بھی مخل ہے، جیسے آسیاے چرخ، یا آشناے قدیم۔ توصیفی، اضافی، بیانی، کسی طرح کا کسرہ ہو، ہمزہ نہیں چاہتا۔ فداے تو شوم، رہنماے تو شوم، یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ (3) تیسری دو طرح پر ہے، یاے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری طرح توحید و تنکیر، وہ مجہول ہوگی۔ مصدری (کی مثال) آشنائی، یہاں ہمزہ ضرور بلکہ نہ لکھنا عقل کا قصور، توحیدی (کی مثال) آشناے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے دانا نہ کہاؤ گے... خستہ، بستہ، غازہ،، خانہ... وغیرہ ہزار لفظ ہیں کہ اُن کے آگے جب یاے توحیدی آتی ہے تو اُس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ (اسی طرح) زرہٗ گرہ، کلاہ، شاہ... ایسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے تو زرہی، گرہی، کلاہی، شاہی... لکھ دیتے ہیں'[۳۸]

اسی کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو لفظ مختفی 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں، اضافت کی حالت میں اُن کے آخر میں ہمزہ لکھتے ہیں، یعنی ہمزہ یا تو کسرۂ اضافت کا قائم مقام ہے یا پھر یاے وحدت کا، جیسے:

آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش

ہمزہ ماضی قریب واحد حاضر میں بھی 'ی' کے بجاے ہوتا ہے، لیکن عطف کے واؤ سے پہلے

اضافت کا ہمزہ نہیں آتا۔ البتہ وحدت یا حاضر (مخاطب) کا ہمزہ آتا ہے، جیسے:

عجیب واقعہ و غریب حادثہ ایست

اور جیسے کوئی کہے 'خوش آمدہ وصفا آوردہ'۔[۳۹]

ان کے علاوہ شبہہ اور جبہہ کو دوہ کے ساتھ لکھتے ہیں (خطوطِ غالب، مہیش پرشاد نمبر 9) اور یہی صحیح بھی ہے۔ خط نمبر 331 سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خرشید بغیر واؤ کے لکھتے تھے۔ البتہ صرف 'خور' کو (غالباً التباس کے خوف سے) واؤ کے ساتھ لکھتے تھے۔ جنوں بریلوی کے خط میں پانو، گانو، چھانو وغیرہ میں نونِ غنہ پہلے اور واؤ بعد میں لکھا ہے، لیکن 'گھنسیٹا' کے بجائے 'گھسیٹا' صحیح کہا ہے۔ 'ہاتھ' کو وہ 'ہات' لکھتے تھے اور 'ہاتھی' کو 'ہاتی'۔[۴۰] لیکن خط نمبر 146 (خطوطِ غالب) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ 'تڑپھنا' کے بجائے 'تڑپنا' صحیح سمجھتے تھے۔ خط نمبر 48 سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاقو کو 'چاک کردن' سے مشتق مان کر 'چاکو' لکھتے تھے، حالاں کہ چاقو ترکی لفظ ہے۔

ان پابندیوں کے باوجود غالب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (1) معروف و مجہول 'ے' اور 'واؤ' میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ (2) ہائے مخلوطی کے لیے دوچشمی ھ کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ (3) ترکی کی تقلید میں پیش کی حرکت واؤ سے ظاہر کرتے تھے۔ (4) لکھیے سمجھیے وغیرہ پر پہلے ہمزہ لکھتے تھے، لیکن بعد میں ہمزہ سے ایسی چڑ پیدا ہوئی کہ جہاں اس کی ضرورت تھی وہاں سے بھی علاحدہ کر دیا، مثلاً آجائے، لائے، لگ جائے گی، آئے ہو، ہوئے وغیرہ افعال پر سے ہمزہ قلم زد کر دیا۔[۴۱]

ان بزرگوں کے بعد اور اب سے 46 سال پہلے یعنی مئی 1905 کے رسالہ 'فصیح الملک' میں مولانا احسن مارہروی مرحوم نے املا پر بہت زور دیا اور اُس زمانے تک جو اُصول قائم ہو چکے تھے اُن پر بڑی پابندی کے ساتھ عمل شروع کیا۔ انھوں نے خصوصاً ان باتوں پر زور دیا:

1- ہی کو جب ضمیر کا آخری جز بنایا جائے تو 'وہ ہی' اور 'یہ ہی' کے بجائے 'وہی' اور 'یہی' لکھا جائے، لیکن مولانا احسن مارہروی نے تمھیں، اُنھیں اور ہمیں میں اشباعی الف نیچے لکھ کر تمھیں، انھیں اور ہمیں (بجائے تھی، انھی کے) لکھنا پسند کیا ہے۔ اسی طرح وہ 'یوں ہی' کے بجائے 'یونہیں' نثر و نظم دونوں میں لکھتے تھے۔[۴۲]

2- دیکھیے، دیجیے، اِس لیے وغیرہ میں 'ے' کے پہلے ہمزہ نہ لکھا جائے۔

3- ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی نہ ہو، بلکہ الف ہو۔ جیسے پتا، بھروسا، سامنا،

دھوکا، کلیجا، مہینا، ٹھیکا وغیرہ۔ اسی طرح حلوا[1]، معما، تمنا، چلیپا، ناشتا وغیرہ میں خواہ مخواہ 'ہ' نہ لکھی جائے۔

4- جس لفظ کے آخر میں 'ہ' آئے تو فاعلیت، مفعولیت اور اضافت کی حالت میں اسے 'ے' سے لکھا جائے، جیسے 'کسی زمانے میں'۔ اسی طرح حالتِ ترکیبی یعنی اضافت و عطف میں بھی عربی فارسی الفاظ اسی طرح لکھے جائیں جس طرح بولے جاتے ہیں۔ مثلاً 'لب و لہجے میں'، 'مقدمے بازی میں' وغیرہ۔

5- مولانا احسن اسی رسالے میں لکھتے ہیں کہ:

'یاے معروف و مجہول کا لحاظ تو عام طور پر کیا جاتا ہے مگر یاے ماقبل مفتوح کی کتابت کوئی خاص نہیں، اُس کے لیے نصف دائرہ مناسب ہے۔ جیسے مے، شے وغیرہ۔'

6- نون کے متعلق لکھتے ہیں:

'نون کا تلفظ اُردو میں دو طرح ہے۔ جو نون آخر لفظ میں ظاہر کر کے پڑھا جائے وہ نقطے دار ہوگا، جیسے جان، تان۔ اور جو اس طرح ظاہر نہ ہو اُس میں نقطہ نہ ہوگا، جیسے یہاں، کہاں۔ درمیان لفظ میں اگر نون بالاظہار ہو تو اُس پر معمولاً صرف نقطہ ہوگا، جیسے تنکا۔ اور اگر باعلان نہ ہو تو اُس پر نقطہ کے بجاے یہ نشان (٘) الٹا جزم ہوگا، جیسے تانبا۔'

اسی طرح ہاے مخلوط کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

'ہمارے نزدیک صرف وہی ہے جو ہجّوں میں اپنے اوّل و آخر حروف سے ملے، جیسے بھی، بھان۔ اس کی کتابت دو چشمی ھ سے ہوگی، باقی ہر لفظ میں ایک ایک شوشے سے لکھی جائے گی، جیسے کہیں، جگہ، ہو وغیرہ۔'

7- اسی رسالے میں مولانا لکھتے ہیں کہ:

'جو الفاظ الگ لکھے جانے میں اجنبی نہیں معلوم ہوتے اور جن کی ترکیب بھی جداگانہ ہے، اکثر جدا جدا لکھے جائیں گے جیسے آئیں گے، ہوں گے، جس کی، آپس میں، غرض کہ، بل کہ، کیوں کہ، علاحدہ، حال آں کہ، چناں چہ، چوں کہ، کون سی، اس واسطے کہ، دل چسپ، دل کش،

ہم سر، کم یاب، دست یاب، خوب صورت وغیرہ۔'

ان کے علاوہ مولانا احسن مارہروی مرحوم نے رسالہ 'فصیح الملک' (اگست 1905) اور 'تاریخ نثرِ اُردو' (صفحہ 59-356) میں بہت سے الفاظ کی صحت پر زور دیا ہے۔ وہ 'دائم المریض' بلکہ 'دائم المرض'؛ 'روحِ رواں' نہیں بلکہ 'روح وروان' لکھتے تھے۔ اہلِ دہلی کی طرح ایجاد کو مذکر اور طرز کو مونث لکھتے تھے۔ اژدحام کو ازدحام، فی زمانہ کو فی زمانا، سینکڑوں کو سیکڑوں، جھونٹ کو جھوٹ، سونچ کو سوچ، پرواہ کو پروا، روپئے کو 'رُپے' 'عش عش اور عیر دونوں کو الف سے اور خود دونوں کو آخر نونِ غنہ سے لکھتے تھے۔ عربی 'ۃ' پر صرف تنوین لکھنے پر زور دیتے تھے، مثلاً فطرۃً، قدرۃً، ضرورۃً، دفعۃً، مقابلۃً، نسبۃً وغیرہ، لیکن یتیم کے ساتھ لیسر (بمعنی قلیل) اور وجیہ کے ساتھ شکیل (مترادف) کو غلط سمجھتے تھے۔ غالبؔ کی طرح وہ بھی گذشتن، گزر وغیرہ کو 'زے' سے لکھتے تھے۔ لوٹنا کی جگہ پلٹنا، ناراضگی کی بہ نسبت ناراضی اور جا کے، کھا کے وغیرہ کی جگہ جا کر کھا کر کو فصیح سمجھتے تھے۔

ان کے بعد فنِ املا کے امام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے بار بار اس کی اصلاح اور ترمیم پر زور دیا ہے۔ رسالہ 'اُردو' (اکتوبر 1923)، رسالہ 'ہندوستانی' (جنوری 1931- جولائی 1932) وغیرہ میں وقتاً فوقتاً اپنے بلند پایہ مضامین لکھے ہیں۔ پھر یہی اُصول اخبار 'ہماری زبان' (یکم اگست 1941) اور رسالہ 'اُردو' (جنوری 1944) میں شائع ہوتے ہیں جو انجمن ترقی اُردو (ہند) نے اختیار کیے ہیں۔

خلاصہ:

شروع میں خطِ نسخ کا رواج زیادہ تھا، اسی لیے پشتو، سندھی اور پنجابی آج بھی نسخ میں لکھی جاتی ہیں۔ 825ھ کی تصنیف کی ہوئی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' (جس کا سالِ کتابت معلوم نہیں) نسخ میں ہے۔

8- گیارہویں صدی ہجری کے اکثر مخطوطات نسخ میں ملتے ہیں، پھر 1111ھ کا لکھا ہوا وفات نامہ (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پاکیزہ نسخ میں ہے۔ اس کے بعد رحمت اللہ گجراتی کے رسالے بھی نسخ میں ملتے ہیں اور غالباً اسی صدی کے آخر کا ایک مخطوطہ 'فالِ وجودی' بھی نسخ میں ہے۔ وہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

'اوّل چاهیی که بوُجی که انسان کی جسم میں شمس و
قمر کون کهتی هیں، بوجنا که جمنی (داهنے) سوراخ
کون شمس کهتی هیں اور دابی (بائیں) سوراخ کون
قمر کهتی هیں، جب حرارت غالب هووی، تب شمس
کون بند کری، دونی سین اور سردی غالب هووی تب
قمر کون بند کری اور کبهی همیشه دن کون شمس بند
کری، اور رات کون قمر.'

لیکن شمالی ہند اور دکن میں یہ مخطوطات دسویں اور گیارہویں صدی ہجری سے ضرور نستعلیق میں پائے جاتے ہیں۔[۴۴]

'گ' کے لیے نویں صدی ہجری میں کاف عربی کے نیچے تین نقطے لکھے جاتے تھے۔[۴۵] 1096ھ کی لکھی ہوئی ایک بیاض میں 'گ' کے لیے ایک مرکز ہے، اور اس پر ے کا ہندسہ ہے۔ 1104ھ کی لکھی ہوئی بیاض میں 'گ' پر ایک مرکز ہے۔ اور کبھی کبھی ایک پیش بھی ہے۔ اسی بیاض میں ٹ پر چھوٹا 'ط' بھی ملتا ہے اور کہیں کہیں اُس کے نیچے دو نقطے بھی ہیں۔[۴۶]

دسویں صدی ہجری کے ایک مخطوطے میں مشدّد حروف کو دو بار لکھا گیا ہے، اسی طرح الف ممدودہ کو دو الف کی شکل میں لکھا جاتا تھا اور الف مدّہ کے لیے زبر اور مد دونوں ہوتے تھے۔ گیارہویں صدی ہجری میں ٹ کے لیے 'ط' کے علاوہ چار نقطے بھی ایک بیاض میں ملتے ہیں۔ اور ڈ کے لیے دال پر ایک زبر، اسی بیاض میں مخلوطی ھ اکثر نظر آتی ہے اور جزم کو عموماً گول دائرے کی طرح لکھا ہے، لیکن جہاں ماقبل حرف مفتوح یا مجہول ہے تو وہاں الٹا جزم مثلاً ہلال کے ھی۔ اسی مخطوطے میں یاے معروف کے لیے حرف مکسور کے نیچے چھوٹا الف ملتا ہے۔ شیرانی مرحوم نے لکھا ہے کہ:

'ٹ، ڈ، ڑ پر پہلے تین تین نقاط بعد میں چار چار نقاط لگائے جانے لگے اور گجرات میں بارہویں صدی ہجری کی ابتدا میں ان پر ضرب کی علامت × لگائی جاتی تھی۔'[۴۷]

تین نقطوں والے 'ڑ' کی مثال ہم کو بارہویں صدی ہجری کے ایک مخطوطے میں بھی ملی ہے، جو 'لوائحِ جامی' کی شرح ہے اور اسی صدی کے ترجمۂ 'گلستاں' میں 'ڑ' پر چار نقطے ملتے ہیں۔

اسی صدی کے ایک مخطوطے میں 'ڈ' کے لیے دال پر دو نقطے اور اُس پر ڈیش (—) ہے۔ یہی چیز ہم کو اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر کے نستعلیق ٹائپ میں ملتی ہے۔

اسی صدی میں رحمت اللہ گجراتی کے نسخوں میں کہیں کہیں یاے ساکن کے قبل اگر زبر ہے تو اُس 'یا' کو نصف دائرہ دیا گیا ہے۔ پھر اورنگ زیب کے فرمان کے بہ موجب وہ ہندی الفاظ جو فارسی کی تقلید میں مختفی 'ہ' پر ختم کیے جاتے تھے، الف سے لکھے جانے لگے، اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں جب نستعلیق ٹائپ شروع ہوا تو بہت کچھ ترقی یافتہ املا کا رواج ہونے لگا۔ ان کے بعد انشا اور غالب وغیرہ نے جو اصلاحیں اور تجویزیں اس فن سے متعلق پیش کی تھیں وہ سب اوپر آ چکی ہیں۔ اب ہمارے اساتذہ کا فرض ہے کہ زبان کی یک رنگی کو قائم رکھنے کے لیے اپنے اسلاف کی کوششوں پر نظر رکھتے ہوئے آسان اور بہتر اُصول اختیار کریں تا کہ مبتدی بھی کوئی دقت محسوس نہ کرے۔

~~~~~~~~

حواشی:

۱۔ معارف (جون 1981)۔
۲۔ رسالہ 'اُردو' جولائی 1945، ص 265۔
۳۔ لیکن اس کا سالِ کتابت معلوم نہیں ہے۔
۴۔ مولانا راشد برہان پوری کا کتب خانہ۔
۵۔ مولوی عبدالحق صاحب کا ذاتی کتاب خانہ، کراچی۔
۶۔ یہ نسخہ بھی مولوی عبدالحق صاحب کے یہاں ہے۔ راقم الحروف نے 'معارف' (جنوری 1940) میں ولی ویلوری کی تین مثنویوں کے ساتھ 1000ھ کی مثنوی 'پند نامہ' اور 1004ھ کی 'اساس المصلیٰ' کا ذکر بھی کیا تھا۔
۷۔ ایضاً۔
۸۔ ابن نشاطی کی 'پھول بن' کے جواب میں ہنر نے تتبّعِ در پن 1144ھ لکھی تھی (اُردوے قدیم، از حکیم شمس اللہ قادری، ص 100)۔ سیّد محمد والہ (المتوفی 1184ھ) نے بھی اُس کے جواب میں مثنوی 'سہنی وطالب' لکھی تھی۔ والہ لکھتا ہے:

سنیا ہوں میں قصہ اک ہور وزن کا | بندھا ابن نشاطی 'پھول بن' کا
ولے دو دلکو نین لگتا ہے چنداں | نہ ہوتا طبع کا پھول اس سوں خنداں
~~~~~~~~

والہ کی مثنوی میر کی 'دیارے عشق' اور مصطفیٰ کی 'بحرالحبت' سے ملتی جلتی ہے۔

۹ یہ نسخہ بھی مولوی عبدالحق صاحب کے یہاں ہے، لیکن اس کے آخر میں ایک جگہ 1150ھ لکھا ہوا ہے، اس کے بعد جن مخطوطات کا ذکر اس مضمون میں آئے گا، وہ اکثر مولانا راشد صاحب برہان پوری کی ملکیت میں ہیں۔

۱۰ خسرو کا ایک دوہا 'سب رس'، ص 218 میں ملتا ہے:

پنکھا ہو کر میں ڈلی ساقی تیرا چاؤ   منجھ جلتے جنم گیا تیرے لیکھن پاؤ

۱۱ راقم کے پاس مہدوی مذہب کے بانی سیّد محمد جونپوری کی شہادت کے متعلق ایک مثنوی دکھنی زبان میں شرف الدین کی موجود ہے۔ اس میں ملک الہ داد وغیرہ کا حال بھی ملتا ہے۔

۱۲ امین گجراتی نے 1109ھ میں مثنوی 'یوسف زلیخا' لکھی تھی۔ اُس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولادت نامہ بھی لکھا تھا، اُس کے چند اشعار یہ ہیں:

اس ذکر کے صدقے چلا جاوے امین اندر بہشت
عاصی کو بخشا چاہے توں بخشش تجھے سب ہے سکت
مطلب رہے تھے درمیان اس کا بیاں بولون تون میں
آکر پڑے تھے یک گرہ اب وہ گرہ کھونون سون میں

۱۳ یہ شعر صحیح نہیں پڑھا گیا اس لیے صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ...... تخلص ہے بھی یا نہیں۔

۱۴ رسالہ 'اُردو' جولائی 1945، ص 292۔

۱۵ عبداللہ فتحی گجراتی کا 'قیامت نامہ' جو 1148 میں لکھا گیا، اسی قسم کی املا پر مشتمل ہے۔ اس میں دجّال کی دال پر چار نقطے بھی ہیں۔

۱۶ اورینٹل کالج میگزین، نومبر 1931، ص 15 ۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غالباً آرزو نے سب سے پہلے یعنی 1165ھ میں صرف 'اُردو' کا لفظ زبان کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کتاب میں کئی جگہ آیا ہے، مثلاً:

"نکتورہ در عرف اُردو بمعنی حرف ناز و غرور ست و بمعنی سوراخ بینی نکسیر۔"

۱۷ رسالہ 'اُردو' (جنوری 1951، ص 31)۔ میرزا خان نے بھی 'تحفۃ الہند' میں الفاظ کا تلفظ وہی دیا ہے جو روزمرہ میں مستعمل تھا۔ ملاحظہ ہو رسالہ 'ہندوستانی' جنوری 1935، ص 22-16۔

۱۸ خطوطِ غالب (مہیش پرشاد خط نمبر 48) میں بھی 'چاکو' کو چاک کا اسم فاعل کہا گیا ہے۔

۱۹ پنجاب میں اُردو (مقدمہ)، مآثر الامرا، جلد 3، ص 39۔

۲۰ رسالہ 'اُردو' جنوری 1951، ص 30۔

۲۱ اورینٹل کالج میگزین، نومبر 1938، ص 11۔

۲۲ بحوالہ اُردو رسم الخط، محمد سجاد مرزا، ص 13۔
۲۳ نوائے ادب، بمبئی، بابت اپریل 1950۔
۲۴ اُردو رسم الخط، ص 16 کے مقابل والا عکس۔
۲۵ دریائے لطافت، انجمن ترقّی اُردو، ص 01-200
۲۶ لیکن شمالی ہند کے مخطوطات میں یہ بات موجود ہے، مثلاً ہمارے پاس 'نوطرزِ مرصّع' کا قلمی نسخہ جو 1254 کا لکھا ہوا ہے، وہ نہ صرف اس طرح کے ہمزہ کے ساتھ ہے بلکہ دوسری املائی خامیوں کا بھی حامل ہے۔
۲۷ بعض قدیم مخطوطات میں 'اسے' کی جگہ 'ایسے' دیکھا گیا ہے۔ رنگینؔ کی قلمی مثنوی 'ایجادِ رنگین' (مملوکہ مولانا رحمٰن علی مرحم ریاست ریواں) میں بھی ہے:

طول اے رنگینؔ ایسے اب دیجیے کیا الغرض اپنا بھی ہے کچھ مدعا

۲۸ دریائے لطافت، ص 29-227۔
۲۹ ایضاً، ص 306۔
۳۰ ایضاً، ص 306۔
۳۱ دریائے لطافت، ص 336۔
۳۲ اُردوئے معلّیٰ، مبارک علی، ص 338۔
۳۳ ایضاً، ص 410۔
۳۴ دیباچۂ مکاتیب غالبؔ (عرشی، ص 223)۔ فارسی میں ذال اور دیکھیے:

گر نویسم ترا یکے تعویذ پاک دارائے جوان مدار پلیذ

(حدیقۂ سنائی، طبع لکھنؤ، ص 171)

۳۵ رنگینؔ نے 'ذرا' بھی دوسرے معنی میں استعمال کیا ہے:

حرص کے دانتوں کو اب مت تیز کر صحبتِ بد سے ذرا پرہیز کر

(حکایتِ یہودی، ایجادِ رنگین)

مولانا احسن مارہروی نے رسالہ 'فصیح الملک' 1905 میں 'ذرا' کی تائید کی ہے۔

۳۶ رسالہ 'ہندوستانی' جولائی 1948۔
۳۷ ایضاً۔ اسی طرح عربی لفظ بھی اپنی حقیقت بدل دیں تو اُنھیں بھی اُردو کے مطابق لکھیں۔ چناں چہ طیار کو تیار لکھنے کی تاکید کی ہے۔ (خط بنام قدر بلگرامی)
۳۸ اُردوئے معلّیٰ، ص 74-373۔
۳۹ رسالہ 'ہندوستانی' جولائی 1938۔

۴۰ رسالہ 'اُردو' ج 8، ص 328 کے سامنے والا عکس غالبؔ نے 'بھوکا' اور 'دونوں' لکھا ہے۔ دیباچہٗ مکاتیب غالب، ص 229۔

۴۱ دیباچہٗ مکاتیب غالب، ص 228۔ غالبؔ کی املا کی مزید خامیاں اسی دیباچے میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۴۲ غالباً صرف جلالؔ لکھنوی نے 'میں ہی' کے بجائے 'مہیں' لکھا ہے:

جلایا کیسے وہ شبِ وصل میں مہیں رات بھر شمعِ محفل رہا

۴۳ کراچی کے حلوا فروش 'حلوہ' لکھتے ہیں، اُن کی تقلید پڑھے لکھے لوگ بھی کرنے لگے ہیں۔

۴۴ پروفیسر شیرانی مرحوم نے لکھا ہے (مقدمہ پنجاب میں اُردو) کہ عالمگیر کے بعد شمالی ہند میں نستعلیق رائج ہوا۔

۴۵ شیرانی مرحوم نے لکھا ہے کہ بعد میں گاف کے لیے تین نقطے اوپر لگائے جانے لگے۔ (پنجاب میں اُردو، مقدمہ)۔

۴۶ 1170ھ میں 'تاریخِ غریبی' لکھی گئی، اس میں ٹ کے اوپر چار نقطے ہیں، لیکن ڈ، ڑ کے نیچے تین نقطے ہیں۔

۴۷ پنجاب میں اُردو، مقدمہ۔

(منقول از 'علمی نقوش')

☼☼☼

رفیع الدین ہاشمی

صحتِ املا کے اُصول

اُردو کے بہت سے الفاظ مختلف کتابوں، رسالوں اور اخبارات میں مختلف طریقوں سے لکھے جاتے ہیں۔ املا کا یہ اختلاف اور انتشار ایک افسوس ناک صورتِ حال کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس اختلاف کو کم کرنے اور دور کرنے کے لیے ذیل میں چند اُصول اور قاعدے بیان کیے جا رہے ہیں۔ ہر اصول اور ہر قاعدہ کسی نہ کسی دلیل یا سبب سے متعین کیا گیا ہے۔ ان اُصولوں کو اختیار کرنے سے اُردو املا کی بے قاعدگیاں کم ہو سکتی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اُردو تحریروں میں کم از کم ان اُصولوں کی پابندی کر لی جائے تو بڑی حد تک املا کے انتشار سے نجات مل سکتی ہے۔

یہ اُصول اور قاعدے ہم نے نامور ماہرینِ املا (بابائے اُردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، رشید حسن خاں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری وغیرہ) اور بعض اہم اداروں (انجمن ترقی اُردو، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد اور ترقی اُردو بیورو، دہلی) کی مرتّب کردہ سفارشاتِ املا اور اس موضوع پر متعدد ورک شاپوں، سیمناروں اور بحث مباحثوں میں شرکت یا ان کی رودادوں کے مطالعے اور ان پر غور و فکر کے بعد مرتب کیے ہیں۔

اخبارات و رسائل میں املا کی بے ضابطگیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد کے سابق صدر نشیں اور استادِ محترم ڈاکٹر وحید قریشی نے 'مخزن' (شمارہ 16) میں اس پر تشویش ظاہر کی تھی مگر ان کی آواز بھی صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ انھی دنوں ہم نے اخبار و رسائل سے حسب ذیل الفاظ نوٹ کیے ہیں (صحیح املا قوسین کے اندر دیا گیا ہے)۔

پنچائیت (پنچایت)، سرائیت (سرایت)، ذہین وفتین (ذہین وفطین)، ترجیہی (ترجیحی)، طفلن طباع (تفننِ طبع) دل بزیر (دل پذیر)، قوائد (قواعد)، لاپرواہی (لاپروائی)، گوارہ (گوارا)، معمور کیا (مامور کیا)، مطمع نظر (مطمحِ نظر) وغیرہ۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہائر ایجوکیشن کمیشن نے جامعات کے جن رسائل کو معیاری تحقیقی مجلّات (Approved Research Journals) قرار دیا ہے، اُن میں بھی املا کے کسی ضابطے کی پابندی نہیں کی جاتی، بلکہ ایک ہی رسالے کے مختلف مضامین میں املا کا اچھا خاصا 'تنوع' نظر آتا ہے۔

جامعات کے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات میں بھی املا کی صورتِ حال کم و بیش ایسی ہی ہے۔ مقالات کو نہ صرف اپنے مباحث اور اسلوبِ بیان بلکہ املا کے اعتبار سے بھی 'مستند' خیال کیا جاتا ہے، لہٰذا تحقیق کاروں کے لیے صحتِ املا کا خیال رکھنا ازبس ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ ہمارے نزدیک کسی تحقیقی مقالے میں صحتِ املا سے غفلت اور لاپروائی ناقابلِ معافی ہے۔

آئندہ صفحات میں پیش کردہ تیس تجاویز کے ذریعے صحتِ املا کا ایک راستہ دکھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ ان پر غور کریں۔ ان میں سے جتنے نکات پر آپ کا دل مطمئن ہو، اپنی تحریروں میں ان پر عمل پیرا ہو جایئے اور اپنے دائرۂ اختیار میں اُن اُصولوں کو رائج کرنے کی کوشش کیجیے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ یہ کتابچہ نام نہاد 'عالم گیریت' کے بخار میں مبتلا اُن بقراط صفت دوستوں کے لیے نہیں ہے جو 'عالم گیریت' کی قربان گاہ (املا کی تو حیثیت ہی کیا ہے، بذاتِ خود) اُردو زبان اور اس کے رسمِ خط کا بلی دان (قربانی) دینے کے لیے بھی تیار بیٹھے ہیں۔ اُردو کے اہلِ قلم خصوصاً تحقیقی مقالہ نویسوں سے یہ توقع ہے کہ وہ امکانی حد تک ان اُصولوں کو اختیار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے اُردو زبان کا بھلا اور تحقیقی مقالے کے صوری حسن اور معیار میں اضافہ ہوگا۔

راقم نے یہ مضمون 2003 کے آخر میں مرتب کیا تھا۔ 2004 کے اوائل میں بعض احباب اور اداروں کو بھیجا گیا۔ متعدد رسائل (اخبارِ اُردو، اسلام آباد، کتاب نما، دہلی، ہماری زبان، دہلی وغیرہ) میں شائع بھی ہوا۔ بعض احباب کے مشوروں اور تجاویز کی روشنی میں اب یہ

مضمون نظرِ ثانی کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مَیں ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر اور جناب عبدالستار غوری کی توجہ کا ممنون ہوں۔

صحتِ املا کے چند اُصول اور قاعدے

1- حتی الوسع لفظوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے، خصوصاً مرکبات کو، مثلاً:

ان کو	آپ کے	کے لیے	جائے گا
جس قدر	خوب صورت	آج کل	قلم کار
عقل مند	بے شک	بے خوف	ہم قدم

انھیں یوں لکھنا درست نہ ہوگا:

انکو	آپکے	کیلیے	جائیگا
جسقدر	خوبصورت	آجکل	قلمکار
عقلمند	بیشک	بیخوف	ہمقدم

2- انگریزی اور یورپی الفاظ کو بھی الگ الگ لکھا جائے تو اس طرح انھیں پڑھنا نسبتاً آسان ہوگا، مثلاً:

کاپی رائٹ	پبلی کیشنز	یونی ورسٹی	سی نار
انڈی پینڈنٹ	ٹیلی گراف	ٹیلی وژن	ٹیلی فون
انسٹی ٹیوٹ	ایجی ٹیشن	سائنٹی فک	انسائی کلو پیڈیا

البتہ بعض الفاظ ملا کر ہی لکھے جائیں گے، جیسے: کانفرنس، پارلیمنٹ، میونسپلٹی وغیرہ۔

3- مرکب حروف (بھ، تھ، ٹھ وغیرہ) ہمیشہ ہائے مخلوط یا دوچشمی 'ھ' سے لکھے جاتے ہیں، جیسے انھوں، انھیں، تمھارا، جنھیں، کولھو، کمھار، بھائی، دلھن، سرھانا، بھٹی، دھندا، کلھاڑی، سیدھا وغیرہ 'مجکو' غلط اور 'مجھ کو' صحیح ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ:

(الف) 'ہ' جب لفظ کے درمیان میں آئے اور ماقبل اور مابعد آنے والے حرف سے جڑی ہوئی ہو تو ہائے کہنی دار کہلائے گی، مثلاً بہت، کہنی، وغیرہ۔

(ب) کسی لفظ کے شروع میں آنے والی 'ہ' ہائے ہوز کہلاتی ہے، ہائے کہنی دار نہیں، مثلاً: ہمیشہ، ہے، ہی وغیرہ۔

(ج) اسی طرح کسی لفظ کے درمیان آنے والی 'ہ' اگر ماقبل حروف سے جڑی ہوئی نہ ہو تو وہ بھی ہائے ہوز ہوگی، ہائے کہنی دار نہیں، مثلاً: دہلی، لاہور وغیرہ۔

(د) چناں چہ کہنی دار 'ہ' اور ہائے ہوز والے لفظوں کو دو چشمی 'ھ' سے لکھنا قطعی غلطی ہوگا، مثلاً: ھم، ھمیں، ھمز ہ، ھمیشہ...غلط ہے۔ہم، ہمیں، ہمزہ، ہمیشہ...صحیح ہے۔

(ہ) ہائے مخلوط یا دو چشمی 'ھ' اور ہائے کہنی دار میں امتیاز کرنا ضروری ہے، ورنہ لفظوں کے معنی بدل جائیں گے، جیسے: بھائی اور بہائی، گھر اور گہر، بھی اور بہی؛ یہ سب مختلف المعانی الفاظ ہیں۔

4- بعض عربی الفاظ کے آخر میں الف کی آواز ہے مگر وہاں بجائے الف کے 'ی' اور 'واو' لکھی جاتی ہے اور اس پر چھوٹا الف (الف مقصورہ) نشان کے طور پر بنا دیا جاتا ہے (اسے کھڑا زبر بھی کہتے ہیں) جیسے: ادنیٰ، اعلیٰ، ربوٰ، مگر اس قبیل کے کئی الفاظ اُردو میں پورے الف سے رائج ہیں، جیسے: تماشا، تقاضا، ماجرا، مدعا، تمنا، ربا وغیرہ۔ایسے لفظوں کا املا اس طرح مناسب ہوگا: ادنا، اعلا، مولا، دعوا، فتوا، معرّا، مقفا وغیرہ، البتہ چند الفاظ کو بطورِ استثنا اس طرح لکھنا مناسب ہوگا، جیسے مصطفیٰ، مجتبیٰ، موسیٰ، عیسیٰ، تعالیٰ، یدِ طولیٰ، سدرۃ المنتہیٰ، اَولیٰ، اُولیٰ، عقبیٰ وغیرہ۔

5- سابقوں اور لاحقوں (بہ، چہ، کہ) کو ملا کر لکھنا بہتر ہوگا، مثلاً: بلکہ، چنانچہ، کیونکہ، چونکہ، جبکہ، بشرطیکہ، بخدا، بخوبی، بدقت، بہرحال، بدستور، بدولت، بانداز، بطور، بحیثیت، بلحاظ وغیرہ۔

6- بعض عربی الفاظ کے درمیان حروف پر چھوٹا الف (کھڑا زبر) آتا ہے، جیسے اسمٰعیل، رحمٰن) بہتر ہے، ایسے الفاظ پورے الف سے لکھے جائیں۔اس طرح کمپوزنگ میں بھی آسانی ہوگی، مثلاً ابراہیم، اسماعیل، رحمان، اسحاق، یاسین، مولانا (نہ کہ مولٰنا)، لقمان،

زکات، صلات (نماز) حیات وغیرہ۔

7- عربی اور ترکی کے کچھ الفاظ کو (اسی طرح غیر عربی یعنی انگریزی، ہندی اور یورپی زبانوں کے الفاظ کو) بھی 'ہ' سے نہیں بلکہ الف سے لکھنا درست ہے، مثلاً ملغوبا، قورما، سانچا، ڈاکیا، شوربا، ڈھانچا، معما، تماشا، بقایا، تمغا، مچلکا، حلوا، مربا، چغا، خون خرابا، ناشتا، آریا، خارا، داروغا، کٹورا، غنڈا، راجا، دھماکا، دھوکا، بھروسا، کلیجا، پتا (ڈاک کا پتا)، پتّا (درخت یا تاش کا پتّا)، پِتا (والد)، باڑا، بلبلا، تارا، گھونسلا، میلا، انگارا، فرما، انڈا، کمرا وغیرہ۔

8- اسمائے معرفہ مروّج طریقے سے لکھے جائیں گے، جیسے: افریقہ، مرہٹہ، کلکتہ، چیکوسلواکیہ، آگرہ، شملہ، پٹنہ، ہزارہ، بنگلہ دیش، امریکہ وغیرہ۔

9- بعض لفظوں میں ہمزہ اور بعض میں 'ی' کا استعمال اس طرح ہوگا:

غلط	صحیح	غلط	صحیح
لئے	لیے	چاہئے	چاہیے
چاہئیں	چاہییں	لکھئے	لکھیے
کیجئے	کیجیے	دیئے	دیے

10- 'انشاء اللہ' کا املا قرآنِ پاک کے مطابق اس طرح لکھنا ضروری ہے: 'ان شاء اللہ'۔ اگر اسے ملا کر 'انشاء اللہ' لکھیں گے تو اس کے معنی مختلف ہو جائیں گے۔

11- اضافت کے قاعدے میں پہلے لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر آتا ہے، جیسے: ماہِ رمضان، تحریکِ اسلامی، اتمامِ حجت؛ مگر جن لفظوں کے آخر میں یائے ساکن ہوتی ہے، اضافت کی صورت میں اس 'ی' کے نیچے زیر آئے گی (نہ کہ ہمزہ) مثلاً:

غلط: مرضیٔ خدا رعنائیٔ خیال آزادیٔ وطن

صحیح: مرضیِ خدا رعنائیِ خیال آزادیِ وطن

ایسے مقامات پر ہمزہ لکھنا مرزا غالبؔ کے الفاظ میں 'عقل کو گالی دینا ہے۔'

12- عربی جمع اور مصادر کے آخر میں ہمزہ آتا ہے مگر اُردو میں نہ صرف ان کے آخر میں بلکہ الف پر ختم ہونے والے تمام الفاظ کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھیں گے، مثلاً ابتدا، انتہا،

ارتقا، التوا، ابتلا، استدعا، اولیا، انبیا، جہلا، وزرا، فقرا، حکما، غربا، املا، اخفا، القا، ایشیا، لاکالج؛... صحیح ہے، البتہ عربی تراکیب میں 'ء' لکھا جائے گا، جیسے عطاء اللہ، ضیاء الحق، اختر النساء وغیرہ۔

الف پر ختم ہونے والے انگریزی الفاظ کے آخر میں ہمزہ لکھنا تو قطعی غلط ہے (بلکہ حماقت ہے، کیوں کہ ہمزہ صرف عربی الفاظ کے ساتھ آتا ہے) مثلاً مارشل لا، بارایٹ لا صحیح ہے اور مارشل لاء، بارایٹ لاء، غلط ہے۔

13- الف پر ختم ہونے والے الفاظ اگر مرکبِ اضافی میں مضاف بن کر آئیں تو انھیں لکھنے کی صحیح صورت یہ ہوگی: حکمائے اسلام، ابتدائے کار، بوئے گل، یعنی 'ے' پر ہمزہ نہیں ہوگا کیوں کہ 'ے' اضافت کی علامت ہے اور ہمزہ کی قائم مقام ہے، اس کے اوپر ایک اور ہمزہ لگانا زائد اور غیر ضروری ہے۔

14- مرکب عطفی لکھنے کی صحیح صورت یہ ہوگی: شعراواُدبا، فقراومساکین، آباواجداد وغیرہ۔

15- قانونِ امالہ: جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں 'ہ' یا 'الف' ہو اور ان کی جمع یائے تحتانی (ے) لگانے سے بن سکتی ہو اور ان کے فوراً بعد حرفِ عاملہ (مغیرہ) یعنی: تک، سے، کو، کے، کی، میں، پر وغیرہ میں سے کوئی حرف آئے تو اُردو املا میں اس 'ہ' یا 'الف' کو یائے تحتانی سے بدل دیا جائے گا، مثلاً

☆ 'آپ کے بارہ میں' کو اس طرح لکھیں گے: 'آپ کے بارے میں'۔

☆ 'اس افسانہ کا' کو اس طرح لکھیں گے: 'اس افسانے کا'۔

☆ 'اس چوراہا تک چلے جاؤ' کو اس طرح لکھیں گے: 'اس چوراہے تک چلے جاؤ'۔

بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں، مثلاً میں انبالے کا رہنے والا ہوں یا وہ تین دن پہلے مدینے پہنچ گیا وغیرہ۔ خیال رہے کہ بعض الفاظ امالہ قبول نہیں کرتے، جیسے: امریکہ، دادا، نانا، چچا، ابا، ایشیا، والدہ وغیرہ۔ اسی طرح زیادہ تر اسمائے معرفہ بھی جوں کے توں رہیں گے، جیسے: کانگڑہ، افریقہ، ایتھوپیا، امریکہ، برما، ہمالیہ، رقیہ، جمیلہ وغیرہ۔

16- گول 'ۃ' والے عربی کے متعدد لفظ حیاۃ، نجاۃ، رحمۃ وغیرہ اُردو میں 'ت' سے رائج ہیں۔ انھیں سب لوگ بلاتکلف حیات، نجات، رحمت وغیرہ لکھتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ایسے

سب الفاظ 'ت' سے لکھے جائیں، جیسے: حیات، ممات، نجات، بابت، مسمات، تورات، صلات، زکات وغیرہ۔

17- بعض فارسی الفاظ اُردو میں فارسی ہی کے طریقے پر اور کبھی اس سے مختلف انداز میں لکھے جاتے ہیں۔ اُردو میں یکساں اصول اختیار کرتے ہوئے ایسے الفاظ کا یہ املا مناسب ہے: آئندہ، نمائندہ، آزمائش، نمائش، آلائش، آرائش، آسائش وغیرہ۔ ہمزہ سے لکھے جانے والے کچھ عربی الفاظ یہ ہیں: لائق، فائق، شائع، حائل، مائل، رسائل، حقائق، مسائل، عقائد وغیرہ۔

18- چلنے، چھوڑنے اور پار کردینے کے معانی میں گذاردن، گذشتن اور گذاشتن کو اور ان سے بننے والے لفظوں کو 'ذ' سے لکھا جائے گا، جیسے: گذشتہ، سرگذشت، رہ گذر، گذرگاہ، درگذر، رفت گذشت، واگذشت وغیرہ۔

19- ادا کرنے، پیش کرنے اور شرح کرنے کے معانی میں گزاردن مصدر اور اس سے بننے والے الفاظ 'ز' سے لکھے جائیں گے، جیسے: نماز گزار، تہجد گزار، خدمت گزار، شکر گزار، عرضی گزار، گزارش (اگر اسے 'گذارش' لکھیں گے تو یہ 'گذشتن' سے مشتق قرار پائے گا اور اس کے معنی ہوں گے: چھوڑنا)۔

20- پذیرتن (قبول کرنا) سے پذیرائی، دل پذیر، اثر پذیر وغیرہ صحیح ہے، نہ کہ پزیرائی، دل پزیر، اثر پزیر وغیرہ۔

21- گزیدن (پسند کرنا، قبول کرنا) اور گزیدن (کاٹنا، ڈنک مارنا) سے بننے والے الفاظ 'ز' سے صحیح ہیں: جاگزیں، خلوت گزیں، برگزیدہ، مردم گُزیدہ، مارگزیدہ وغیرہ۔

22- گزرنا، گزارنا اُردو کے مصدر ہیں۔ ان سے بننے والے الفاظ 'ز' سے لکھے جائیں گے، مثلاً: گزارا، گزرا ہوں، گزر جانا، گزارنا (شکر خدا کہ گزارا ہو رہا ہے) گزر بسر، گزار لینا، گزار دینا وغیرہ۔

خیال رہے کہ اُردو/ ہندی اور انگریزی الفاظ میں ہمیشہ 'ز' لکھی جائے گی۔

23- بعض الفاظ کا املا بالعموم غلط لکھا جاتا ہے۔ حسب ذیل الفاظ کے املا میں احتیاط ضروری ہے، مثلاً:

غلط	صحیح	غلط	صحیح
پرواہ	پروا	موقعہ	موقع
لاپرواہی	لاپروائی	عقاید	عقائد
سینکڑوں	سیکڑوں	ادائیگی	ادائی/ادائگی
پائیدار	پائدار	استعفیٰ	استعفا
اژدھام	ازدحام	ناراضگی	ناراضی
مصرعہ	مصرع	ذخار	زخار
معہ/ بمعہ	مع	لللّٰہ	للہ (اللہ کے لیے)

24- بعض مرکب الفاظ کے املا میں غلطی کی جاتی ہے، مثلاً عبدالطیف اور رحمت اللعالمین غلط ہے، صحیح صورت یہ ہے: عبداللطیف اور رحمت للعالمین۔

25- بعض ہم آواز الفاظ کے املا کا تعین ان کے معانی کے اعتبار سے ہوتا ہے، مثلاً:

☆ بیضا (سفید، روشن)، بیضہ (انڈا)

☆ نالا (ندی)، نالہ (فریاد)

☆ ذرّہ (چھوٹا ٹکڑا)، ذرا (تھوڑا، قلیل)

☆ مسل (فائل)، مثل (مثال)

☆ لالہ (گل لالہ)، لالا (لقب)

☆ زہرا (حضرت فاطمہؓ کا لقب)، زُہرہ (ایک ستارہ)، زَہرہ (پِتا، دلیری، ہمت)

☆ دانہ (بیج، دانۂ گندم)، دانا (عقل مند)

☆ آسیا (چکی)، آسیہ (فرعون کی بیوی کا نام)

☆ پارہ (ٹکڑا، حصہ)، پارا (سیماب)

☆ خاصّہ (ص پر تشدید کے ساتھ عربی لفظ طبیعت، عادت)، خاصہ (بلا تشدید): وہ نفیس چیز جو بادشاہوں اور امرا و وزرا کے لائق ہو۔ شاہی دسترخوان کا کھانا، ایک قسم کا سفید کپڑا۔ ان سب معنوں میں آتا ہے۔

☆ آزر (حضرت ابراہیمؑ کے والد/ چچا کا نام)۔ بتانِ آزری اور آزرِ بت تراش صحیح

ہے۔آذر (آگ- آذرکدہ: آتش کدہ)

26- لفظ 'ہندوستان' عام طور پر واو کے بغیر پڑھا جاتا ہے، لہٰذا اس طرح لکھا جائے تو بہتر ہے 'ہندستان'۔ البتہ کسی شعر میں حسبِ ضرورت 'وُ' کے ساتھ 'ہندوستان' لکھا اور پڑھا جائے گا۔

27- بعض انگریزی الفاظ کا املا اس طرح صحیح ہوگا:

بنک	نہ کہ:	بینک
بائبل	نہ کہ:	بائیبل
انجنیر	نہ کہ:	انجینیر وغیرہ۔

اب املا سے ہٹ کر دو تین باتیں:

28- اُردو کتابوں، رسالوں اور عبارتوں میں ہندسے بھی اُردو ہی میں لکھنا مناسب ہوگا، جیسے: ۷، ۱۳۶، ۶۱۵، نہ کہ: 7، 136، 615۔

29- بعض انگریزی الفاظ اب اُردو کے الفاظ بن چکے ہیں۔ ان کی جمع اُردو (نہ کہ انگریزی) قاعدے کے مطابق بنائی اور لکھی جائے گی، مثلاً سکول کی جمع سکولوں (نہ کہ سکولز)، یونی ورسٹی کی جمع یونی ورسٹیوں (نہ کہ یونی ورسٹیز)، کالجوں، چیلنجوں (نہ کہ کالجز، چیلنجز)، پروگراموں، ججوں، ہائی کورٹوں صحیح ہے نہ کہ ججز، پروگرامز، ہائی کورٹز وغیرہ۔

خیال رہے کہ سکول، کالج، پروگرام، ہسپتال اور جج واحد ہیں مگر بہ خوبی اُردو میں جمع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں، جیسے دس سکول کھل گئے یا تین جج مقرر ہو گئے۔

'انگریزیت' کا جو بھوت زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ہماری زبان پر حملہ آور ہو رہا ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ بلاضرورت انگریزی الفاظ کے استعمال سے گریز کیجیے۔ جہاں اُردو الفاظ موجود ہوں وہاں انگریزی الفاظ استعمال کرنا بلاجواز اور غیر شعوری ذہنی غلامی کی علامت ہے۔

30- کتابوں کے نام خطِ نسخ (کے کسی فونٹ) میں لکھنے چاہییں، مثلاً: بالِ جبریل، دینیات.

السعی منی و الاتمام من اللّٰہ

حرف آخر

اُردو کے معروف محقق اور نقاد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم لکھتے ہیں:

'ہر زبان کے لیے ضروری ہے کہ اس کے املا کے قاعدے منضبط ہوں اور ان قاعدوں کی بنیاد صحیح اصول پر ہو۔ اگر قاعدے معین نہ ہوں تو زبان کی یک رنگی اور یکسانی کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوگا اور اُردو ابھی تک اس قسم کے خطرے میں ہے۔ عربی، فارسی، انگریزی، غرض ہر شائستہ زبان میں جو قاعدے مقرر ہیں، ہر لکھنے والا ان کی پوری پوری پابندی کرتا ہے مگر اُردو والے اپنے تئیں ہر قید سے آزاد سمجھتے ہیں۔ املا کی خرابی یا بے ضابطگی کی صورتیں جن کسی متمدن قوم کو پیش آئیں تو اس زبان کے زبان دانوں نے فوراً اس خرابی یا بے ضابطگی کی اصلاح کی۔ ترقی کرنے والی قومیں اس زمانے میں بھی اپنی زبان کے لفظوں کی لکھاوٹ میں ضروری ترمیم اور مناسب اصلاح کرتی رہتی ہیں۔ عام طور پر اصلاح کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ ایک لکھنے والا، اپنی رائے کو دخل دے کر، ایک غلط راہ اختیار کرتا ہے؛ اور دوسرے، بغیر تحقیق کیے ہوئے اس غلطی کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ جہاں کسی غلطی کی تکرار ہوئی یا وہ کتابوں اور اخباروں میں راہ پا گئی، عوام کے لیے یہ ایک بہت بڑی سند ہوگی کہ فلاں لفظ ایک کتاب میں یا کسی اخبار میں یوں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جو صحت اور اصول پر نظر رکھتے ہیں۔ بڑا گروہ، مقلدوں یا عادت کے بندوں کا ہوتا ہے اور تدارک یا صلاح کی ذمے داری اہلِ تحقیق پر عائد کی جاتی ہے۔ پس ایسی خرابیوں کا انسداد اس طرح ہو سکتا ہے کہ علمی انجمنیں اپنے فرض کا احساس کر کے نہ صرف قاعدے بنائیں بلکہ ہر ممکن ذریعے سے انھیں عمل میں لانے کی کوشش کریں۔'

پس اے میرے عزیز و محترم قاری!

فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ صحت اور اصول پر نظر رکھنے والے 'بہت کم تعداد لوگوں' میں شامل ہوتے ہیں یا 'مقلدوں اور عادت کے بندوں' کے بڑے گروہ کے ساتھ جا کھڑے

ہوتے ہیں۔ اگر آپ موخرالذکر گروہ کے ساتھ ہیں تو آپ نے اس کتابچے کو پڑھنے میں ناحق وقت برباد کیا۔ میں آپ کے لیے دعاگو ہوں: اھدنا الصراط المستقیم!

رفیع الدین ہاشمی

املا کے موضوع پر تفصیلی مباحث کے لیے حسبِ ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

1- 'اُردو املا': رشید حسن خاں، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، 2007

2- 'املا نامہ' مرتبہ گوپی چند نارنگ، ترقیِ اُردو بیورو، دہلی، 1990

3- 'اُردو املا اور رسم الخط' ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1977

4- 'منتخب مقالاتِ اُردو املا اور موزِ اوقاف' مرتبہ گوہر نوشاہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1986

5- 'اُردو املا اور اس کی اصلاح' ڈاکٹر ابومحمد سحر، مکتبۂ ادب، بھوپال، 2004

6- جو اصحاب مفصل مباحث پڑھنے کے متحمل نہ ہوں وہ رشید حسن خاں کی حسبِ ذیل دو مختصر کتابیں دیکھ لیں:

(1) 'انشا اور تلفظ': الفتح پبلی کیشنز، 392 اے، اسٹریٹ 5A، لین 5، گل ریز ہاؤسنگ اسکیم 2، راولپنڈی، فون نمبر: 0300 5192543

(2) 'عبارت کیسے لکھیں': الفتح پبلی کیشنز، 392 اے، اسٹریٹ 5A، لین 5، گل ریز ہاؤسنگ اسکیم 2، راولپنڈی، فون نمبر: 0300 5177413

☼☼☼

غلام مصطفٰی خاں

نکاتِ احسنؔ

موجودہ دور کے فُضلا، اُدبا اور شعرا بلکہ اونچے درجے کے طلبا میں بھی بہت کم ایسے ہوں گے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت احسن مارہروی سے واقف نہ ہوں۔ جلوۂ داغؔ، یادگارِ داغؔ، منتخباتِ داغؔ، انشاے داغؔ، لالہ سری رام کا خمخانۂ جاوید، ریاضِ سخن (ریاض خلیلؔ)، فصیح الملک، فصیح اللغات، کارنامۂ غم، کلیاتِ ولی، تاریخ نثرِ اُردو (نمونۂ منثورات)، کسوف الشمسین، اُردو لشکر وغیرہ متعدد ادبی صحیفے ہیں جو اُردو کی رہتی دنیا تک رہیں گے اور ان کی یاد تازہ کریں گے۔ ان کے علاوہ اُردو قواعد، عروض، املا صحتِ زبان و بیان، انشا پردازی و شاعری میں بھی اُن کی خدمات اربابِ ذوق سے پوشیدہ نہیں۔ 'علی گڑھ میگزین' کے احسن نمبر اور 'آجکل' (دہلی)، 15 اگست 1947 وغیرہ مختلف رسالوں میں مرحوم کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ آج ہم اُن کے کچھ ایسے ادبی نکات پیش کرنا چاہتے ہیں جو کہنے کو تو چھوٹی موٹی باتیں ہیں لیکن اپنی افادیت میں بہت اہم ہیں، اور جو ایک دو دن میں نہیں بلکہ بہت مدت تک اُن جیسے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر ہی حاصل ہوا کرتی ہیں۔ ان ادبی نکات کو ہم اپنی سہولت کے لیے تقسیم کیے لیتے ہیں اور پہلے زبان کے متعلق عرض کرنا چاہتے ہیں۔

زبان

(1) جناب اخترؔ بریلوی کو لکھتے ہیں کہ: لوٹنا (پلٹنے کی جگہ) گنواری بولی ہے، اس لیے یہ مصرع:

ایسا گیا کہ لوٹ کے لی ہی خبر نہیں

اس طرح ہوگا:

ایسا گیا کہ اُس نے پلٹ کر نہ لی خبر

پھر لکھتے ہیں کہ:

(2) ''تنہا دیدہ لکھنا اُردو میں فصیح نہیں۔ اسی طرح بغیر ترکیب کے گوش لکھنا مذاقِ صحیح کے خلاف ہے۔'' (خط بنام راز سہسوانی)

(3) دلّی والے تیوَری بروزن رہبری بولتے ہیں، جیسے:

سنتا ہوں تیوری ہے کسی کی چڑھی ہوئی

مگر میں اب اس کو (یعنی تیوری بروزنِ نوری) بھی جائز سمجھتا ہوں۔'' (اصلاح اختؔر)
اسی طرح 'دیوتا' ہندی لفظ ہے بروزن فعلن بھی صحیح ہے اور بروزن فاعلن بھی (خط بنام ابر احسنی)

(4) ''مزے دار مستند شعرا کے یہاں غیر مستند ہے مگر اُردو بول چال میں ہے، اس لیے میں جائز سمجھتا ہوں۔'' (اصلاح اختؔر)

(5) ''خلط ملط ہونا بولتے ہیں اور ربط ضبط بڑھانا صحیح ہے'' (اصلاح اختؔر)

(6) 'بغیر ترکیب جب جان لکھو تو نون کا اعلان کرو۔ ہاں ترکیبِ فارسی میں اخفائے نون ضروری ہے۔' (اصلاح اختؔر)۔ جناب ابرؔ احسنی کو لکھتے ہیں کہ ''جبیں، آستیں، آسماں، جاں، گریباں سب بہ قاعدۂ فارسی مضاف الیہ یا معطوف ہوں گے تو بالاخفا پڑھے جائیں گے، اور فغاں کسی حالت میں بھی بہ اظہارِ نون نہیں... متذکرہ بالا الفاظ کو اگر مرکب نہ کیا جائے تو بہ حالتِ اِفراد بھی بالاخفا کہہ سکتے ہیں...''

(7) 'بے کلی' فصیح نہیں، خصوصاً اس لیے کہ یہ عوتوں کا اندرونی مرض ہے جو پہلوے ذم رکھتا ہے۔ (اصلاح اختؔر)

(8) خدامست (بمعنی مست مولا) اچھی ترکیب نہیں۔ (اصلاح اختؔر)

(9) 'کیسے' بمعنی 'کیوں کر' داغؔ اور امیرؔ نہیں لکھتے۔ میں بھی نہیں لکھتا مگر اب اکثر لکھنے لگے ہیں لہٰذا بہ خیالِ توسیعِ زبان رہنے دیا۔ (اصلاح اختؔر) مطلب یہ ہے کہ ناسخؔ وغیرہ متوسطین تک کیسے بمعنی کیوں کر لکھتے تھے، لیکن متاخرین نے اس معنی میں ترک کر دیا تھا۔

(10) اختؔر بریلوی کو حضرت احسنؔ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ناراضگی بھی صحیح ہے۔ حالاں کہ

’ناراض‘ سے ’ناراضی‘ ہی لفظ بن سکتا ہے، ’ناراضگی‘ نہیں بن سکتا۔ لیکن عموماً رائج ہے، اس لیے، صحیح بلکہ فصیح بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اب ’ادائگی‘ بنالیا گیا ہے۔ سر سیّد اس کی جگہ صرف ادا بولتے تھے جیسا کہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ’’جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اُردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔‘‘

(11) پیرہن کے لیے پارہ پارہ ہونا (بجائے ٹکڑے ٹکڑے ہونا) فصیح ہے۔ (اصلاح منظرؔ)

(12) ’شبِ فرقت میں‘ فصیح نہیں، صرف ’شبِ فرقت‘ فصیح ہے۔ (اصلاح منظرؔ)

(13) زلف کے لیے ’ترتیب دینا‘ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ (اصلاح صغیرؔ)

(14) ’تم ہی‘ کے بجائے ’تمھیں‘ فصیح ہے۔ (اصلاح ابرؔ)

(15) ’او‘ اشارہ مخاطب بعید کو اور ’اے‘ مخاطب قریب کو چاہیے۔ (اصلاح ابرؔ)

(16) ’دھوکے‘، ’پاکے‘ وغیرہ بجائے ’دھوکر‘، ’پاکر‘ لکھنؤ کا ایجاد ہے۔ دلّی والے اس کو فصیح نہیں سمجھتے۔ (اصلاح رازؔ)

(17) عبداللطیف اعظمی کو لکھتے ہیں ’منحصر‘ کو ’منحصَر‘ اور ’فصیل‘ ’سفیل‘ بولنے والے جہلا اور بازاری لوگ ہیں، اور اسی زمرے میں وہ حرف شناس آجاتے ہیں جنھیں فن سے آگاہی نہیں اور ادبی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کو عوام کہا جائے گا نہ عام۔ میرے نزدیک ’غلط العام فصیح‘ سے وہ اہلِ علم مراد ہیں جو مستند اور معتبر ہیں اور وہ لوگ جو بہ وجہِ ناواقفیت یا عدمِ توجہی فنِ تحقیق سے نابلد ہیں اُن کو عوام میں شامل کرنا چاہیے اور اُن کے لیے ’غلط العام فصیح‘ کے ساتھ یہ فقرہ بڑھانا چاہیے کہ ’غلط العوامِ قبیح‘۔

(18) محمد ریاض حسن خیالؔ شاگردِ داغؔ کو ’چل کارے‘ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ’’اس کے معنی ’چل دور ہو۔ دھتکارے‘ ہیں۔ اور وہ غزل (جس میں یہ لفظ ہے) میری موجودگی میں (حضرتِ داغؔ نے) فرمائی تھی، اور میں نے اُسی وقت اس لفظ کو سن کر اجنبیت کا اظہار کیا تھا، مگر بہ وثوق کہا گیا کہ یہ دلّی کی زبان ہے اور ہم بولتے ہیں، لیکن یہ یقینی ہے کہ عورتوں کی زبان ہے اور عام استعمال نہیں۔ بہ ہر حال ہمارے لیے سند ہے۔ دو ایک لفظ اور بھی اُن کے استعمال میں تھے۔ اگر سوانح کی تکمیل ہوگئی تو ان شاء اللہ ایسے

الفاظ کے متعلق عرض کیا جائے گا۔"

(19) بات کرنا اور کرنی کا فرق یاد رکھو۔ جب کسی مذکر لفظ کے بعد فعل آئے تو مذکر، اور جب مونث لفظ ہو تو اُس کا فعل مونث چاہیے۔ جیسے روٹی کھانی، جان دینی وغیرہ۔ یہ زبان دہلی کی خصوصیت ہے۔ بات کرنا، روٹی کھانی لکھنؤ کا ہے۔ اب اگر چہ وسعت زبان کے خیال سے دونوں روز مرے خلط ملط ہو گئے ہیں، اس لیے، عام طور سے اس کا لحاظ اُٹھ گیا ہے۔ یہ بہ طور آگاہی لکھ دی ورنہ میں بات کرنا غلط نہیں سمجھتا۔ (خط بنام سیّد احسن صاحب)

(20) کیفیت کی دوسری یائے تحتانی مشدّد بھی جائز ہے اور بہ تخفیف بھی۔ (خط بنام ابر احسنی)

(21) 'پروا' فارسی لفظ ہے اور اس میں 'ہ' نہیں ہے۔ (خط بنام ابر احسنی)

(22) 'ہنود' کی جگہ اہلِ ہنود غلط ہے، صرف ہنود صحیح ہے۔ جیسے مسلم، نہ اہلِ مسلم۔ (خط بنام ابر احسنی)

(23) 'سخن' بفتحِ ثانی اور بضمِ ثانی دونوں صحیح و مستعمل ہیں۔ (خط بنام اختر بریلوی)

(24) 'افیون' اور 'افیم' دونوں صحیح ہیں۔ ایک فارسی اور دوسرا اُردو۔ 'فجر' بہ سکونِ اوسط ہے، مگر ولی اور اُن کے معاصرین و متعاقبین شعرا ابتدا بول چال کے مطابق لکھ جاتے ہیں۔ (خط بنام اختر بریلوی)

(25) 'ٹھنڈی گرمیاں' تو اُردو محاورہ ہے جس کے معنی بے مزہ شوخیوں کے ہیں۔ 'ٹھنڈی آنچ' میں نے نہیں سنا۔ (خط بنام صغیر احسنی)

(26) 'قفلی' ہر معنی میں صحیح ہے۔ یعنی 'ق' کے بعد 'ف' ہونی چاہیے، 'قلفی' یعنی قاف کے بعد لام، یہ بازاری اور جہلا کا تلفظ ہے، جیسے یہ لوگ 'فصیل' کو 'سفیل' بولتے ہیں۔ یہ زبان نہ صحیح نہ مستند، اور نہ اسے اُردو زبان کا لفظ کہا جائے گا۔ (خط بنام صغیر احسنی)

(27) اُردو میں 'اسرار' بہ حالتِ واحد بھی مستعمل ہے، جیسے اس میں کیا اسرار ہے۔ (خط بنام صغیر احسنی)

(28) 'مِسل' (Missal) انگریزی لفظ ہے اور وہ ایک کتاب ہوتی ہے جو گرجوں میں رہتی ہے اور اس کا رواج قدیم ہے۔ 'ث' سے لکھنا صحیح نہیں۔ اسی طرح سمن ....۔ (خط بنام صغیر احسنی)

(29) 'دائم' اور 'مریض' دونوں اسم فاعل ہیں۔ اِن دونوں کا یہ قاعدۂ عربی (بہ ادخالِ الف لام) استعمال صحیح نہیں۔ دائم المرض، دائم الحبس، دائم الخمر صحیح ہے، ورنہ دونوں اسم فاعل اس طرح مرکب نہیں ہو سکتے۔' (خط بنام صغیر احسنی)

(30) غالب کی طرح (یادگارِ غالب) مولانا احسن بھی 'ذال' کو عربی سمجھ کر فرماتے ہیں کہ ''ذال فارسی حرف نہیں، لہٰذا گزارش، گزار وغیرہ کو 'زے' سے لکھو، یہی میں لکھتا ہوں۔ (خط بنام صغیر احسنی) لیکن ذال دراصل قدیم فارسی میں بھی ہے، جیسے 'کاغذ' فارسی لفظ ہے۔

(31) عربی میں طیّار اور ریّار دونوں صحیح ہیں۔ میرے نزدیک طیّار اگر اپنے اصلی معنی (طائر) میں نہ بولا جائے تو 'ت' سے لکھنا چاہیے۔ (خط بنام صغیر احسنی)

(32) صنائع، بدائع، جائز، فائز، حائل، سائل — صنایع میں دراصل 'ی' ہے۔ ہمزہ کوئی مستقل حرف نہیں۔ صرف تلفظ کے لیے ہمزہ لکھ دیا جاتا ہے۔ تاریخ میں اس کے عدد نہیں لیے جاتے اور گھائل اُردو کا لفظ ہے، محقق اس پر ہمزہ نہیں لکھتے اور قاتل وغیرہ کا قافیہ نہیں کرتے بلکہ اڑیل، کھڑیل کی طرح 'یل' کو حرفِ نسبت سمجھتے ہیں۔ (خط بنام صغیر احسنی)

(33) 'ملزم' از روئے قواعد ولغت بفتحۂ زائے معجمہ چاہیے۔ مگر عام بول چال میں مجرم کا ہم وزن وہم معنی ہے۔ میرے نزدیک توسیعِ اُردو کے خیال سے یہ استعمال جائز ہے....

(34) حفظِ ماتقدم دال مشدد و مفتوح صحیح ہے۔

(35) نظر کی جمع (نظریں) بہ سکونِ 'ظ' فصیح ہے، حرکت بہ سکونِ رائے مہملہ بھی صحیح ہے۔

(36) 'سدا' کا لفظ قطعاً متروک نہیں، ورنہ سدا سہاگن، سدا بہار جیسے الفاظ متروک ہو جائیں گے جو یقیناً نہیں۔ 'حادثہ' کی جمع حوادث ہے۔ جمع الجمع حوادثات محتاط نہیں لکھتے۔ (خط بنام اعجاز صدیقی)

اب بعض عام اغلاط کے متعلق حضرت احسن کا قول دیکھیے: 'آج کل 'مع' کے بجائے 'بمعہ'، 'موقع' کے بجائے 'موقعہ' لکھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ اسی طرح 'نہ یہ کام کیا نہ ہی وہ'۔ اس جملے میں 'ہی' کی ضرورت نہیں ہے۔ 'چند ایک' میں 'ایک' نہ لکھیں۔ اژدحام کو ازدحام لکھیں۔ 'فی زمانہ' نہیں 'فی زماننا' چاہیے۔ سینکڑوں، جھونٹ، سونچ میں نون نہیں چاہیے۔ لااُبالی میں الف

کی جگہ 'واؤ' غلط ہے۔ فطرۃ، قدرۃ، ضرورۃ، دفعۃً، مقابلۃً، نسبۃً، معنیً وغیرہ کے آخر میں الف نہیں چاہیے۔ تینوں، چاروں وغیرہ کے آخر میں نون لکھتے ہیں، لیکن بعض لوگ دونوں کے آخر میں نون نہیں لکھتے، لکھنا چاہیے۔ بعض لوگ قرآن پاک کی عبارت یتیماؤ اسیراً سے اُردو میں یتیم و یسیر لکھنے لگے ہیں۔ یسیر کو یتیم کا مترادف سمجھنا غلط ہے۔ یسیر کے معنی قلیل کے ہیں۔ اسی طرح وجیہہ کا مترادف شکیل نہیں ہے (ماخوذ از رسالہ 'فصیح الملک' اگست 1905)۔

(2) اب کچھ ایسے الفاظ بھی دیکھیے جن کی تذکیر و تانیث حضرت احسن نے بڑی خوبی کے ساتھ سمجھائی ہے اور لکھنؤ و دہلی کے اختلافات پر مطلق زور نہیں دیا۔

☆ حضرت داغ کے شاگرد متین مچھلی شہری کو لکھتے ہیں کہ ٹمٹمانا میری سماعت میں یکسر ہر دو تائے ہندی ہے۔ لغت دیکھنے سے بھی دہلی اور لکھنؤ میں یہی استعمال ہوا، ممکن ہے کہ پنجاب اور یورپ میں بفتح بولتے ہوں۔

(2) حضرت اختر نگینوی کو لکھتے ہیں: 'وادی' زبانِ فصحا پر تو یقیناً مذکر ہے۔ فرہنگِ آصفیہ نے بہ حالتِ مفرد مونث اور 'وادیِ ایمن' کو مذکر لکھا ہے، مگر اس کی یہ تحقیق اہلِ نظر کی نگاہ میں دقیق نہیں۔ شعرائے لکھنؤ میں متفق علیہ مذکر ہے۔ صبا کا مصرع:

خاک میں مل گیا سب وادیِ ایمن کیسا

نوازش شاگردِ رند لکھتے ہیں:

دل کو کس وقت خیالِ رخِ روشن نہ ہوا
ہم سے وحشت میں جدا وادیِ ایمن نہ ہوا

میری سماعت اور زبان پر بھی مذکر ہے۔ موجودہ بول چال میں ایجاد (مذکر) اصطلاح (مونث) برف (مونث) فہم (مذکر) وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی غلط طریقے سے مستعمل ہے۔

(2) اختر بریلوی لکھتے ہیں: ببول کو ناسخ نے مونث لکھا ہے:

دل کو خوش آتی ہیں صحرا کی ببولیں پُر خار
اب کسی سروِ گل اندام سے کچھ کام نہیں

مگر ہماری زبان پر مذکر ہے۔ اور فرہنگِ آصفیہ نے بھی مذکر لکھا ہے۔

(3) افق مذکر ہے۔ نوازش کا مصرع ہے:

افقِ چرخ بھی ڈوبا ہوا آتا ہے نظر

پتنگ (ہر معنی میں) مذکر ہے۔ (خط بنام اختر بریلوی)

(4) حضرت فضا جالندھری کو لکھتے ہیں: ادرک اور کھیل بروزنِ 'ہیل' دونوں مونث ہیں۔ میر کا شعر ہے:

کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی
اُس مچھندر میں کچھ بھی بھدرک تھی

مذکر مفرد کو کبھی 'ین' سے نہیں بولا جاتا۔

(5) 'نقاب' مختلف فیہ ہے۔ میں مونث لکھتا ہوں، اور اب بہ کثرت یہی استعمال جاری ہے۔ 'نشاط' بھی مونث ہے، اور میں مونث لکھتا ہوں۔ موجودہ زمانے کے اہلِ قلم اِن پابندیوں کے عادی نہیں، جن کا التزام پرانی لکیر کے فقیر کیا کرتے تھے۔' (خط بنام صغیر احسنی)

(6) 'متاع' کو بعض نے مذکر لکھا ہے مگر مستند اور مستعمل مونث ہے۔ میں بھی مونث لکھتا ہوں۔ بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں:

بلا غارت گری آتی ہے ظالم تیرے غمزے کو
متاعِ صبر و طاقت سب مری اک پل میں غارت کی

لیکن تسیم نے ایک جگہ لکھا ہے:

کی گہر ریزی ہمارے آبلوں نے ٹوٹ کر   تھا متاعِ عمر جو وقفِ بیاباں ہوگیا

(خط بنام صغیر احسنی)

1929 میں راز چاند پوری کو لکھتے ہیں کہ 'تقریباً پچیس برس ہوئے کہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری صاحب نے ایسی جمع کے متعلق بذریعۂ خطوط خاص خاص لوگوں سے مشورت چاہی تھی۔ چناں چہ مجھے بھی اسی خصوص میں لکھنا پڑا۔ اور وہ نجی تحریریں 'ریاض الاخبار' اور 'مشرق' (بہ ادارت حکیم برہم گورکھپوری) کے ذریعے سے معرضِ بحث میں آئیں۔ اہلِ لکھنؤ یہ فرماتے ہیں کہ جس غیر ذی روح مفرد لفظ کی جمع بہ قاعدۂ عربی مستعمل ہو وہ بہ حالتِ جمع مذکر ہونی چاہیے۔ مثلاً کتاب سے کُتب، کیفیت سے کیفیات، خدمت سے خدمات۔ اس میں مفرد کے مذکر و مونث کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا، مگر اہلِ دہلی کا استعمال اکثر اس کے خلاف ہے۔ میں نے اُس وقت بھی عرض کیا تھا کہ اس کے لیے یہ اُصول قرار دینا چاہیے کہ بہ حالتِ انفراد جو لفظ مونث ہو اُس کی جمع بھی مونث ہو اور جو لفظ مفرد مذکر ہو اُس کی جمع بھی مذکر ہو۔ اس اصول میں

جو آسانی ہے ظاہر ہے... ورنہ اُن کے قاعدے کے مطابق عورت (خواہ اُردو معنی میں سہی) کو عورات کرنے کے بعد مذکر کہیے۔ ممکن ہے اس قاعدۂ کلیہ کے بعد دو چار لفظ ایسے مل جائیں جن کے واحد و جمع میں اختلاف ہو اور زبانوں پر جاری ہوں۔ لیکن اکثر کلّیوں میں استثنا ہوتا ہے۔ وہی مانا جائے گا۔ میں 'وجوہ' کو مذکر نہ لکھوں گا۔ اگرچہ اہلِ قلم لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت احسن نے 'فصیح الملک' (اپریل 1906) میں بحث کی تھی کہ خط لکھنا چاہیے، کتاب پڑھنی چاہیے، کتابیں چاہییں، مکانات ڈھونڈنے چاہییں ہی دلّی والوں کے نزدیک صحیح ہے۔ ان کے علاوہ حضرت احسن کے کچھ نکات املا کے متعلق بھی ہیں، جن کی تفصیل 'علی گڑھ میگزین' کے احسن نمبر میں دی جا چکی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ انجمن ترقّیِ اُردو کی موجودہ املا میں اکثر و بیشتر اُصول حضرت احسن کے نظر آتے ہیں۔ بہرحال اجمالاً عرض کیا جاتا ہے:

(1) جب یائے ساکن کے پہلے زبر ہو تو وہ 'ی' نصف دائرے کی بنائی جائے، مثلاً ھی، شی، می، نی طی۔

(2) نون جب پورا پڑھا جائے تو نقطہ لگایا جائے، اگر صرف اخفا ہے تو نقطہ نہ لگایا جائے اور اگر درمیان میں ایسا نون آئے تو اُلٹا جزم لگا دیا جائے، مثلاً تانبا، ہنسی وغیرہ۔

(3) ہائے مخلوطی ہمیشہ دو چشمی لکھی جائے۔

(4) ہندی الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی لکھنا غلط ہے۔ پتہ، کلیجہ، مہینہ، ٹھیکہ، بھروسہ وغیرہ کے آخر میں 'ہ' غلط ہے، الف چاہیے۔

(5) حالتِ جار، حالتِ اضافت و عطف میں بھی الفاظ اُسی طرح لکھے جائیں جس طرح بولے جاتے ہیں، مثلاً: 'اس بارے میں'، 'اس زمانے میں'، 'اس مشاعرے کا'، 'لب و لہجے، اہلِ زبان، شایانِ شان وغیرہ۔

(6) مرکب الفاظ کے اجزا ہمیشہ علاحدہ علاحدہ لکھے جائیں، جیسے چوں کہ، چناں چہ، کیوں کہ، حال آں کہ، بل کہ وغیرہ۔ اسی طرح افعال میں اجزا الگ الگ ہوں، جیسے آئیں گے، لکھوں گا، لکھ سکے گا، دے دیا ہے وغیرہ۔

(7) کیجیے، لیجیے، اِس لیے وغیرہ میں ہمزہ نہیں لکھتے بل کہ انشا کی طرح دو 'ی' لکھتے تھے۔

حضرت اختر نگینوی کو لکھتے ہیں کہ: 'دیکھیے' کے 59 عدد ٹھیک ہیں۔ تاریخ میں مکتوبی عدد

لیے جاتے ہیں۔ 'دیکھیے' میں 'کھ' کے بعد دو یاے تحتانی تلفظاً بھی ہیں اور تحریراً بھی، لہٰذا اس کو جائز سمجھیے۔ ناواقف ایک یاے تحتانی سمجھتے ہیں۔ اُن کی غلطی ہے۔

اسی طرح حضرت احسن 'ذرا' کو ذال ہی سے لکھتے تھے۔ اب اس کو 'زے' سے لکھا جاتا ہے، اس دلیل پر کہ ذرّہ اپنے معنی اور تلفظ میں بدل گیا ہے۔ اسی کے خلاف حضرت احسن نے رسالہ 'فصیح الملک' میں بحث کی تھی۔ اور کچھ عربی الفاظ ایسے بھی پیش کیے تھے جو اپنی اصلی شکل میں اب بھی لکھے جاتے ہیں۔ گو کہ تلفظ اور معنی میں بدل چکے ہیں۔

اسی طرح 'ٹھہرنا' کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں 'ٹھ' ہندی کا (مخلوط ہ) حرف ہے... اسی بنا پر پُرانی زبان میں 'ٹھیرنا' یاے تحتانی سے بولتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ (خط بنام اعجاز صدیقی)

ان کے علاوہ فنِ عروض کے متعلق بھی بہت سے نکات حضرت احسن کی تحریروں میں ملتے ہیں جن کو بہ خوفِ طوالت فی الحال یہاں نہیں لکھا جاتا۔ تاہم، مذکورہ بالا باتیں ایسی ہیں جن کی اہمیت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے زبان کی اصلاح پر خصوصیت کے ساتھ توجہ فرمائی ہو اور ایک کامل استاد سے عرصۂ دراز تک استفادہ کیا ہو۔

~~~~~~~~

حواشی:

۱۔ رسالہ 'حسن' رام پور، بابت جنوری 1949۔ حضرت صغیر الحسنی نے مولانا احسن مارہروی کے مکاتیب کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے، یہ مضمون اسی مضمون کے مطالعے سے تیار کیا گیا ہے۔

۲۔ اُردو میں رائج ہے، گو کہ 'تقدم بالحفظ' بہتر ہوتا۔

۳۔ راقم کے پاس مہدوی مذہب کے بانی سیّد محمد جونپوری کی شہادت کے متعلق ایک مثنوی دکنی زبان میں شرف الدین کی موجود ہے، اس میں ملک الہٰ داد وغیرہ کا حال بھی ملتا ہے۔

۴۔ اس پر اورنگ زیب نے سب سے پہلے توجہ کی تھی، پھر انشا نے 'دریاے لطافت' میں بحث کی تھی۔

(منقول از علمی نقوش، غلام مصطفیٰ خاں)

☆☆☆
~~~~~~~~

اُردو املا اور رسمِ خط

ہمارے یہاں اردو رسمِ خط کے مسئلے پر جتنی توجہ دی گئی ہے اُردو املا پر نہیں دی گئی۔ حالاں کہ میرے نزدیک اس وقت اردو املا کے سلسلے میں جتنی غور وفکر کی ضرورت ہے اردو رسمِ خط کے سلسلے میں نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اردو رسمِ خط کے سلسلے کی بحثیں بڑی حد تک تھم گئی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ طے پا گئی ہیں لیکن اردو املا میں آج جس قسم کا نراج اور انتشار کام کر رہا ہے وہ اردو کے حق میں مہلک ہے اور ہمدردانِ اردو کی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ املا کے قواعد واصول بنیادی طور پر زبان ہی کے قواعد واصول ہیں۔ جب تک یہ قواعد و اُصول مرتب و مقرر نہ ہوں اور زبان کے رسمِ خط یا تحریر میں ان کی پابندی نہ کی جائے حقیقی معنوں میں نہ تو کوئی زبان ترقی کرسکتی ہے اور نہ اس کا کوئی بلند معیار قائم ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ساری ترقی یافتہ زبانوں میں املا (Spelling) کے ضابطوں کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ کسی لفظ کا تلفظ (Pronunciation) اپنے مروّج املا سے خواہ کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو لیکن اس کا جو املا (Spelling) مقرر ہے اور متعین ہے اُسے اسی طرح لکھیں گے مثلاً انگریزی کے الفاظ ہائی (High)، رف (Rough) اور کمیٹی (Committee) وغیرہ کو لے لیجیے، ان کے تلفظ کا ان کے املا سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے اس کے باوجود انھیں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے ضابطوں سے انگریزی املا میں آپ کسی طرح کا کوئی انحراف نہیں کرسکتے۔

یہی صورت دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اردو

کی جانب نہ پہلے کوئی توجہ دی گئی اور نہ آج خاطر خواہ دی جا رہی ہے۔ اول تو اس کے اصول ہی متعین نہیں ہیں، کچھ ہیں بھی تو وہ یکجا نہیں کہ عام وخاص سب ان سے استفادہ کرسکیں یا کتابت وطباعت میں ان کی پابندی کی جاسکے۔ جس کا جس طرح جی چاہتا ہے، اردو املا کو آسان بنانے کے بہ جائے بھول بھلیاں بنارہا ہے۔ اس بے راہ روی اور من مانی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اردو املا میں ایک لفظ کو کئی کئی طرح سے لکھنے کا رواج ہوگیا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

1- کوا، کواں، کنوا، کنواں۔

2- پانو، پانوں، پاوں، پاؤں۔

3- گانو، گانوں، گاوں گاؤں۔

4- انھیں، انہیں، انہوں، تمھیں، تمہیں۔

5- منہ، منھ، موں، مونھ۔

6- کیجے، کیجئے، لیجے، لیجئے۔

7- گاے، گائے، ناو، ناؤ۔

8- سابن، سابون، صابن، صابون۔

9- مسالا، مسالہ، مصالہ، مصالحہ۔

10- ابتداے شوق، ابتدائے شوق۔

11- جز، جزو، جزء۔

12- علیٰحدہ، علاحدہ، علحدہ۔

13- سیکڑا، سینکڑا، سیکڑہ، سینکڑہ۔

14- اس کے لئے، اس کے لیے، کسواسطے، کس واسطے، جس کے لئے، جس کے لیے۔

15- پہنچنا، پہونچنا، ٹھہرنا، ٹھیرنا، ٹہرنا۔

ان مثالوں سے اردو املا کی اس افراتفری کا بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے جو آج کی معیاری، غیر معیاری، صحافی اور ادبی ہر قسم کی تحریر میں نظر آتی ہے۔

اس مقالے کا بنیادی مقصد مسائل کو علمی بحثوں میں الجھانا نہیں بلکہ اردو املا کے اصول و ضوابط کو اس طرح یکجا و مرتب کرنا ہے کہ عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکیں۔ چناں چہ استدلال و

تجزیہ کو نظر انداز کر کے اس مقالے میں صرف نتائج کو درج کیا گیا ہے۔ بیشتر نتائج وہ ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ بعض اختلافی باتوں میں البتہ مجھے رد و قبول کی منزل سے گزرنا پڑا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں سہولت اور قبولِ عام کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ انشاء اللہ خاں انشا نے 'دریائے لطافت' میں لکھا ہے:

> 'جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا۔ خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا یوروپی۔ اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے خلاف ہو تو بھی صحیح۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے کیوں کہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے۔ گو اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔'

(دریائے لطافت، ص 253، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، 1935)

کسی لفظ کے استعمال کے بارے میں انشا کی اس رائے کو اردو کے سارے علما و ماہرین نے تسلیم کیا ہے۔ میں نے بھی اسی اصول کو اردو املا کے سلسلے میں اہم جانا ہے۔ جس طرح عربی فارسی کی قواعد اور عروض کو نہیں بلکہ رواجِ عام اور قبولِ عام کو ترجیح دینا چاہیے، میں نے یہی کیا ہے اور بہت غور و فکر کے بعد کیا ہے۔ اس کے باوجود یقین ہے کہ اس مقالے میں بعض کمزوریاں ہوں گی، اس لیے کہ آدمی خطا و نسیاں کا پُتلا ہے۔ میں زبان کے ماہرین اور قارئین سے گزارش کروں گا کہ وہ ان کمزوریوں کی نشان دہی فرمائیں۔

الف: الف کے استعمال کے قابلِ توجہ مقامات حسبِ ذیل ہیں:

1- عربی و فارسی کے بعض الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی ہوتی ہے، 'اَ' کی آواز پر ختم ہوتے ہیں۔ اس قیاس پر بعض غیر عربی و فارسی یا ہندی الفاظ بھی الف کے بجائے ہائے مختفی سے لکھے جانے لگے ہیں جیسے: گھونسلہ، مہینہ، بھروسہ، ناشتہ، بٹہ، تمغہ، دوپٹہ، باڑہ، بیڑہ، بٹوہ، بلبلہ، بنجارہ، لچہ، پسینہ، تارہ، چبوترہ، کتھہ، دھوکہ، میلہ، ڈرامہ، مارکہ (نشان)، بھانجہ، بھتیجہ، تانگہ، پٹاخہ، اکہ، آنولہ، ڈبہ، راجہ، دھماکہ، کلیجہ، بھتہ، روپیہ وغیرہ۔ اردو املا میں ان الفاظ کے آخر میں 'ہ' کے بجائے الف لکھنا چاہیے۔ چناں چہ ان کا

صحیح املا ہوگا: گھونسلا، مہینا، بھروسا، ناشتا، بٹا، تمغا، دوپٹا، باڑا، بیڑا، بٹوا، بلبلا، بنجارا، لُچا، پسینا، تارا، چبوترا، کتھا، دھوکا، میلا، ڈراما، مارکا (نشان)، بھانجا، بھتیجا، تانگا، پٹاخا، اکا، آنولا، ڈبا، راجا، دھماکا، کلیجا، بھتا، روپیا وغیرہ۔ اس قسم کے لفظوں میں آنہ اور پتہ کو مستثنیٰ کرسکتے ہیں تاکہ آنا اور پتا میں فرق قائم رہے۔ لیکن اسم علم یا خاص نام (Proper Noun) پر مندرجہ بالا اُصول کا اطلاق نہ ہوگا یعنی غیر عربی فارسی اسم علم کے آخر میں اگر ہائے مختفی لکھی جاتی ہے تو وہ اسی طرح قائم رہے گی جیسے پٹنہ، آگرہ، ہزارہ، ٹونڈلہ، شملہ وغیرہ۔

2- عربی کے بعض الفاظ میں 'ی' کے اوپر الف لکھا جاتا ہے، جیسے مولیٰ، مولینا، علیحدہ، دعویٰ، مقفیٰ، تقویٰ، مربیٰ، مصفیٰ، منقیٰ، معریٰ، مطلیٰ، معمیٰ، معلیٰ، تقاضیٰ، اعلیٰ، ادنیٰ وغیرہ میں۔ اردو املا میں 'ی' کی ضرورت نہیں، صرف الف سے لکھنا چاہیے جیسے مولا، مولانا، علاحدہ، دعوا، تقوا، مربا، معما، منقا، معری، معما، مدعا، مصفا، مقفا، مطلا، تقاضا، اعلا، ادنا وغیرہ، لیکن اسم علم (Proper Noun) میں اصل املا قائم رہے گا۔ چناں چہ عیسیٰ، موسیٰ، سلمیٰ کو اسی طرح لکھا جائے گا۔

3- عربی فارسی کے بعض الفاظ کے آخر کی ہائے مختفی بھی اردو جمع کی صورت میں الف سے بدل جاتی ہے۔ چناں چہ بیوہ، دایہ، قحبہ، قابلہ، سلمہ، خلیفہ اور علامہ کی جمع تحریری صورت میں بیوائیں، دایائیں، قحبائیں، قابلائیں، سلمائیں، خلیفاؤں اور علاماؤں ہوگی۔

4- عربی کے وہ مصادر جو افعال، افتعال اور استفعال کے وزن پر آتے ہیں اور جن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے، اُردو میں بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے، مثلاً:

(الف) افعال کے وزن کے الفاظ میں املاء، انشاء، اخفاء، القاء وغیرہ کا املا اردو میں املا، انشا، اخفا، اور القا ہو جائے گا۔

(ب) افتعال کے وزن کے لفظوں میں ابتداء، اشتباہ، ارتقاء، استواء، التواء، اقتداء، اقتضاء، ابتلاء وغیرہ کو اردو میں ابتدا، اشتبا، ارتقا، استوا، التوا، اقتدا، اقتضا اور ابتلا لکھا جائے گا۔

(ج) استفعال کے [وزن پر] الفاظ میں استعفاء، استفتاء، استغناء، استدعاء، استقراء، استنجاء وغیرہ کو بھی ہمزہ کے بغیر لکھا جائے گا۔

5- عربی کے بعض الفاظ کی جمع فُعلاء کے وزن پر ہمزہ کے ساتھ آتی ہے، جیسے: شعراء، جہلاء، امراء، فقراء، وزراء، حکماء اور غرباء وغیرہ۔ انھیں بھی ہمزہ کے بغیر شعرا، جُہلا، امرا، فقرا، وزرا، حکما اور غربا لکھا جائے گا۔

6- عربی کے کچھ اور ایسے الفاظ مستعمل ہیں جن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے، جیسے: کبریاء، دعاء، دواء، بلاء، عشاء، سوء وغیرہ۔ اُردو میں بھی یہ ہمزہ کے بغیر کبریا، دعا، دوا، بلا، عشا، سو وغیرہ لکھے جائیں گے۔

7- عربی میں بعض الفاظ کا مونث فُعلیٰ کے وزن پر آتا ہے، جیسے اکبر سے کُبریٰ، اصغر سے صغریٰ، احسن سے حُسنیٰ، اول سے اولیٰ، اعظم سے عُظمیٰ وغیرہ۔ اردو میں کُبرا، صُغرا، حُسنا، اولا، عظما لکھنا چاہیے، البتہ اگر یہ اسم علم ہوں اور کوئی شخص اپنے نام کے ہجے عربی املا ہی کی طرح لکھتا ہو تو ایسے خاص موقعوں پر اصل صورت ہی برقرار رہے گی۔

8- عیب و رنگ کے معنی رکھنے والے بعض عربی الفاظ کی تانیث فعلاء کے وزن پر آتی ہے، جیسے: اسود سے سوداء، اخضر سے خضراء، اصفر سے صفراء، احمر سے حمراء، ابیض سے بیضاء، احمق سے حمقاء۔ اردو میں ان کا املا بھی ہمزہ کے بغیر سودا، خضرا، صفرا، حمرا، بیضا اور حمقا ہو گا۔

9- عربی میں جن الفاظ کی جمع اَفعلاء کے وزن پر آتی ہے اُن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے، جیسے: شقی، غنی، ولی، نبی اور سخی کی جمعیں۔ اشقیاء، اغنیاء، اولیاء، انبیاء، اسخیاء وغیرہ انھیں بھی بغیر ہمزہ لکھا جائے گا۔

10- عربی کے بعض ایسے حروف جر بھی اردو میں مستعمل ہیں جن پر الف مقصورہ آتا ہے یعنی 'ی' پر الف لکھا جاتا ہے، جیسے علیٰ، الیٰ اور حتیٰ ان کو اسی طرح لکھا جائے گا، اس لیے کہ یہ اسم یا صفت نہیں حرفِ جار ہیں اور عربی اسم یا صفت سے مرکب ہو کر ہی اردو میں بولے جاتے ہیں جیسے علیٰ الاعلان، علیٰ ہذا القیاس، علیٰ العلوم، علیٰ الرغم، الیٰ الآخر، حتیٰ الوسع، حتیٰ المقدور وغیرہ۔

11- عربی کے بعض الفاظ حرفِ جاذب اور فی کسی لفظ سے مرکب ہو کر اردو میں بولے جاتے ہیں جیسے بالفرض، الطبع، بالمقابل، فی الحال، فی الوقت وغیرہ۔ ان الفاظ کا الف پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اسے لکھنا چاہیے، اس لیے کہ یہ 'ال' کا جز ہے اور ان مرکبات کی حیثیت اردو میں اسم مفرد کی سی ہے۔ ہم اس قیاس پر اردو میں دوسرے مرکبات نہیں ڈھال

سکتے۔ صاحبِ 'کیفیہ' نے جیسا سنو ویسا لکھو کے اصول کو مدِ نظر رکھ کر انھیں بلفرض، فلحال، فلوقت، بلمقابل، اور بطبع لکھنے کا مشورہ دیا ہے لیکن ایسا کرنے سے اردو املا میں اور کئی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ 'جیسا سنو ویسے لکھو' کا اصول پورے طور پر کسی زبان کے املا میں قابلِ عمل نہیں ہے۔ اردو میں اگر اس اصول کو اپنایا جائے تو خوش، خواب، خورد، خورشید، خواہش وغیرہ کو بغیر واو کے لکھنا ہوگا۔ تعلیم، تعظیم، معلوم، شمع وغیرہ میں ع کے بجائے الف لکھا جائے گا۔ کلمہ، قاعدہ، عمدہ، بستہ وغیرہ کی ہائے مختفی الف سے بدل جائے گی۔ عبدالصمد، عبدالرشید، عبدالوحید، عبداللہ وغیرہ سے الف یا الف کو محذوف کرنا ہوگا۔ غرض کہ جیسا سنو ویسا لکھو کا اصول کلی طور پر کارآمد نہیں ہوسکتا، اس لیے عربی مرکبات کو اصل صورت ہی میں لکھنا چاہیے۔

12- عربی کے بعض دوسرے مرکبات مثلاً عند الطلب، مابہ الامتیاز، درس القرآن، مافی الضمیر، فقید المثال، ساقط الاعتبار، رسم الخط، لیلۃ القدر، نصف النہار، آخر الامر، اظہر من الشمس وغیرہ کو بھی اسی طرح لکھنا چاہیے کہ یہ مرکبات اردو میں عام ہو چکے ہیں۔

13- عربی میں ا صرف 'ی' کے اوپر نہیں، کبھی کبھی دوسرے حروف کے اوپر بھی لکھا جاتا ہے، جیسے: اسمٰعیل، اسحٰق۔ اس الف کو الف مقصورہ سمجھنا غلطی ہوگی۔ یہاں الف ی کا بدل نہیں ہے بلکہ الف کی پوری آواز دیتا ہے، اس لیے اردو املا میں ان الفاظ کو اسماعیل، اسحاق اور سلیمان لکھنا چاہیے۔

14- عربی کے بعض الفاظ کی جمع فَعالیٰ کے وزن پر آتی ہے جیسے صحرا سے صحاریٰ، دعویٰ سے دعاویٰ، فتویٰ فتاویٰ اور یتیم سے یتامیٰ۔ ان کے املا میں الف کو ی کے اوپر اسی طرح رہنے دیا جائے۔ اول اس لیے کہ یہ واحد لفظ کی جمع ہیں اور جمع کے وزن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ اس نوع کے الفاظ صرف چند ہیں اور ان کا استعمال علمی و ادبی زبان کی بہت اونچی سطح پر ہی ہوتا ہے۔

15- جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں 'ہ' یا الف ہو اور ان کی جمع یائے تحتانی لگانے سے بن سکتی ہو اور ان کے فوراً بعد حروفِ عاملہ (مغیرہ) یعنی تک، سے، کو، کے، کی، میں، پر، نے وغیرہ میں سے کوئی حرف آئے تو اردو املا میں اس الف کو یائے تحتانی سے بدل دیا جائے گا جیسے ان جملوں میں:

(1) اِس لڑکے کو بلاؤ۔

(2) بیٹے نے باپ سے کہا۔

(3) آنحضرت پیدا مکّے میں ہوئے دفن مدینے میں ہوئے۔

(4) کوٹھے سے نیچے اُتر آؤ۔

(5) میں آپ کے بھروسے پر بیٹھا رہا۔

(6) ماں نے بچّے کو کلیجے سے لگالیا۔

(7) تاج محل آگرے میں ہے۔

لڑکا، بیٹا، مکّہ، مدینہ، کوٹھا، بھروسہ، بچّہ اور کلیجا اور آگرہ کے الف اور 'ہ' کو حروفِ مغیرہ کے سبب یائے تحتانی سے بدل دیا گیا ہے۔ قواعد میں اس عمل کو امالہ کہتے ہیں۔

16- لیکن مندرجہ ذیل الفاظ امالہ قبول نہیں کرتے یعنی ان کے آخر کی 'ہ' یا الف کو حروفِ مغیرہ کے سبب ہائے تحتانی سے نہیں بدلا جائے گا:

(1) سنسکرت یا سنسکرت سے آئے ہوئے بعض ہندی الفاظ اور اسم خاص جیسے راجا، سبھا، بھاکا، مالا، گنگا، جمنا، متھرا، گھاگھرا، گیا، داتا، جاترا، پوجا وغیرہ۔

(2) بعض فارسی الفاظ جیسے خدا، دریا، آشنا، دانا، بینا، پارسا، دارا، جہاں آرا، دل کشا، ہما، کیمیا، مینا، ثریا وغیرہ۔

(3) رشتے ظاہر کرنے والے بعض ہندی الفاظ جیسے دادا، نانا، پھوپا، بابا، چچا، ابا، باوا، ماتا، پتا، بھیا، آپا۔

(4) بعض دوسرے اسم خاص جیسے بخارا، ایشیا، امریکہ، پرشیا، لنکا، برما، ہمالیہ۔

(5) عربی کے ایسے مصادر اور اسم مفعول جن کا آخری حرف اردو املا میں الف ہوتا ہے جیسے: ابتدا، ارتقا، انتہا، اشتہا، احقا، افترا، املا، التجا، تمنا، استغنا، استدعا، استثنا، مدعا، منتہا، مقتضا وغیرہ، لیکن تقاضا اور تماشا کے الفاظ امالہ قبول کرتے ہیں بہ شرط یہ کہ یہ اصل معنی سے ہٹ کر اردو معنی کے مطابق استعمال ہوں۔

(6) عربی کے سہ حرفی الفاظ جیسے دعا، میل، بلا، فنا، عبا، قبا، ہوا، صبا، غذا، ثنا، صدا، جزا، جفا، وفا، ادا، بقا وغیرہ؛ البتہ سودا کا لفظ اردو معنی میں امالہ قبول کرے گا۔

(7) بعض لقب، خطاب اور عہدوں کے نام جیسے علامہ، خلیفہ، آقا، آغا، مرزا، ملاّ،

مولانا، پیشوا، دولھا، نشوشہ وغیرہ۔
(8) عربی الفاظ جن کے آخر میں الف 'ی' کے اوپر لکھا جاتا ہے، جیسے ادنیٰ، اعلیٰ، اولیٰ وغیرہ۔
(9) عربی الفاظ جن کے آخری حرف 'ہ' سے پہلے 'ع' مفتوح ہو، جیسے جمعہ اور قلعہ کے الفاظ لکھنے میں امالہ قبول نہیں کریں گے۔ ہاں پڑھنے میں ان کا تلفظ ہائے تحتانی کے ساتھ کیا جائے۔
(10) فُعلاء کے وزن کی عربی جمع مثلاً شُعرا، عُلما، فُصحا، جُہلا، فُقرا وغیرہ۔
(11) فارسی کے اسم معقول مثلاً شنیدہ، گفتہ، رفتہ، خفتہ، سوختہ، آزمودہ، پختہ وغیرہ، لیکن دیدہ (بمعنی آنکھ) کشتہ (بمعنی طبی اصطلاح) امالہ قبول کریں گے۔
(12) فارسی کے اسم فاعل مثلاً آئندہ، تابندہ، رخشندہ، پایندہ وغیرہ، لیکن زندہ، سازندہ، دہندہ وغیرہ اردو میں امالہ قبول کریں گے۔
(13) ایسے تمثیلی و تشبیہی الفاظ جن کے آخر میں 'انہ' بطورِ لاحقہ ہے، جیسے: مادرانہ، فسانہ، رندانہ، خسروانہ، حریفانہ، شاعرانہ وغیرہ، لیکن ایسے الفاظ جن میں 'انہ' کا ٹکڑا تشبیہ و تمثیل کے سوا کچھ اور معنی دے گا، امالہ قبول کریں گے، جیسے دیوانہ، افسانہ، جرمانہ، پیمانہ، مخنتانہ، زمانہ، مردانہ، پروانہ۔
(14) فارسی کے مرکب اضافی و توصیفی اور عطفی جیسے آب و دانہ، دلِ دیوانہ، شمع و پروانہ، مردِ فرزانہ، چراغ کعبہ وغیرہ۔
(15) عربی کے اسمائے مونث جیسے والدہ، ماجدہ، عقیلہ، جمیلہ، عاصمہ، سلیمہ، حلیمہ وغیرہ۔
(16) ہندی کے بعض اسمائے مونث جیسے گڑیا، چڑیا، بندریا، گوریا، ڈلیا، کن کیا وغیرہ۔
17- حروفِ مغیرہ یا عاملہ یعنی نے، کو، کے، کا، سے، تک، پر، میں کے علاوہ کچھ اور ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو قابلِ امالہ الفاظ کے بعد استعمال ہوتے ہیں تو ہائے مختفی یا الف کو یائے تحتانی سے بدل دیتے ہیں، مثلاً:
(1) جن قابلِ امالہ الفاظ کے بعد 'جیسا، جیسی، جیسے کے الفاظ آئیں گے، اُن کے آخر کی ہائے مختفی یا الف یائے تحتانی سے بدل جائے گی جیسے گھوڑے جیسی چال، گدھے جیسا

دماغ، کھمبے جیسے موٹے۔

(2) 'والا'، 'والے'، 'والی' کے الفاظ بھی امالہ کا سبب ہوتے ہیں جیسے تانگے والا، گھوڑے والا، بھروسے والی، حوصلے والے وغیرہ۔

(3) اسم فاعل مرکب میں قابلِ امالہ الفاظ کے ساتھ 'وار'، 'دار'، 'باز' اور 'بان' کا استعمال بھی امالہ کا سبب ہوتا ہے، جیسے مزے دار، فرقے دار، گلے باز، نشے باز، سٹے باز، یکّے بان وغیرہ۔

(4) تعظیم اور ندا سے بھی کبھی کبھی امالہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، جیسے: چل مرے خامے بسم اللہ، بیٹے ادھر آؤ اور مدینے شریف، مکّے شریف وغیرہ۔

(5) جب لفظ کی تکرار سے حال کا اظہار کیا جائے تو بھی امالہ ہوگا خواہ وہ ذوالحال مذکر ہو یا مونث، جیسے لڑکی لیٹے لیٹے سو گئی، میں پڑے پڑے بور ہو گیا۔

'ذ' یا 'ز':

(1) 'ذرا' دراصل عربی لفظ 'ذرّہ' کی تخفیف ہے، اس لیے اسے 'ذال' سے لکھنا چاہیے۔ بعض اسے 'ز' سے لکھتے ہیں۔ رواجِ عام 'ذال' ہی کا ہے اور یہی درست ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اس غرض سے کہ اردو میں 'ذرا' کے معنی عربی 'ذرّہ' کے معنی سے بہت مختلف ہو گئے ہیں، اسے 'ز' سے لکھنے کا مشورہ دیا ہے، لیکن 'ذ' کو 'ز' سے بدلنے کا یہ جواز کافی نہیں ہے۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو اردو میں عربی سے مختلف معنی رکھتے ہیں لیکن ان کا املا عربی ہی کی طرح لکھا جاتا ہے۔ استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے بھی 'ذرا' کے املا میں 'ذال' ہی کو ترجیح دی ہے۔

(2) غالب نے ایک خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ 'ذ' عربی سے مخصوص ہے، فارسی میں نہیں آتا اس لیے فارسی کے مصادر:

(1) گذشتن۔

(2) پذیرفتن۔

(3) گذاشتن۔

اور ان سے مشتق الفاظ مثلاً گذشتہ، پذیرائی، گذارش، گذر، فروگذاشت وغیرہ کو 'ذ' سے نہیں 'ز' سے لکھنا چاہیے۔ صاحبِ 'کیفیہ' نے بھی یہی مشہور دیا ہے، لیکن غالب کی یہ

رائے صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی تحقیق کے مطابق 'ذ' عربی کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ فارسی میں بھی موجود ہے اور مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ کاغذ اور آذر کو بھی اہلِ ایران نے 'ذ' ہی سے لکھا ہے، اردو میں بھی گذشتن، پذیرفتن اور گذاشتن کو عام طور پر ذال ہی سے لکھنے کا رواج ہے اور یہی درست ہے۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے 'ز' سے بھی لکھا جا سکتا ہے لیکن ترجیح 'ذ' ہی کو دینا چاہیے۔ یہی مقبول ترین روش ہے۔

(3) آذر اور آزر دو الگ لفظ ہیں۔ فارسی لفظ میں آذر کا املا ذال ہی سے ہوگا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ذال سے نہیں 'ز' سے آزر لکھنا چاہیے، اس لیے کہ یہ نام قرآن پاک میں 'ز' کے ساتھ اسی طرح آیا ہے۔

(4) عربی کے دو الفاظ 'ذکی' اور 'زکی' بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ 'ذکی' کے معنی میں تیز، فہیم اور قابلِ ملامت، اس لیے یہ عام طور پر اسم علم نہیں ہوتا بلکہ اسم صفت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ زکی کے معنی ہیں پاک اور یہ اکثر اسم علم ہوتا ہے جیسے زکی الدین، محمد زکی، زکی احمد وغیرہ، اس لیے جب اسم علم یعنی کسی کا نام ہو تو 'ز' سے اور اسم صفت ہو تو 'ذ' سے لکھنا چاہیے۔

(5) ذکریا، زخار اور زکات کو بھی بعض لوگ 'ز' کے بجائے 'ذ' سے لکھتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ انھیں 'ز' سے لکھنا چاہیے۔

(6) ذات کا لفظ خواہ نفس اور تشخص کے معنی میں ہو یا نسل و قوم کے معنی ہیں 'ذ' سے لکھا جانا چاہیے، اس لیے کہ رواجِ عام یہی ہے۔

(7) آذوقہ کا لفظ اردو فارسی لغات میں 'ز' اور 'ذ' دونوں سے ملتا ہے یعنی کہ آزوقہ بھی لکھا جاتا ہے اور آذوقہ بھی، اردو میں ان کا املا 'ز' سے ہونا چاہیے، اس لیے کہ آزوقہ کا لفظ فارسی ہے، لیکن دونوں طرح لکھنے میں بھی کوئی خاص قباحت نہیں۔

'ت' یا 'ط':

(1) طوطا ایک مقامی پرندہ ہے، نہ تو یہ طوطی کی تذکیر ہے اور نہ عربی فارسی لغت سے اس کا کوئی تعلق ہے، اس لیے اس کا املا 'توتا' ہونا چاہیے تھا۔ بعض نے 'ت' سے لکھا بھی ہے اور 'ت' سے لکھنے کا مشورہ بھی دیا ہے لیکن اس کا املا 'ط' سے اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب اسے 'ط' ہی

سے طوطا لکھنا چاہیے۔

(2) طپش اور تپش۔ دونوں لفظ فارسی کے مصدر طپیدن اور تپیدن کے حاصل مصدر ہیں۔ چوں کہ فارسی لغات اور صفوۃ المصادر میں یہ مصدر 'ط' اور 'ت' دونوں سے ملتا ہے، اس لیے طپش اور تپش کا املا 'ط' اور 'ت' دونوں سے کیا جا سکتا ہے، لیکن ترجیح 'ت' کو دینا چاہیے۔

(3) تیار یا طیار۔ تیار بہ معنی مستعد اور آمادہ عام ہے، لیکن فارسی اور اردو کی مستند تحریروں میں طیار بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ چوں کہ اول الذکر کو قبولِ عام حاصل ہے اس لیے 'ت' ہی سے لکھنا چاہیے۔ البتہ جہاں طیّار کا لفظ اُڑنے والے کے معنی میں استعمال ہو، 'ط' ہی سے لکھا جائے گا۔

(4) تولیہ یا طولیہ۔ بعض لوگ طولیہ لکھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ تولیہ لکھنا چاہیے۔

(5) تشت اور طشت۔ اردو فارسی لغات میں دونوں طرح ملتا ہے، اس لیے دونوں طرح صحیح ہے۔ ترجیح 'ت' کو دینی چاہیے۔

ہمزہ

اردو میں ہمزہ کے استعمال کے قابلِ توجہ مقامات یہ ہیں:

(1) اردو کے جن مصدروں کی علامات 'نا' ہٹانے سے امر کے آخر میں الف آئے گا جیسے 'آ' (آنا سے)، 'جا' (جانا سے)، 'کھا' (کھانا سے)، 'لا' (لانا سے)، 'گا' (گانا سے) وغیرہ۔ ان کے افعال کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہمزہ کا استعمال ہوگا:

(الف) مضارع واحد غائب واحد حاضر، جیسے آئے، جائے، کھائے، لائے، گائے وغیرہ اور واحد غائب اور واحد حاضر کی بھی یہی صورت ہوگی۔

(ب) مضارع جمع غائب جمع متکلم جیسے جمع حاضر (آپ) جائیں، کھائیں، گائیں وغیرہ۔

(ج) مضارع (جب کہ فاعل، ضمیر واحد متکلم میں ہو) جیسے آؤں، جاؤں، کھاؤں، لاؤں، گاؤں وغیرہ۔

(د) فعل مستقبل میں بھی یہ تینوں صورتیں باقی رہیں گی جیسے آئے گا، جائے گا، آئیں گے، جائیں گے، آؤں گا، جاؤں گا وغیرہ۔

(س) فعل امر (جب کہ فاعل ضمیر حاضر جمع 'تم' ہو) جیسے آؤ، جاؤ، کھاؤ، لاؤ، گاؤ وغیرہ۔
(ص) واحد غائب مذکر۔ واحد حاضر مذکر اور واحد متکلم مذکر کو چھوڑ کر ماضی کے سارے صیغوں میں جیسے وہ آئی، وہ آئے، وہ آئیں، تو آئی، تم آئی، تم آئے، تم آئیں، میں آئی، ہم آئے۔

(2) ایسے مصادر جن کی علامت 'نا' ہٹانے سے امر کے آخر میں واو آتی ہے، جیسے سونا سے سو، کھونا سے کھو، رونا سے رو، دھونا سے دھو وغیرہ، ان کی مندرجہ ذیل شکلوں میں ہمزہ آئے گا:
(الف) امر کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہمزہ آئے گا، جیسے:
(1) سوئیے، کھوئیے، دھوئیے، روئیے، بوئیے۔
(2) بوئیں، سوئیں، کھوئیں، روئیں، دھوئیں، چھوئیں۔
(3) بوؤ (بونا سے امر)، سوؤ (سونا سے امر)، کھوؤ (کھونا سے امر)، روؤ (رونا سے امر)
دھوؤ (دھونا سے امر)، چھوؤ (چھونا سے امر)۔

(3) جن مصدروں کی علامت 'نا' ہٹانے سے امر کے آخر میں چھوٹی یا بڑی 'ی' آتی ہے، جیسے پینا سے پی، جینا سے جی، سینا سے سی، لینا سے لے، دینا سے دے، کھینا سے کھے؛ ان کے افعال کی کسی بھی شکل میں ہمزہ نہیں آئے گا یعنی پیو، سیو، جیو، کھیو، سیو یا پیجیے، لیجیے، دیجیے وغیرہ میں ہمزہ نہیں لکھا جائے گا۔ کرنا سے کیجیے، اور کیے بھی بغیر ہمزہ لکھا جائے گا۔

(4) ایسے مصادر جن کی مصدر 'نا' ہٹانے سے امر کے آخر میں الف، و، ی کے علاوہ کوئی اور حرف صحیح آتا ہو جیسے کہنا سے کہہ، پڑھنا سے پڑھ، لکھنا سے لکھ، رونا سے رو، دوڑنا سے دوڑ، گھومنا سے گھوم، کاٹنا سے کاٹ، جھانکنا سے جھانک وغیرہ، ان کے افعال کی بھی ہر شکل بغیر ہمزہ کے لکھی جائے گی، یعنی کہیے، پڑھیے، لکھیے، دوڑیے، گھومیے، کاٹیے، جھانکیے وغیرہ میں ہمزہ نہیں آئے گا۔

(5) جانا مصدر اور اس کے ماضی مطلق 'گیا' کی تانیث اور جمع میں ہمزہ آئے گا جیسے گئی، گئے، گئیں۔

(6) نون غنہ والے بعض الفاظ مثلاً دھواں، کواں، رواں کے بعد جب حروف مغیرہ یعنی تک، نے، پر، سے، کو میں سے کوئی حرف آئے گا تو ان میں ہمزہ لکھا جائے گا، جیسے دھوئیں، میں، کنوئیں میں، دھوئیں نے، دھوئیں کو، وغیرہ۔

(7) مندرجہ ذیل قسم اور وزن کے حاصل مصدروں اور دوسرے اسما کی 'ی' پر ہمزہ آئے گا خواہ وہ کسی زبان کے لفظ ہوں، جیسے لکھائی، پڑھائی، دھلائی، تپائی، چنائی، رعنائی، جلوہ آرائی، آشنائی شہنائی وغیرہ۔

(8) مندرجہ بالا وزن اور قافیے کے دوسرے اسمِ صفت یا اسمِ جامد بھی ہمزہ کے ساتھ ہی لکھے جائیں گے، جیسے برائی، بھلائی، دائی، مائی، نائی، بلوائی، بائی، مہنگائی، رائی، اکائی، دہائی، حلوائی وغیرہ۔

(9) عربی فارسی کے سارے ایسے الفاظ جن کے کسی درمیانی حرف پر مستقل حرف کی حیثیت سے ہمزہ آتا ہے اردو املا میں بھی ہر جگہ برقرار رہے گا، جیسے رسوائی، فائدہ، فوائد، سائبان، شائیگان، رائیگاں، شرائط، جزائر، جرأت، قرأت، دائرہ، نقائص، قائل، مسائل، ذائقہ، فائقہ، طائفہ، لائق، فائق وغیرہ۔

(10) عربی کے بعض ایسے الفاظ بھی اردو میں مستعمل ہیں جن کے حروف اصلی میں ہمزہ نہیں آتا اور عربی تلفظ یا املا میں 'ی' ہی لکھی جاتی ہے، جیسے مضایقہ، مغایرت، معاینہ وغیرہ، لیکن ان الفاظ میں چوں کہ الف اور ی دو حروفِ علت یکجا ہو گئے اس لیے اردو تلفظ میں 'ی' کی آواز دب کر ہمزہ کی طرح نکلتی ہے۔ بقولِ پروفیسر حبیب اللہ غضنفر، ان الفاظ کے اردو تلفظ میں 'ی' کی آواز کو ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے، اس لیے اس قسم کے الفاظ کو بھی اردو میں ہمزہ ہی کے ساتھ مضائقہ، مغائر، معائنہ لکھنا چاہیے۔ شائع، ضائع، مائع کی بھی یہی صورت ہوگی یعنی اردو میں ہمزہ کے ساتھ لکھے جائیں گے۔

(11) عربی کی طرح فارسی کے بھی بہت سے الفاظ خصوصاً حاصلِ مصدر اس قسم کے ہیں جن میں اصلاً 'ی' ہے، لیکن اردو میں دوسرے حروفِ علت الف یا واو کے بعد آنے کے سبب ہمزہ کی سی آواز دیتی ہے، اس لیے اردو میں اس قسم کے الفاظ کو 'ی' کے بجائے ہمزہ سے لکھنا چاہیے، جیسے پیمائش، نمائش، آرائش، زیبائش اور ستائش وغیرہ۔

(12) الف کے استعمال کے سلسلے میں کہا جا چکا ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں ہمزہ بہ طورِ حرفِ اصلی آتا ہے وہ اردو املا میں ہمزہ کے بغیر لکھے جائیں گے مثلاً ابتداء کا املا اردو میں 'ابتدا' ہوگا لیکن اگر اس قسم کے لفظوں پر تنوین آئے گی تو ہمزہ برقرار رہے گا یعنی ابتدا کو 'ابتداءً' لکھا جائے گا۔

(13) عربی و فارسی کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی آتی ہے، جب فارسی ترکیب میں مضاف اور موصوف ہوں گے تو اظہارِ اضافت کے لیے 'ہ' کے نیچے زیر کے بجائے اوپر ہمزہ لگایا جائے گا، جیسے نالۂ دل، عمدۂ منتخبہ، تذکرۂ شعرا، بندۂ خدا، دیدۂ خونبار، بندۂ ناچیز، دیدۂ نم، حوصلۂ دل، نامۂ شوق وغیرہ۔

(14) عربی و فارسی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں الف، یا ہمزہ میں سے کوئی حرف آئے گا تو فارسی ترکیب میں اگر مضاف یا موصوف ہوں گے تو ان کے آخر کے یہ حروف یائے تحتانی یعنی بڑی 'ے' سے بدل جائیں گے، لیکن 'ے' پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا جیسے دریا سے دریائے عشق، سودا سے سودائے خام، ابتدا سے ابتدائے شوق، انتہا سے انتہائے کرم، بلا سے بلائے جاں، دوا سے دوائے درد، سوء سے سوئے ظن، اور سوئے خیال، کو سے کوئے یار، بو سے بوئے گل، آرزو سے آرزوئے دل وغیرہ۔ غالب نے لکھا ہے کہ فارسی ترکیبوں کی یائے تحتانی پر ہمزہ لکھنا عقل کو گالی دینا ہے۔

اعراب (Vowels)

زبر: حروفِ صحیحہ (Consonent) ساکن سے قبل زبر نہیں لکھا جائے گا مثلاً اب، تب، جب، در، دس، بس، ہل وغیرہ زبر کے بغیر لکھے جائیں گے۔

زیر: صرف حروفِ صحیحہ ساکن سے قبل لکھا جائے گا، جیسے اِس، اِملا، بِلّی، تِتلی، فِکر، ذِکر، وِتر، دِل، مِلنا وغیرہ میں۔

پیش: زیر کی طرح یہ بھی صرف حروفِ صحیحہ سے قبل لکھا جائے گا، جیسے اُس، تُجھ، کُچھ، گُل، گُلاب، فُغاں، مُجھ، مُسلم، مُقدم وغیرہ۔

اَو: واو مجہول کا زبر لکھا جائے گا جیسے جَور، غَور، اَور، جَو نَو لَو، پَون، کَون، پَودا، سَودا اور یَوم وغیرہ میں۔

اُو: واو مجہول سے قبل کا پیش نہیں لکھا جائے گا، جیسے مور، شور، کور، ڈھول، کھول، توڑا، موڑا، پودا وغیرہ میں۔

اَے: یائے مجہول سے قبل اگر زبر ہے تو لکھا جائے گا، جیسے ہَے، شَے، نَے، طَے، چھَے، بَیل، مَیل، جھَیلا، چھَیلا۔ اس قسم کے الفاظ میں جب 'ی' لفظ کے بیچ میں ماقبل سے مل کر آتی

ہے تو 'ی' پر الٹا جزم (ˆ) بنا دیتے ہیں۔

اُو: واو معروف کے قبل اگر پیش ہو تو لکھا جائے گا اور واو پر الٹا کا ما لگایا جائے گا۔ جیسے: نُور، طُور، گُوگُو، سُوٹ، گُوشا، رُوس، لُوٹ، چُوسنا، مُور، مُوش، مُونگ، دُھوپ، رُوپ وغیرہ میں۔

اِے: یائے مجہول سے قبل کا زیر بھی لکھا جائے گا جیسے رِیل، مِیل، دِیل، جھِیلنا، کھِیلنا، ڈھکِیلنا، پِیلنا وغیرہ میں۔

اِی: یائے مجہول سے قبل کا زیر نہیں لکھا جائے گا، جیسے ابھی، سبھی، بھی، کبھی، کی، موچی، دھوتی وغیرہ میں۔

اِی: یائے معروف سے قبل کا زیر لکھا جائے گا اور 'ی' کے نیچے مختصر سا الف کا نشان لگے گا جیسے کیل، ہیل، ڈھیل، جھیل، گیلا، نیلا، پیلا، قبیل وقال وغیرہ میں۔

واو معدولہ: ایسا واو جو لکھا جاتا ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتا، اس کے نیچے چھوٹی سی لکیر کھینچ دیتے ہیں جیسے خوِش، خوِد، خوِرشید، خوِردونوش، خوِاب، خوِاہش وغیرہ۔

یائے مخلوط: یائے مخلوط پر الٹا جزم لکھا جائے گا، جیسے کیا، پیاس، پیار وغیرہ۔

نون غنہ:

(1) نون غنہ لفظ کے آخر میں پورا لکھا جائے گا اور نقطے کے بغیر آئے گا، جیسے یہاں، وہاں، جہاں، ماں، آساں، ارماں، گلستاں وغیرہ۔

(2) لفظ کے درمیان میں نقطے کے ساتھ لکھا جائے گا اور اس پر الٹے جزم کا نشان (ˆ) بھی آئے گا، جیسے: رنگ، جنگ، دنگ، منگل، آنسو، بھینس، اِنک (روشنائی)، ہینگ وغیرہ۔

(3) گاؤں، پاؤں اور چھاؤں کا املا بعض نے گانوں، پانوں اور چھانوں بھی کیا ہے اور بعض ادیبوں نے خصوصاً غالب اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے گانو، پانو اور چھانو لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں نون غنہ کی جو آواز نکلتی ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ واو سے پہلے کے نون کی بازگشت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس طرح لکھنے سے ان لفظوں کی جمع گانووں، پانووں، چھانووں بن جاتی ہے۔ پہلی بات یوں محلِ نظر ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں نون غنہ کی آواز بہ ہر حال نکلتی ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی ہو۔ دوسرے

یہ کہ ان لفظوں کی جمع بنانے کی ضرورت بہت ہی کم پڑتی ہے۔ جمع کا کام بھی واحد ہی سے لیا جاتا ہے، جیسے ان جملوں میں:

— دس گاؤں سیلاب کی نذر ہو گئے۔

— اس کے پاؤں بہت لمبے ہیں۔

چوتھے یہ کہ اس قسم کے الفاظ کی تعداد چند ایک سے زیادہ نہیں ہے اور ان کا املا گاؤں، پاؤں، داؤں، چھاؤں اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب ان میں تبدیلی کرنا الجھن کا باعث ہو گا۔ پانچویں یہ کہ بدلے ہوئے املا میں اگر نون میں غنہ کا نشان محذوف ہو گیا تو التباس کا سبب ہو گا یعنی 'گانو' (گانوں) کو 'گانا (گیت نغمہ) کی جمع۔ پانو (پانوں) کو پان کی جمع اور 'دانو' کو 'دانہ' کی جمع اور چھانو کو (چھاننا) کا امر بھی پڑھے گا۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ ان کا مروج املا گاؤں، پاؤں، چھاؤں، داؤں ہی برقرار رکھا جائے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے مطابق بھی رواج اسی املا کا ہے۔ کنواں، دھنواں کی بھی یہی صورت ہے۔ انھیں بھی مروّج املا کے مطابق کواں، دھواں لکھنا چاہیے۔

(4) عربی فارسی کے بعض الفاظ میں جب نون غنہ کے بعد 'ب' آتی ہے تو 'ن' اور 'م' کی آواز پیدا ہوتی ہے، جیسے شنبہ، دوشنبہ، گنبد، منبر، منبع، انبیا، دنبہ، دنبال، جنبش وغیرہ۔ اردو میں ان الفاظ کا املا اسی طرح رہے گا البتہ عربی و فارسی الفاظ کے علاوہ جن لفظوں میں 'ن-ب' کے بجائے 'م' سے لکھے جائیں گے، جیسے امبیا (کیری)، گڑمبا، تمبو، تمبولی، تمباکو، بمبئی، چمبیلی، کھمبا، لمبا، لمبی، جمبو، شمبھو دیال وغیرہ کو 'م' کے بہ جائے نون غنہ سے لکھنا درست نہ ہو گا۔

(5) بعض الفاظ مثلاً سوچنا اور سیکڑا کو بعض نون غنہ کے ساتھ سونچنا، اور سینکڑا یا سینکڑہ لکھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ نون غنہ کے بغیر سوچنا اور سیکڑا ہی لکھنا چاہیے۔

تنوین:

(1) تنوین، عربی الفاظ کے لیے مخصوص ہے۔ اردو املا میں لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ کر کے لگائی جاتی ہے، جیسے فرد، شخص، ضمن، رسم، اوسط، تخمین، احتیاط، ثانی اور تفریح سے فرداً فرداً، شخصاً، ضمناً، رسماً، اوسطاً، تخمیناً، احتیاطاً، ثانیاً، تفریحاً وغیرہ۔

(2) بعض کا خیال ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں گول 'ۃ' آتی ہے انھیں الف کے اضافے کے بغیر تنوین لگانی چاہیے۔ چناں چہ بعض حضرات فطرۃً، قدرۃً، حقیقۃً وغیرہ ہی لکھتے ہیں۔ عربی املا کے سلسلے میں یہ درست سہی لیکن اردو میں یوں مناسب نہیں کہ عربی کی گول 'ۃ' اردو میں بہت ہی کم لکھی جاتی ہے۔ فطرۃً، قدرۃً، حقیقۃً کا املا ہمیشہ فطرت، قدرت اور حقیقت کیا جاتا ہے، اس لیے ان الفاظ کے آخر میں بھی الف بڑھا کر تنوین کے ساتھ فطرتاً، قدرتاً، حقیقتاً لکھنا چاہیے۔ مولوی عبدالحق صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ اردو املا میں عربی کے ہر لفظ پر الف بڑھا کر تنوین لگانا چاہیے۔

(3) اردو میں دو زیر یا دو پیش کی تنوین مستعمل نہیں ہیں۔ ہاں عربی کے جو فقرے اردو میں مستعمل ہیں اُن میں کبھی کبھی نظر آجاتی ہے جیسے نسلاً بعد نسلٍ، لیکن زیر اور پیش کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف کے اضافے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(4) غیر عربی الفاظ پر تنوین نہیں آتی، لیکن اردو میں ایک دو لفظ تنوین کے ساتھ مستعمل ہو گئے ہیں جیسے اندازاً اور نموناً، انھیں غلط العام فصیح کے تحت درست کہا جائے گا۔ لیکن اس قیاس پر دوسرے ہندی یا فارسی لفظوں پر تنوین کا استعمال غلط ہوگا۔

(5) ہمارے یہاں بعض خواتین کے نام رحیم، کریم، مجید، شریف، حکیم، لئیق، رفیق وغیرہ کی تانیث کے طور پر رحیمن، کریمن، شریفن، حکیمن، لئیقن، رفیقن وغیرہ رکھے جاتے ہیں، ان ناموں کو اسی طرح لکھنا چاہیے، انھیں تنوین کے ساتھ رحیمً یا رحیماً، کریمً یا کریماً وغیرہ لکھنا غلط محض ہوگا۔

(6) جن عربی الفاظ کے آخر کا ہمزہ اردو میں گرا دیا جاتا ہے، اگر ان پر تنوین آئے گی تو ہمزہ کو برقرار رکھ کر ہمزہ ہی پر تنوین لگائیں گے، مثلاً عربی کے لفظ ابتداء اردو املا میں بغیر ہمزہ 'ابتدا' ہے، اسے ہمزہ بڑھا کر تنوین کے ساتھ ابتداءً لکھا جائے گا۔

تشدید:

(1) تشدید ایسے حرف پر آئے گی جو لکھنے میں ایک بار اور تلفظ میں دو بار آتا ہو، جیسے شدّاد، صیّاد، ابّو، بچّہ، پکّا، ڈبّا وغیرہ میں د، ی، ب، چ، ک، اور ب پر۔

(2) عربی کے بعض الفاظ بہ ظاہر دو حرفی نظر آتے ہیں، مثلاً غم، رد، سد، صد، فن وغیرہ، لیکن

اصلاً یہ تین حرفی ہیں اور ان کا دوسرا حرف مشدد ہے۔ چناں چہ یہ فارسی ترکیب کے ساتھ بہ طورِ مضاف یا موصوف استعمال ہوتے ہیں تو ان کی تشدید نمایاں ہو جاتی ہے، جیسے فنِّ قدیم، فنِّ شعر، ردِّ بلا، سدِّ باب، مدِّ نظر، عمِّ محترم، جدِّ امجد وغیرہ۔ ان میں بھی تشدید لکھنی چاہیے۔ ہاں 'غم' کا لفظ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اردو میں بغیر تشدید ہی لکھا اور بولا جاتا ہے خواہ فارسی ترکیب کے ساتھ آئے یا الگ، جیسے غمِ دوراں، غمِ حیات، نشاطِ غم، ثباتِ غم وغیرہ۔

(منقول از اردو املا اور رسمِ خط (اصول و مسائل)، ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

☼☼☼

رؤف پاریکھ

انگریزی الفاظ کا اُردو املا: صوتیات کی روشنی میں

اردو املا کے مباحث میں دیگر امور کے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی زیرِ بحث رہا ہے اور اب بھی ہے کہ انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے ان الفاظ کو جو اردو میں بالعموم مستعمل ہیں، اردو حروف میں کیسے ظاہر کیا جائے گا۔ اس مقالے میں ہم لسانیات اور صوتیات (Phonetics) کی مدد سے اس امر پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

☆ لفظ انگریزی، املا اردو

مختلف جامعات اور علمی اداروں میں جب املا کے موضوع پر کانفرنسیں یا سیمینار ہوتے ہیں تو ان میں انگریزی الفاظ کے اردو املا پر مباحث بالعموم چند خاص قسم کے الفاظ کے اردو املا اور ان کو لکھنے کے مسائل تک محدود رہتے ہیں، مثلاً بعض انگریزی الفاظ کو اردو میں ایک ساتھ یعنی ملا کر لکھا جائے یا توڑ کر، جیسے یونی ورسٹی یا یونیورسٹی، ٹائی فائیڈ یا ٹائیفائیڈ۔ اسی طرح بعض الفاظ میں 'ی' لکھی جائے یا نہیں، جیسے ڈائرکٹر یا ڈائریکٹر، اکادمی یا اکادمی، اور بعض الفاظ کے اردو املا میں ہمزہ شامل کیا جائے یا نہیں، یعنی جیسے ایرلائن یا ائیر لائن، چیرمین یا چیئرمین۔ اور یہ اس لحاظ سے درست ہے کہ جن الفاظ کا املا طے ہے اور طویل عرصے سے رائج ہے ان کو سیمینار میں چھیڑنا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے۔ ایسی مجالس میں وقت اور توجہ ان مسائل پر زیادہ مرکوز کی جاتی ہے جن کا املا متنازع فیہ ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے۔

لیکن بعض انگریزی، الفاظ جن کا املا بہ ظاہر طے شدہ ہے، مثلاً coffee یا copy کو

جب اردو املا میں کافی اور کاپی لکھا جائے تو نئی نسل کے بعض افراد (جن کی بیشتر تعلیم انگریزی میں ہوتی ہے) اس بات پر بہت محظوظ ہوتے ہیں کہ اردو میں ان الفاظ کو 'کافی' اور 'کاپی' لکھا جاتا ہے۔ بقول اطہر فاروقی صاحب کے، ہم اُردو والوں کے بچے اگرچہ احتراماً ہمارے سامنے خاموش رہتے ہیں لیکن اپنی بے تکلف نشستوں میں دوستوں سے یہ بات ضرور ہنس کر کہتے ہوں گے کہ ہمارے بزرگ coffee اور copy کو کافی اور کاپی لکھتے اور بولتے ہیں۔

اگرچہ بعض بزرگ جو انگریزی سے واقف ہیں ان الفاظ کو بولتے وقت درست انگریزی تلفظ کا خیال رکھتے ہیں لیکن اس وقت بات اردو لکھائی کی ہو رہی ہے اور اردو حروف میں انگریزی لفظ لکھنے سے درست ہجے اور درست تلفظ کے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

فاروقی صاحب کے بقول دوسری طرف وہ طالبِ علم ہیں جن کا ذریعۂ تعلیم اردو ہے یا وہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہیں (یا بعض دیگر ایسے ہیں جن کا انگریزی زبان سے متعلق علم بہ وجوہ قابلِ رشک نہیں ہوتا) وہ بھی بسا اوقات اردو میں لکھے گئے بعض انگریزی الفاظ کی وجہ سے الجھن میں مبتلا رہتے ہیں کیوں کہ اس ضمن میں انھیں کوئی باقاعدہ اصول نہیں بتائے جاتے۔ یہ بات درست ہے۔ مثلاً ایسے کئی الفاظ ہیں جن میں اے (a) کو اردو میں الف سے یا الف ممدودہ (آ) سے لکھا جاتا ہے، جیسے: all, ball, call, Dawn۔ ان الفاظ کو اردو املا میں بالعموم یوں لکھا جاتا ہے: آل (آل انڈیا کانگریس، آل پاکستان کبڈی ٹورنامنٹ)، بال (فٹ بال میچ)، کال (فون کال)، ڈان (معروف انگریزی اخبار)۔ اسی طرح of کو ہم 'آف' لکھتے ہیں۔ اصول کیا ہے؟ یہ الفاظ اردو میں شروع سے اسی طرح لکھے جا رہے ہیں اور اسی کا اتباع کرنا ہوگا؟ اس پر ہم اردو والوں نے کوئی خاص کام نہیں کیا۔

کم از کم مستشرقین نے یہ تو کیا کہ اپنی اردو بہ انگریزی لغات یا اپنی انگریزی میں لکھی ہوئی اردو قواعد میں نقل حرفی (transliteration) کا اہتمام کیا۔ اگرچہ ان میں سے بعض مستشرقین کے اس مسئلے پر خاصے باہمی اختلافات ہیں لیکن بہ ہر حال انھوں نے علمی بنیادوں پر کچھ کام تو کیا۔ ہم نے تو صرف اردو الفاظ کو رومن حروف میں لکھنے کے اصول وضع کرنے چاہے اور وہ بھی اس وقت جب انیس سو ساٹھ (1960) کے بعد پاکستان میں اردو کا رسمِ خط بدل کر رومن کرنے کا شوشہ چھوڑا گیا اور پاکستانی ادبی و علمی جرائد میں رومن اردو لکھنے کے اصول اور ضابطے نظر آنے لگے، خاص طور پر اردو نامہ (کراچی) کے متعدد شماروں اور ادارتی

شذروں میں اس پر اظہارِ خیال ملتا ہے۔

رومن اردو کے بالعکس، ایک مسئلہ انگریزی الفاظ کو اردو حروف میں لکھنے کا ہے۔ طالبِ علموں کی الجھنوں سے قطع نظر، ذرا سے مختلف انگریزی الفاظ وہ ہیں جن کو اردو میں لکھتے ہوئے سب کو سوچنا پڑتا ہے کہ ان کو اردو حروف میں کیسے لکھا جائے، مثلاً اگر pen اور men کو اردو میں 'پین' اور 'مین' لکھا جائے تو پھر pan اور man کے ہجے اردو حروف میں کیا ہوں گے؟ تو کیا pen اور men وغیرہ کو 'پن' اور 'مَن' وغیرہ لکھا جائے؟ اگر ہاں تو ان پر اعراب کیا ہوں گے اور پھر اس سے ملتے جلتے الفاظ مثلاً پِن (pin) کو کیسے لکھا جائے گا؟

☆ بعض تجاویز اور ان کا جائزہ

اس ضمن میں اردو میں بہت کم کام ہوا ہے اور اردو حروف میں انگریزی الفاظ کو لکھنے کے لیے بالعموم اسی املا کو ترجیح دی جاتی ہے جو طویل عرصے سے اردو میں رائج ہے البتہ بعض الفاظ کے لکھنے پر کچھ اختلاف بھی ہے۔

اس موضوع پر ڈاکٹر محمد شہید اللہ (پیدائش 1885) نے ایک مضمون بہ عنوان 'اردو اور دوسری زبانوں کا اردو املا میں صحیح تلفظ' قلم بند کیا تھا جو اردو لغت بورڈ (کراچی) کے ترجمان 'اردو نامہ' میں شائع ہوا تھا[1]۔ شہید اللہ صاحب سنسکرت، بنگلہ اور ہندی کے ماہر تھے، مراٹھی بھی جانتے تھے اور لسانیات پر بھی ان کی نظر تھی۔ وہ اردو لغت بورڈ، کراچی، (پہلے اس کا نام ترقیِ اردو بورڈ تھا) میں سنسکرت اور ہندی الفاظ کے اشتقاق اور تلفظ وغیرہ سے متعلق مسائل کو سلجھانے پر مامور تھے۔ لیکن تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد استعفادے کر ڈھاکہ واپس چلے گئے۔ شنید ہے کہ کراچی کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی۔ 13 جولائی 1969 کو ڈھاکہ میں انتقال ہو گیا[2]۔

دیگر امور سے قطع نظر، اس مضمون میں شہید اللہ صاحب نے ہمارے موضوع (یعنی انگریزی یا یورپی زبانوں کے الفاظ کا اردو تلفظ اور املا) سے متعلق جو نکات رتجاویز پیش کیں ان کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے[3]:

1- pen اور men جیسے الفاظ میں 'ی' مع زیر استعمال کی جائے، جیسے مِین، پِین۔

2- hot اور lord وغیرہ لکھنے کے ضمن میں ان کی تجویز تھی کہ 'واؤ' لکھ کر اس کے اوپر ایک

چھوٹا سا دائرہ بنایا جائے۔ یعنی ہوٹ اور لورڈ (واو کے اوپر دائرہ)۔

3- call اور all میں a کے لیے الف استعمال ہو اور اس کے اوپر دائرہ ہو یعنی کال اور آل (الف کے اوپر چھوٹا سا دائرہ)۔

4- cat اور man میں a کے تلفظ کے لیے 'یا' (یعنی ی) دی جائے اور اور اس پر زبر ہو، یعنی کَیٹ، مَین۔

5- جہاں پہلا حرف ساکن ہو وہاں جزم کی علامت لگائی جائے یعنی bridge, school snow وغیرہ کو اس طرح لکھا جائے: سْکول (س پر جزم)، سْنو (س پر جزم)، بْرج (ب پر جزم)۔

6- so اور only وغیرہ کو سو اور اونلی لکھا جائے۔

7- انگریزی حرف کے آخر میں وی (v) ہونے کی صورت میں واو لکھا جائے، جیسے: لوو (love) اور ڈوو (dove)۔

شہید اللہ صاحب کی ان تجاویز میں ایک بڑی قباحت مصوتوں (vowels) کی آواز سے متعلق مسائل ہیں۔ لہٰذا ان تجاویز پر اگر موجودہ دور کے لحاظ سے غور کیا جائے تو یہ نکات سامنے آتے ہیں:

1- 'ی' اور زیر کے استعمال سے اردو میں یائے معروف کا تلفظ ادا ہوتا ہے، جیسے جھیل، چیتا، بیوی۔ جب کہ pen اور men جیسے الفاظ میں انگریزی کے حرف 'ای' (e) کا تلفظ یائے معروف کی طرح نہیں ہوتا لہٰذا ان الفاظ کو 'ی' اور زیر (کسرہ) سے (پِین اور مِین) لکھنے کی تجویز مناسب نہیں تھی۔

2- ہوٹ (hot) اور لورڈ (lord) کے اوپر دائرہ بنانے کی تجویز کچھ اسی طرح کی ہے جیسے آج کل ہندی والے بعض اوقات ایسے الفاظ کے اوپر ناگری میں نیم دائرہ یا نصف چاند بناتے ہیں۔ لیکن اُس وقت بھی یعنی کوئی پچپن سال قبل (جب شہید اللہ صاحب کا یہ مضمون شائع ہوا) اس تجویز کو کوئی پذیرائی نہیں ملی۔

3- کال اور آل کے لیے دائرے کی تجویز بھی اردو والوں کے لیے قابلِ قبول ثابت نہیں ہوئی۔

4- کیٹ اور مین کے لیے انھوں نے گویا یائے لین (ماقبل مفتوح: سَیر، غَیر، مَیل وغیرہ) کی

تجویز دی تھی۔ یہ بڑی حد تک انگریزی کے تلفظ سے قریب ہے لیکن عام طور پر اردو میں مین (جیسے چیر مین یا چیئر مین) میں کوئی زبر نہیں لکھتا۔

5- اِسکول یا سَکول جیسے الفاظ کا مسئلہ صوتیات (phonetics) سے متعلق ہے اور اس کا ذکر بالعموم 'سکونِ اول کا مسئلہ' کے نام سے کیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

6- سو (so) اور اونلی (only) جیسے الفاظ کو بے شک اسی طرح لکھا جائے اور لکھا بھی جاتا ہے جیسے motor کو عام طور پر 'موٹر' لکھتے ہیں لیکن اس سے ملتے جلتے تلفظ اور انگریزی املا کے حامل الفاظ کو (جن میں انگریزی حرف 'او' (O) ہے) اردو میں مختلف انداز سے بھی لکھا جاتا ہے، جیسے cotton کو اکثر 'کاٹن' لکھا جاتا ہے، toffee کو 'ٹافی' اور doctor کو 'ڈاکٹر'۔ اس سلسلے میں کیا اصول قائم ہو سکتا ہے؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔

7- love اور dove کے اردو املا میں آخر میں دو 'واو' لکھنے (یعنی لوو) میں قباحت یہ ہے کہ اس طرح اس کو 'ووٗ' پڑھا جا سکتا ہے یعنی جس طرح ہم vote کو اردو میں 'ووٹ' لکھتے ہیں اور یہاں پہلا 'واو' مصمتہ (consonant) ہے اور دوسرا 'واو' مصوتہ (vowel) ہے (دراصل اردو کے رسمِ خط میں واو اور 'ی' کی دوہری حیثیت ہے)۔ اس طرح لکھنے سے 'لوو' کو اردو املا کے ضوابط کی رو سے 'لَ۔ ووٗ' (la-vo) پڑھا جا سکتا ہے۔ املا کی اس صورت (لَوْ) میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہ اس وقت تھی نہ اب ہے۔ بلکہ اردو کے ہر لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے، اس لیے، اس پر جزم لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

جیسا کہ شہید اللہ صاحب کے اس مضمون کے ساتھ شائع کیے گئے ادارتی شذرے میں کہا گیا تھا، یہ مضمون بہت 'سرسری' ہے اور 'اس میں بہت کچھ ترمیم و تکمیل کی گنجائش' ہے۔ لیکن اس موضوع پر چوں کہ بہت کم لکھا گیا ہے لہٰذا اس کا ذکر کر دیا گیا۔

اب ہم انگریزی الفاظ کے اردو املا سے متعلق کچھ مسائل کا ذکر کرنا چاہیں گے، خاص طور پر سکونِ اول کے مسئلے کا ذکر ضروری ہے کیوں کہ یہ شہید اللہ صاحب کی تجاویز کے ضمن میں بھی موجود ہے۔

☆ سکونِ اول کا مسئلہ

مسئلہ یہ ہے، بقولِ سہیل بخاری، کہ انگریزی کے جن الفاظ کے آغاز میں دو مصمتے

(consonant) ایک ساتھ آجاتے ہیں انھیں ادا کرنے میں اردو والے دشواری محسوس کرتے ہیں[4]۔ جب کسی لفظ میں دو یا دو سے زیادہ مصمتے اس طرح آئیں کہ ان کے درمیان کوئی مصوتہ نہ ہو تو ایسی صوتی ساخت کو اصطلاحاً مصمتی خوشہ (consonantal cluster/ consonantal blend) کہتے ہیں[5]۔ دراصل صوتیاتی طور پر اردو الفاظ کی ابتدا میں مصمتی خوشوں کا وقوع ممکن نہیں ہے، اس لیے، ایسی صورت میں (جیسے school کی ابتدا میں 'س' اور 'ک' کی آوازیں، جو دونوں مصمتے ہیں) ان مصمتی خوشوں کو توڑ دیا جاتا ہے[6]۔

انگریزی کے ایسے الفاظ کو ادا کرنے کے لیے اردو میں یا تو ابتدا میں ایک مصوتے (vowel) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے اِسکول، اِسٹاپ، اِسٹیشن وغیرہ میں الف کا اضافہ ہوتا ہے، یا دو مصمتوں کو توڑ کر ان کے بیچ میں ایک مصوتہ داخل کر دیا جاتا ہے، جیسے سَکول، پَلیٹ، گَلاس، سَٹیشن میں فتحہ یعنی زبر۔ انگریزی سے واقف افراد تو ان الفاظ کو درست انگریزی تلفظ سے ادا کر لیتے ہیں لیکن دوسرے اصحاب عموماً پہلے حرف پر زبر یا زیر لگا کر بولتے ہیں، مثلاً پَلیٹ (Plate) (پ مفتوح) یا پلیٹ (پ مکسور)[7]۔ ہم نے کراچی کے کئی اہلِ زبان بزرگوں کو پلیٹ (plate) کے پ پر زبر یا زیر بولتے سنا ہے۔ اسی طرح اِسکول (الف کے ساتھ) اب اردو کا عام تلفظ ہے اور بعض شعرا کے ہاں اسے الف مکسور ہی سے باندھا گیا ہے اور بعض مصرعوں میں اگر کسی اور طرح مثلاً سَکول پڑھا جائے تو مصرع بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً اکبرالہ آبادی کہتے ہیں:

ان سے بی بی نے فقط اِسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

البتہ پنجاب کے لوگ عام طور پر اسے سَکول اور سَٹیشن وغیرہ ہی بولتے ہیں، گو پنجاب ہو یا کراچی یا ہندستان، انگریزی سے واقف افراد ان کا تلفظ عموماً درست ادا کرتے ہیں، چاہے لکھتے جس طرح بھی ہوں۔

یہاں یہ وضاحت بھی کر دی جائے کہ سَکول اور اِسکول دونوں یکساں طور پر درست ہیں کیوں کہ دونوں میں ابتدائی مصمتی خوشے کو توڑا گیا ہے اور کسی ایک کو درست اور دوسرے کو غلط کہنے کا لسانیاتی طور پر جواز نہیں ہے، کم از کم صوتیات کی روشنی میں دونوں درست ہیں (ذاتی ترجیح اور شعری متون میں وزن کے مسائل کی بات اور ہے)۔ دراصل اردو والے آخر کے

مصمتی خوشے (جو عموماً عربی الفاظ میں آتے ہیں) تو کسی طرح ادا کر لیتے ہیں (جیسے قتل، حکم، ختم، وغیرہ میں) لیکن ابتدائی مصمتی خوشے اردو والوں کے لیے مشکل ہیں۔ بلکہ اختتامی مصمتی خوشے بھی عام لوگ درست انداز سے ادا نہیں کر پاتے اور قتل، حکم، صبر، قبر اور ختم جیسے الفاظ بولتے وقت دوسرے حرف پر جزم کے بجائے زبر بولتے ہیں اور ان کا تلفظ قَتَل، حُکَم، صَبَر، قَبَر اور خَتَم سنائی دیتا ہے۔

ایسے انگریزی الفاظ خاصی تعداد میں ہیں جن کی ابتدا میں مصمتی خوشے ہیں اور جب ان کا پہلا حرف ایس (s) ہوتا ہے تو اردو والے بالعموم اس سے پہلے الف مکسور کا اضافہ کرتے ہیں، جیسے، اسٹار (star)، اسپرٹ (spirit)، اسپشل (special)، اسپیچ (speech)، اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے:

پارک میں ان کے دیا کرتا ہے اِسپیچِ وفا
زاغ ہوجائے گا اک دن آزریِ عندلیب

'اسپیچِ وفا' کے عجیب مرکب (جو از راہِ تفنن لایا گیا ہے) سے قطع نظر یہ دیکھیے کہ یہاں اِسپیچ سے پہلے الف نہ پڑھا جائے تو مصرع بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہاں ابتدائی مصمتی خوشے سے پہلے ایک مصوتہ لایا گیا ہے (یعنی الف) جس سے تلفظ کرنا آسان ہوگیا ہے۔

یہی کیفیت اردو میں مستعمل سنسکرت یا ہندی کے الفاظ کی ہے مثلاً 'پرچار' (پ ساکن) اور 'برہمن' (ب ساکن) میں چوں کہ ابتدا ہی میں مصمتی خوشے ہیں یعنی ابتدائی دو آوازیں مصمتے ہیں (بالترتیب 'پر' اور 'بر') اور ان کے درمیان کوئی مصوتہ نہیں ہے، اس لیے اردو میں ان کو بولنا مشکل ہے اور انھیں بَرہمن (ب مکسور یا مفتوح) اور پَرچار (پ مفتوح) بولا جاتا ہے گویا ابتدائی مصمتی خوشے کو مصوتہ داخل کر کے توڑ دیا جاتا ہے[8] (گویا 'ب' اور 'ر' کے درمیان زبر یعنی ایک مصوتہ داخل کر دیا جاتا ہے، زیر، زبر اور پیش بھی اردو کے مصوتے یعنی واول ہیں)۔

اقبال کہتے ہیں:

بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

یہاں برہمن میں 'ب' مفتوح ہے اور 'ر' ساکن۔ اگرچہ یہ اصل تلفظ سے مختلف ہے لیکن اگر یہاں اسے 'ب' مفتوح اور 'ر' ساکن نہ پڑھا جائے تو مصرع ساقط الوزن ٹھہرے گا اور اردو کے لحاظ سے تلفظ بھی غلط کہا جائے گا۔

اگرچہ اس طرح ایک مصوتے کے اضافے سے اردو کے بعض صوت رکنوں (syllable) کی ساخت تبدیل ہو جاتی ہے اور مثلاً برہمن کی صوتیاتی ساخت صوت رکنی تحریر (syllabic writing) میں ccvccvc کے بجائے cvcvccvc ہو جاتی ہے[9] لیکن یہ اردو کا مزاج ہے اور یہ اردو کا عام تلفظ ہے۔ لہٰذا ایک نکتہ تو یہ ہے کہ انگریزی کے الفاظ ہوں، ہندی/ سنسکرت کے، انھیں اردو میں لکھتے وقت اردو کے تلفظ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

☆ اردو کے مصوتے اور انگریزی کے مصوتے

اردو کے مصوتوں کی تعداد عام طور پر دس (10) بتائی جاتی ہے اور چند ایک کو چھوڑ کر بیشتر ماہرین اس تعداد پر متفق ہیں، مثلاً مسعود حسین خاں، شوکت سبزواری، مرزا خلیل بیگ، عبدالسلام وغیرہ اس کو درست تسلیم کرتے ہیں[10]۔ محی الدین قادری زور نے اردو کے مصوتوں کی تعداد پندرہ (15) اور سہیل بخاری نے چودہ (14) بتائی[11]۔ گیان چند نے اپنی کتاب عام لسانیات میں باقاعدہ جدول بنا کر اردو کے مصوتوں کی تعداد چودہ (14) بتائی ہے[12]۔ لیکن اردو مصوتوں کے مسئلے پر ایک عمومی اتفاق دس (10) کی تعداد پر ہے۔

انگریزی کے مصوتوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے اور مختلف علاقوں کی انگریزی میں مصوتوں کی تعداد مختلف ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں مختلف کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، اس پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ اردو میں دس (10) مصوتے ہیں لیکن برطانیہ کی معیاری انگریزی کے لہجے اور تلفظ، جسے received pronunciation کہا جاتا ہے اور جس کا مختصر نام 'آرپی' (RP) ہے، کو دیکھا جائے تو انگریزی میں بارہ (12) مصوتے ہیں[13]۔ گویا انگریزی میں ایسے دو مصوتے ہیں جو اردو میں نہیں ہیں۔

کافی (coffee) اور کاپی (copy) جیسے الفاظ کے اردو املا اور درست انگریزی تلفظ میں جو مغائرت ہے اس کی بنیادی وجہ اردو کے مصوتوں (vowel) اور انگریزی کے مصوتوں کا فرق ہے۔ اردو رسمِ خط میں ان الفاظ کا درست تلفظ ظاہر کرنا بہت مشکل ہے کیوں کہ 'کافی' اور 'کاپی' کے انگریزی تلفظ میں ایک ایسا مصوتہ ہے جو اردو میں نہیں ہے۔ انگریزی کا یہ مصوتہ نہ تو اردو کے واو مجہول کی طرح ہے اور نہ الف ممدودہ کی طرح، اور یہی وجہ ہے کہ اردو والے اس کو بولنے پر بالعموم پوری طرح قادر نہیں ہیں۔ اگر copy اور coffee کو اردو میں الف کے

بجائے واو مجہول سے (یعنی کوپی اور کوفی) لکھا جائے تب بھی ان کا درست انگریزی تلفظ ظاہر نہیں ہوگا۔ اردو میں واو مجہول کا تلفظ واضح ہوتا ہے اور coffee اور copy جیسے انگریزی الفاظ میں ایک ایسا مصوتہ ہے جو پوری طرح واو مجہول نہیں ہے۔

ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے اردو اور انگریزی کے الفاظ کے صوتی مطالعے کے موضوع پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں کہ انگریزی کے کچھ مصوتے بالعموم اردو میں رائج ہیں۔ ان کی وضاحت ڈاکٹر صاحب نے کچھ الفاظ کی مدد سے دی ہے اور وہ ہیں: bell (یعنی گھنٹی)، ball (یعنی گیند)، bat (یعنی بلّا)، college (کالج) اور bank (بینک) (ڈاکٹر صاحب نے ان مصوتوں کو IPA (آئی پی اے) یعنی بین الاقوامی حروفِ تہجی (International Phonetic Alphabet) میں واضح کیا ہے لیکن یہاں ہمارے لیے آئی پی اے کی ان علامات کو لکھنا ممکن نہیں ہے)۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول انگریزی کے تعلیم یافتہ لوگ ان الفاظ کو انگریزی کے مصوتوں کے ساتھ ادا کرتے ہیں تاہم شمال میں خصوصاً یوپی اور بہار میں انگریزی کے تربیت یافتہ لوگ بھی ان انگریزی مصوتوں کو اردو کے بنیادی مصوتوں سے ہم آہنگ کردیتے ہیں[14]۔ اس طرح college کا تلفظ 'کولیج' (واوِ مجہول اور یاے مجہول) یا 'کالیج' (الف اور یاے مجہول) ہوجاتا ہے۔ اسی طرح bank (بَینک، بیاے لین) کا تلفظ بینک (بیاے مجہول) میں بدل جاتا ہے[15]۔

گویا اردو میں بعض مصوتے موجود نہیں ہیں اور بعض موجود بھی ہیں تو انگریزی تعلیم یافتہ افراد انگریزی الفاظ اردو میں بولتے ہوئے انھیں انگریزی مصوتوں کے ساتھ ادا کرسکتے ہیں مگر سب ایسا نہیں کرتے یا نہیں کرسکتے اور اس کی وجہ بولنے والوں کی بے دھیانی کے ساتھ اردو میں انگریزی کے بعض مصوتوں کا عدم وجود بھی ہے۔

☆ ہکاریت (aspiration)

انگریزی الفاظ کے اردو املا میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ انگریزی میں ہکاریت (aspiration) بہت ہلکی ہوتی ہے لیکن اردو میں بہت واضح ہوتی ہے اور یہاں تک کہ اردو میں ہکاری یا ہائیہ آوازیں الگ صوتیے یا فونیم (phoneme) تسلیم کی جاتی ہیں۔ اکثر ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ اردو میں پندرہ (15) ہکاری یا ہائیہ آوازیں (aspirated

ہیں جو یہ ہیں: (sounds

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ [19]۔

شاید یہی وجہ ہے کہ ہم اردو والے انگریزی کے بعض الفاظ میں دوسرا حرف ایچ (h) لکھا ہوا دیکھتے ہیں تو انگریزی الفاظ کو بھی اردو کی ہائیہ آوازوں کی طرح لکھتے ہیں، مثلاً تھینک یو (thank you)۔ حالاں کہ انگریزی میں 'تھ' کی آواز وجود نہیں رکھتی اور thank میں th کا تلفظ انگریز اس طرح کرتا ہے کہ زبان (جیبھ) کے سرے کو اوپر اور نیچے کے دانتوں کے درمیان لاکر بولتا ہے۔ ہمیں یہ کبھی 'ت' کی طرح سنائی دیتا ہے (اگرچہ یہ 'ت' بھی نہیں ہے) لیکن ہم اسے 'تینک یو' نہیں لکھتے بلکہ 'تھینک یو' ہی لکھتے ہیں اور بولتے بھی اسی طرح ہیں۔ اسی طرح think کو اردو والے 'تھنک' لکھتے اور بولتے ہیں۔ یہاں 'تھ' لکھنا اصولاً درست نہیں ہے۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ پھر اردو میں کیا لکھا جائے؟ وہ مصمتہ اردو میں کیسے لکھا جائے جس کو انگریز th بول کر ادا کرتا ہے؟ اس کا قریب ترین تلفظ اردو حروف میں غالباً 'تھ' ہی ہو سکتا ہے۔

کچھ یہی کیفیت th کی اس آواز کی ہے جو that اور this جیسے الفاظ میں ہمیں سنائی دیتی ہے اور ہم اسے 'دیٹ' اور 'دِس' پڑھتے ہیں حالاں کہ اس میں 'دال' نہیں ہے۔ اس کا تلفظ بھی انگریزی کا اہلِ زبان اس طرح کرتا ہے کہ اپنی زبان یعنی جیبھ کے سرے کو دانتوں کے درمیان لاتا ہے۔ شکر ہے ہم اردو والے اسے 'دھیٹ' نہیں بولتے لکھتے (لیکن بعض لوگوں کو with کا تلفظ 'وِدھ' یا 'وِتھ' کرتے سنا گیا ہے)۔ آئی پی اے کے جدول میں ان دونوں آوازوں کے لیے مخصوص علامات دیکھی جا سکتی ہیں اور بعض ویب گاہیں ان کے تلفظ کو تصاویر کی مدد سے واضح بھی کرتی ہیں، یہاں مزید لکھنا ہمیں اصل موضوع سے ہٹا دے گا۔

مختصراً یہ کہ انگریزی کے بعض مصوتوں کے علاوہ انگریزی کے بعض مصمتے بھی اردو میں وجود نہیں رکھتے لہٰذا انھیں اردو حروف میں ظاہر کرنے کا کوئی نظام موجود نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا۔

☆ ڈبلیو (w): انگریزی کا ایک نیم مصوتہ اور اردو

اگر دیکھا جائے تو انگریزی الفاظ کے اردو املا کا مسئلہ انگریزی کے کچھ اور حروف کے ساتھ بھی ہے۔ مثلاً حرفِ تہجی ڈبلیو (w) کو انگریزی میں نیم مصوتہ (semi vowel) مانا جاتا ہے اور اس کا تلفظ وی (v) سے الگ ہوتا ہے۔ مثلاً window (یعنی کھڑکی) کو انگریز اس

طرح نہیں بولتا جس طرح ہم بولتے ہیں کیوں کہ ہم تو اسے 'واؤ' کی طرح بولتے ہیں یعنی 'وِنڈو' بولنے کے لیے ہم اوپر کے دانتوں کو نیچے کے ہونٹوں سے چھوتے ہیں۔ لیکن اس طرح یہ نیم مصوتہ نہیں رہتا بلکہ مصمتہ (consonant) بن جاتا ہے۔ جب کہ یہ نیم مصوتہ یعنی سیمی واول (semi vowel) ہے اور اس کا درست تلفظ انگریزی میں یوں ہے کہ ہونٹوں کو گول کر کے ڈبلیو (w) کی آواز نکالی جائے گی اور ونڈو اس طرح بولا جائے گا کہ پہلا ڈبلیو ہونٹوں کو گول کر کے اور دانتوں کو ہونٹوں سے چھوئے بغیر ادا ہوگا اور آخری مصوتہ بھی ہونٹوں کو گول کر کے ادا ہوگا۔ ڈبلیو کے تلفظ میں دانتوں کا کوئی کام نہیں۔ لیکن ہم لوگ عام طور پر وی (v) اور ڈبلیو (w) کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں کرتے اور اسے 'واؤ' ہی سے لکھتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ وقار، وسیم اور ولی دکنی جیسے نام بھی ہم رومن حروف میں ڈبلیو (w) سے لکھتے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ انگریز انھیں مصمتے کے بہ بجائے نیم مصوتے کی طرح یعنی ابتدائی آواز کو ہونٹ گول کر کے بولتا ہے۔ اگر ان ناموں کو رومن میں ڈبلیو (w) کے بجائے وی (v) سے لکھا جائے تو درست تلفظ واضح ہو جائے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ ڈبلیو کے نیم مصوتے کو اردو حروف میں ظاہر کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی حرف ہی نہیں ہے کیوں کہ یہ آواز اردو میں وجود ہی نہیں رکھتی۔

☆ ماحصل

عرض یہ کرنا تھا کہ اردو میں بعض ایسے مصوتے ہی موجود نہیں ہیں جو انگریزی کے بعض الفاظ مثلاً کافی (coffee)، کاپی (copy)، ڈان (Dawn)، بال (ball) وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

چوں کہ حروفِ تہجی آوازں کی علامت ہوتے ہیں لہٰذا کسی زبان میں کوئی آواز نہ ہونے کی صورت میں اس زبان کے رسمِ خط میں اس آواز کو ظاہر کرنے والا حرف بھی موجود نہیں ہوتا، اسی لیے، اردو کے رسمِ خط میں 'کافی' اور 'کاپی' کو ظاہر کرنے کے لیے کوئی حرف یا علامت بھی موجود نہیں اور، اسی لیے، ان الفاظ کو اردو میں بہ تمام و بہ کمال لکھ کر ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ اردو رسمِ خط کی خامی نہیں ہے کیوں کہ مثلاً انگریزی یا ناگری یا کوئی اور رسمِ خط بھی ممکن ہے کہ اردو کی بعض آوازوں کو یا کسی اور زبان کی کچھ آوازوں کو درست طور پر ظاہر نہ کر سکے۔

بات یہ ہے کہ حروف تہجی کچھ نہیں ہیں بس علامات ہیں جو آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے قائم کر لی گئی ہیں۔ ہر زبان کا رسمِ خط بنیادی طور پر اپنی ہی آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے تشکیل پاتا ہے اور اس کے پس منظر میں تہذیب، ثقافت، ادب، تاریخ اور صوتیات سب جلوہ گر ہوتے ہیں۔ پھر زبان بولنے والوں کی کچھ لسانیاتی مجبوریاں اور کچھ صوتیاتی حدود ہوتی ہیں۔ لہٰذا کسی بھی زبان کے رسمِ خط سے یہ مطالبہ کرنا کہ اس میں ہر آواز کو سو فی صد درست ظاہر کرنے کے حروف ہوں مناسب بات نہیں ہے۔

دراصل دنیا کا کوئی رسمِ خط مکمل اور بے عیب نہیں ہے اور اس میں کچھ نہ کچھ کمی یا خامی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تقریباً سات ہزار زبانوں میں اصواتِ تکلم (speech sounds) کی تعداد تقریباً دو سو (200) ہے اور دنیا کی کوئی ایک زبان ایسی نہیں جن میں یہ ساری اصوات پائی جاتی ہوں۔ کسی زبان میں کچھ صوتیے ہیں اور کسی میں کچھ۔ لیکن کسی بھی زبان کا رسمِ خط ایسا نہیں ہے کہ اس میں دنیا کی تمام اصوات کو ظاہر کیا جا سکے۔

مختصراً یہ کہ اردو حروف میں غیر زبانوں کے الفاظ کو لکھتے ہوئے اردو املا اور اردو کا تلفظ بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اردو کی صوتیات بھی اس میں اہم کردار ادا کرتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اردو کے الفاظ اگر رومن میں لکھے جائیں تو انگریز اسے اپنے لہجے اور تلفظ ہی کے ساتھ پڑھے گا اور ہم اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ ان الفاظ کو اردو کے لہجے اور انداز سے بولے۔

شان الحق حقی صاحب نے اس مسئلے پر اپنے مخصوص دل چسپ انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ کہتے ہیں کہ فرض کیجیے کہ اگر انگریز کسی وجہ سے ہمارا رسمِ خط اختیار کرنا چاہیں اور کہیں کہ:

> 'وی وُڈ مچ رادر لائک ٹو ایڈاپٹ دی اردو سکرپٹ ڈسکارڈنگ اوَر اون بکاز اٹز سو کنوینیئنٹ، اکنامکل، آرٹسٹک، ایکسکوِزٹ اینڈ ایٹ آل پوائنٹس اے سکرپٹ پار ایکسیلنس'۔ ان الفاظ کو پڑھنے میں آپ کو کتنی دقت ہوئی اور یہ الفاظ صوتی اعتبار سے اچھی طرح ادا بھی نہیں ہوئے کیوں کہ یہ رسمِ خط ان کے لیے بنا ہی نہیں، لیکن غور کیجیے تو الفاظ کا مفہوم بھی بعینہٖ وہ نہیں رہا، جتنا کچھ بھی فرق واقع ہوا ہے وہ ذوقی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے... اگر یہ واقعہ ہے کہ انگریزی کی اصوات اردو کی صوتیات سے مختلف ہیں تو یہ کلیہ بالکل درست ہے کہ اردو کو رومن

رسم الخط میں لکھنے سے اکثر الفاظ کی مجموعی قیمت مختلف ہو جائے گی۔
کسی انگریز ہی سے پوچھیے کہ اسے ہماری زبان کے چاند، ماں، بچہ، دیا، دل، پھوہار، لیاقت، محبت جیسے الفاظ کا صوتی سے زیادہ نظری اثر اپنے رسم الخط میں کیسا لگتا ہے۔''[۷۷]

گویا ہر زبان کا رسمِ خط اپنی آوازوں کو ادا کرنے کے لیے وجود میں آتا ہے اور جس طرح انگریزی حروفِ تہجی میں لکھے ہوئے اردو الفاظ سے ہم اردو کے تلفظ اور لہجے کے مکمل عکاس ہونے کی توقع نہیں کرتے اسی طرح اردو میں لکھے ہوئے انگریزی الفاظ بھی ہو بہو انگریزی لہجے اور تلفظ کی نقل نہیں ہو سکتے۔

رشید حسن خاں صاحب کے ایک اقتباس کے ساتھ اپنی معروضات تمام کرتا ہوں:

'ہر زبان میں کئی ایسی مخصوص آوازیں اور لہجے کی ایسی معنی آفرینیاں اور کارفرمائیاں ہوتی ہیں جو عین مین دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوسکتیں۔ یہ چاہنا کہ علامتوں کی مدد سے اُن کی باز آفرینی کی جائے، فضول بات ہے۔ ایسا نہ تو ہوا کرتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً انگریزی الفاظ school اور station کو اردو والے 'اسکول' اور 'اسٹیشن' کہتے ہیں۔ یہ اردو زبان کے صوتی مزاج، اردو والوں کے لہجے کے عین مطابق ہے۔ اب یہ فرمایش کرنا کہ ان کو اصل کے مطابق 'سکول' اور 'سٹیشن' لکھا جائے اور اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی جائے، محض بے ضرورت اور بے اصولی بات ہے۔ یا جیسے ایک لفظ ہے لارڈ۔ اس کو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، تلفظ بھی یہی ہے۔ اب یہ چاہنا کہ انگریزی کے حرف [او] O کے لیے ایک نیا مصوتہ معرضِ وجود میں لایا جائے اور زبان سے یہ لفظ اس طرح ادا ہو کہ اردو میں محروم [کذا] ہو کر رہ جائے علمِ زبان کے تقاضوں سے بے خبری کا ثبوت دینا ہے ... اردو میں (مثلاً) کرشن، برہمن، اسکول، اسٹیشن اور لارڈ ہی لکھے جائیں گے اور تلفظ میں بھی اسی طرح آئیں گے۔'[۸۰]

گویا اردو کے طالب علموں کو یاد کرنا پڑے گا کہ:

1- اے (a) کہیں تو الف ہوگا (جیسے: کال call) اور کہیں الف ممدودہ پڑھا جائے گا (جیسے: آل all)۔

2- او (O) کبھی الف ہوگا (جیسے: لارڈ lord یا کاپی copy) اور کبھی واو معروف یا واو مجہول کی آواز دے گا (جیسے: پورٹ port یا فون یا فُون phone ، راقم نے کئی لوگوں کو فون کا تلفظ واو معروف اور کئی کو واو مجہول سے ادا کرتے سنا ہے) اور کبھی الف ممدودہ سے بھی لکھا جائے گا (جیسے: آف of یا آن لائن online)۔

3- aw اور au کبھی تو الف سے لکھیں گے (جیسے ڈان Dawn اور شوکاز نوٹس show cause notice) میں اور کبھی الف ممدودہ سے (جیسے: آٹو گراف autograph)۔

4- ای (e) الف کی آواز دے گا اور کبھی یاے مجہول کی جیسے editor کو اردو میں پہلے اڈیٹر لکھا جاتا تھا اور بعض لوگ اب بھی اڈیٹر لکھتے ہیں ، لیکن پاکستان میں اب اس کا اردو املا ایڈیٹر ہی ہے۔

اس طرح کی مثالیں کثیر تعداد میں ہیں اور بہ خوفِ طوالت ان سے گریز کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ کہنا پڑے گا کہ انگریزی الفاظ کے املا کے مسئلے میں روایتی اردو املا پر اصرار اور اردو مصوتوں کے مسائل کے علاوہ ایک بڑا عنصر انگریزی میں ہجا کے اصولوں کی رنگا رنگی بلکہ بے اصولی بھی ہے۔ بسا اوقات اچھے خاصے انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھی انگریزی الفاظ کا تلفظ غلط کرتے ہیں یا کر ہی نہیں پاتے اور لغت سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یہ انگریزی کے ہجا کے اصولوں کی بڑی خرابی ہے۔

خیر، انگریزی میں ہجا اور املا کی خرابیوں کے لیے تو ایک اور مضمون لکھنا پڑے گا۔ اور ایک اور مضمون اس موضوع پر ہونا چاہیے کہ انگریزی الفاظ کے قدیم املا اردو حروف میں کیا تھے اور کس کس انگریزی لفظ کا اردو املا اردو کے قدیم ادبی متون میں کیا تھا اور کیسے تبدیل ہو گیا (یا نہیں ہوا)۔

الختصر، انگریزی الفاظ کے اردو املا کی خرابیوں میں اردو صوتیات کے علاوہ خود انگریزی املا کی نیرنگیوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~

حواشی:

۱۔ دیکھیے محمد شہید اللہ کا مضمون: اردو نامہ، کراچی، شمارہ 31، اپریل تا جون، 1968، ص 96-94

۲۔ منیر احمد سلیچ، وفیاتِ ناموران پاکستان (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2006)، ص 410۔

۳۔ محمد شہید اللہ، اردو اور دوسری زبانوں کا اردو املا میں صحیح تلفظ، مشمولہ اردو نامہ، کراچی مجولہ بالا، ص 96-95۔

۴۔ ملاحظہ ہو سہیل بخاری کا مضمون 'سکونِ اول کا مسئلہ (اسکول کے الف کی تحقیق)' جو پہلے اردو نامہ (کراچی) کے شمارہ 14 میں شائع ہوا اور پھر ان کی کتاب لسانی مقالات (حصۂ سوم) میں بھی شامل ہے (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1991)، ص 104-96۔

۵۔ رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث (کراچی: فضلی سنز، 2015)، ص 31۔

۶۔ مسعود حسین خان، اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ (مترجم مرزا خلیل بیگ)، (علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 1986) ص 31؛ نیز عبدالسلام، عمومی لسانیات (کراچی: رائل بک کمپنی، 1993)، ص 38۔

۷۔ رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث، مجولہ بالا، ص 36۔

۸۔ مسعود حسین خان، اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ (مترجم مرزا خلیل بیگ)، مجولہ بالا، ص 27۔

۹۔ رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث، مجولہ بالا، ص 34۔

۱۰۔ رؤف پاریکھ، لسانیات کے بنیادی مباحث (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2021)، ص 142-138۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ دہلی: ترقیِ اردو بیورو، 1985، ص 113۔

۱۳۔ مائیک ڈونرٹ (Mike Devenort) اور ایس جے ہنا (S.J. Hannaahs)، Introducing Phonetics and Phonology، (لندن: روٹلج، 2013)، ص 52 (تیسرا اڈیشن)۔

۱۴۔ اردو زبان اور سماجی سیاق (بمبئی: قلم پبلی کیشنز، 1992)، ص 149-148

۱۵۔ ایضاً، ص 149۔

۱۶۔ محبوب عالم خان، اردو کا صوتی نظام (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1997)، ص 33۔ نیز مسعود حسین خان نے اردو کے 'نفسی مصمتوں' یا ہکاری آوازوں کی تعداد گیارہ (11) لکھ کر کہا ہے کہ ان میں چار کا 'اضافہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بہت کم الفاظ میں آتے ہیں' (مقالاتِ مسعود،

ص 18,19)۔ گویا کل پندرہ ہی ہوئے۔ اردو کے بعض ماہر اردو کی ہائیہ آوازوں کی تعداد دس بھی بتاتے ہیں۔

۱۷ لسانی مسائل ولطائف، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1996، ص 61-60۔

۱۸ اردو املا کے چند اہم مسائل: علامتیں، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، شمارہ 1، 1985، ص 31-130

ماخذ:

۱- بخاری، سہیل، لسانی مقالات (حصہ سوم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1991۔

۲- پاریکھ، رؤف، لسانیات کے بنیادی مباحث، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2021۔

۳- پاریکھ، رؤف، لسانیاتی مباحث، کراچی: فضلی سنز، 2015۔

۴- جین، گیان چند، دہلی: ترقی اردو بیورو، 1985۔

۵- حقی، شان الحق، لسانی مسائل ولطائف، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1996، ص 61-60۔

۶- خان، رشید حسن، اردو املا کے چند اہم مسائل: علامتیں، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، شمارہ 1، 1985، ص 121 تا 142۔

۷- خان، مسعود حسین، اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ (مترجم مرزا خلیل بیگ)، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 1986۔

۸- خان، مسعود حسین، مقالاتِ مسعود، دہلی: ترقی اردو بیورو، 1989۔

۹- خان، محبوب عالم، اردو کا صوتی نظام، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1997۔

۱۰- دلوی، عبدالستار، اردو زبان اور سماجی سیاق، بمبئی: قلم پبلی کیشنز، 1992۔

۱۱- ڈونرٹ، مائک (Devenort, Mike) اور ہنا، ایس جے (Hannahs, S.J)، Introducing Phonetics and Phonology، لندن: روٹلج، 2013، (تیسرا اڈیشن)۔

۱۲- سلیچ، منیر احمد، وفیاتِ ناموران پاکستان، لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2006۔

۱۳- شہید اللہ، محمد، اردو نامہ، اردو اور دوسری زبانوں کا اردو املا میں صحیح تلفظ، مشمولہ کراچی، شمارہ 31، اپریل تا جون، 1986، ص 96-94۔

۲۴- عبدالسلام، عمومی لسانیات، کراچی: رائل بک کمپنی، 1993۔

☼☼☼

خلیق نقوی

اُردو املا کے مسائل

تدوینِ لغت کے سلسلے میں ایک نہایت اہم اور بنیادی مسئلہ املا کا ہے۔ اس سوال کا جواب کہ ہماری لغت میں املا کا طور وطریق کیا ہو، اتنا آسان نہیں ہے کیوں کہ املا کے ذیل میں اختلافات اس درجہ پائے جاتے ہیں کہ کسی ترقی یافتہ زبان میں اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ بعض بے ضابطگیاں تو ایسی ہیں کہ جنھیں اچھے خاصے اہلِ علم بھی روا رکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس مسئلے پر وقتاً فوقتاً توجہ کی جاتی رہی ہے، لیکن یہ بات اب تک حاصل نہ ہوسکی کہ یہ اختلافات یک قلم مٹ جاتے اور دوسری زبانوں کی طرح اُردو کے املا میں بھی یک سانی ویک رنگی پیدا ہوسکتی۔ آج بھی اُردو میں بے شمار الفاظ کا املا شخصی پسند واختیار پر موقوف ہے۔ کوئی طوطا لکھتا ہے تو کوئی توتا، کوئی بدلہ (ہ) کے ساتھ لکھتا ہے تو کوئی الف سے، کوئی تیار (مستعد) میں 'ت' لکھتا ہے تو کوئی 'ط'۔ غرض اس معاملے میں متحد الخیالی تقریباً مفقود ہے، جس کے وجوہ و اسباب کا استقصائی الحال ہمارے پیشِ نظر نہیں، البتہ اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اُردو میں برابر دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہوتے رہے اور ہمارے بزرگوں نے انھیں یا تو جوں کا توں لکھنا شروع کردیا یا اگر کہیں کچھ تصرف بھی کیا تو کسی اُصول یا ضابطے کے تحت نہ کیا۔

املا کے بارے میں ایک معتبر قول یہ ہے کہ جس طرح بولو اُسی طرح لکھو، لیکن اس اصول کی پوری پوری پابندی میں جو قباحتیں اُردو میں پیش آسکتی ہیں اُنھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر دیکھا جائے تو اس اصول کی کامل پیروی دوسری زبانوں میں بھی مشکل ہی

سے نظر آئے گی، مثال کے طور پر، عربی میں بعض حروف لکھے جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بعض حروف ساکت ہوتے ہیں، جیسے Catch, Fetch, Thatch میں T اور Psalm میں P اور L، اور Psychology میں P ساکت ہے کہ لکھی تو جاتی ہے مگر تلفظ میں نہیں آتی۔ Ch سے کبھی 'چ'، کبھی 'ش' اور کبھی 'ک' کی آواز نکلتی ہے، جس سے یقیناً املا میں پیچیدگیاں ہی پیدا ہو سکتی ہیں۔

اُردو میں بے شمار الفاظ عربی، فارسی سے مستعار ہیں اور ظاہر ہے کہ عربی کے بعض حروف کی صحیح آوازیں، اگرچہ وہ ہمارے حروفِ تہجی میں شامل ہیں، ہمارے یہاں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً: ا، ع۔ ت، ط۔ ح، ہ۔ ز، ذ، ض، ظ یا س، ص، ث کا تلفظ ہم یکساں طور پر ہی کرتے ہیں، لیکن اُردو میں کثرت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں ان حروف کا استعمال ہوتا ہے۔ دراصل یہاں لہجے کے فرق کو نظر انداز کر کے لفظ کی اصل ہیئت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ایسی مثالیں دوسری زبانوں میں بھی ملتی ہیں، مثلاً انگریزی میں غنہ کی آواز موجود نہیں، مگر فرانسیسی الفاظ مثلاً Eontretemps یا Embonpoint انگریزی لغت اور ادب میں موجود ہیں اور ان کا املا بھی فرانسیسی انداز پر ہی کیا جاتا ہے۔ اگر ہم مذکورۂ بالا حروف میں سے صرف ا، ت، ز، س اور ہ ہی کو چھانٹ لیں اور عربی اور دوسری زبانوں کے تمام الفاظ میں ان ہی پانچ حروف کو استعمال کریں تو بہت سی قباحتیں پیش آئیں گی جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1) ہماری زبان سر تا سر مسخ ہو جائے گی اور اب تک کا ادب ہماری آئندہ نسلوں کے لیے ایک دفترِ بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

(2) ہمارے لیے کسی لفظ کے مادے یا اصل کا کھوج لگانا تقریباً ناممکن سا ہو جائے گا۔

(3) اگرچہ عربی الفاظ سے ہم نئے لفظ کم ہی تراشتے یا وضع کرتے ہیں، لیکن پھر بھی طوق سے طوقیا، قبول سے قبولنا، شروع سے شروعات، شوق سے شوقین، ضد سے ضدن، غلط سے غلطی اور انتقاد سے تنقید؛ ایسے بہت سے الفاظ ہم نے بنا لیے ہیں، البتہ اس صورت میں ہمارے لیے نئے الفاظ تراشنا یا وضعِ اصطلاحات میں مدد لینا تقریباً ناممکن ہوگا۔

(4) زبان نہ صرف بدہیئت بلکہ بے مزہ بھی ہو جائے گی کیوں کہ لفظوں کی صوت یا جھنکار اگر شعری و ادبی فکر کو انگیز کرتی ہے، تو الفاظ کی صورت یعنی املا بھی معنوی زرخیزی کا

باعث ہوتا ہے۔ اس تبدیلی سے ہمارے بہت سے علوم وفنون مثلاً بیان، بدیع وغیرہ مجروح یا مہمل ہوکر رہ جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ 'جس طرح بولو اسی طرح لکھو' کی پیروی ہمارے لیے بعض جگہ تو نہایت مفید ہی نہیں بلکہ ضروری ہوگی جیسے ٹھیٹ اُردو یا ہندی الفاظ میں اور بعض جگہ ہمارے ادب کے لیے نہایت خطرناک، اس لیے، عربی کے ان حروف میں سے جنھیں ہم بہ دقت ہی ادا کر سکتے ہیں، کوئی حرف اُردو سے خارج نہیں کر سکتے۔

املا کے ذیل میں بہت سے مسائل آتے ہیں، جنھیں ہم سہولت کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلی قسم ان مسائل کی ہے جو فنی کہے جا سکتے ہیں یعنی جن کا تعلق: (الف) حروفِ علّت کی بعض آوازوں کے لیے نئی علامتوں کے تعین سے ہے، مثال کے طور پر لفظ 'احوال' ہی لے لیجیے، یہاں نہ ہم زیر اوّل سے بولتے ہیں اور نہ زبر اول کے ساتھ بلکہ ایک درمیانی آواز ہے جس کے اظہار کے لیے ہمارے یہاں کوئی علامت نہیں۔ اسی صورت سے واو مسروق، واو مجہول اور واو مخلوط (جیسے سوانگ یا سوامی میں) یاے معروف، یاے مجہول (جب کہ لفظ کے درمیان میں آئے) اور یاے مخلوط (جب کہ دوسرے حرف سے مل کر آواز دے جیسے پیاس، پیاز یا کیا میں) کی پہچان کے لیے ہمارے یہاں کوئی نشان متعین نہیں۔ (ب) مسائل کی اس شق کا تعلق ان علاماتِ اوقاف کے تعین سے بھی ہے جو چند ایک کو چھوڑ کر اب تک اُردو میں عام نہیں ہو سکی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعضے ان کے استعمال پر مصر ہیں مگر اکثر اس معاملے میں بے پروائی ہی برتتے ہیں۔

مسائل کی دوسری قسم علمی ہے، جس کے دو جز ہیں: پہلے جز کا تعلق الفاظ کے ہجا (Spelling) سے ہے یعنی کس لفظ میں کس جگہ کون سا حرف استعمال کیا جائے اور دوسرے جز کا تعلق تلفّظ اور بناوٹ کے لحاظ سے الفاظ کی لکھت سے ہے، مثلاً کتابت میں گڑمبا صحیح ہے اور گڑم با غلط، اسی صورت سے یکرنگی کے مقابلے میں یک رنگی زیادہ صحیح لکھت ہے کیوں کہ ان مرکب الفاظ کے دونوں جزوں میں تلفّظ کے لحاظ سے ادغام یا اتصال اور لکھت کے لحاظ سے انفصال ضروری ہے۔ حروفِ منفصل اور حروفِ متصل کی تقسیم کی بنا پر یہ بات کافی غور طلب بن جاتی ہے[1]۔

فی الحال ہمارے پیشِ نظر صرف وہ مسائل ہیں جن کا تعلق الفاظ کے ہجّے سے ہے (اس

سلسلے کی تحقیقات کے لیے ضروری ہے کہ کام کو دو حصوں میں بانٹ لیا جائے)۔ کام کے پہلے جز کا تعلق اس سوال کے جواب سے ہو کہ اُردو میں املا کے قواعد وضوابط کیا ہیں۔ دخیل اور ٹھیٹ اُردو الفاظ کا املا کس طور پر کیا جائے۔ دوسرے جز کا تعلق ایسے الفاظ کی جمع وتلاش سے ہو جن کا املا اُصول وقواعد کے باوجود مختلف فیہ ہی سمجھا جائے اور جن کے متعلق آسانی سے فیصلہ ممکن نہ ہو یا اہلِ علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو۔ ان میں سے بہت سے الفاظ کا املا اہلِ علم کی بحث وتمحیص کی روشنی میں طے پا جائے گا اور بالفرض گنتی کے کچھ الفاظ کے بارے میں ایک سے زیادہ وزنی رائیں ہوئیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ ان کے املا کی متبادل صورتیں باقی اور قائم رہیں۔

سب سے زیادہ دشواری ان الفاظ کے املا میں پیش آتی ہے، جنھیں مورد کہا جاتا ہے، اگرچہ یہ بات خود اپنی جگہ غور طلب ہے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جنھیں ہم مورد سے تعبیر کریں۔ آیا وہ الفاظ:

(الف) جن میں معنوی تصرف ہو، مگر تلفّظ کا فرق نہ پایا جائے۔

(ب) جن کے تلفّظ میں تصرف تو ہو، مگر معنوی فرق نہ پایا جائے۔

(ج) جس میں معنی اور تلفّظ دونوں کا تصرف پایا جائے۔ یا

(د) جو اُردو میں بہت زیادہ گھل مل گئے ہیں اگرچہ تلفّظ اور معنی میں کوئی تصرف نہیں پایا جاتا۔

تلفّظ کے سلسلے میں ان حروف کے لہجوں کو جنھیں ہم آسانی سے ادا نہیں کر سکتے، نظرانداز کرنا ہی ہوگا۔ بعض جگہ تصرف ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اس زبان کے کسی قاعدے کے مطابق ہو جس زبان کا وہ اصلاً لفظ ہے، اگرچہ وہ مخصوص تصرف اس زبان میں متعارف ومعمول نہ ہو۔ اس بے احتیاطی کو بھی تصرف ہی کہا جا سکتا ہے جو عربی یا فارسی سے اُردو میں الفاظ لیتے وقت برتی گئی اور یہ خیال نہ کیا گیا کہ صرف ونحو کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ اُردو میں کس طرح سموئے جا سکتے ہیں۔ اس قسم کی بے احتیاطی فارسی والوں نے بھی عربی الفاظ کو اپناتے وقت کی تھی۔

اب ذیل میں املا سے متعلق چند ایسے مسائل[1] پیش کیے جاتے ہیں جو مجلس مرتّبینِ لغت اور دوسرے اہلِ علم کی توجہ وتصفیہ کے محتاج ہیں:

(1) حسبِ ذیل الفاظ مختفی 'ہ' سے لکھے جائیں یا الف سے۔

(ا) ٹھیٹ اُردو ہندی الفاظ مثلاً باڑا (باڑہ)، پتا (پتہ)، پیسا (پیسہ)، پنجرا (پنجرہ)، پٹاخا (پٹاخہ)، پسینا (پسینہ)، مہینا (مہینہ)، چھاپا (چھاپہ)۔

(ب) اسمائے معرفہ جیسے کلکتہ، آگرہ، مغل پورہ۔

(ج) ایسے الفاظ جو یورپی زبانوں سے اُردو میں آئے ہیں، جیسے ڈراما، فرما، مارکا۔

(د) ایسے الفاظ جو فارسی یا عربی سے نکلے تو ہیں مگر خود ان زبانوں میں ان کا وجود اس ہیئت میں نہیں پایا جاتا یا جن میں اُردو والوں نے کوئی تصرف کرلیا ہے، جیسے بدلا (بدلہ)، بے فکرا (بے فکرہ)، نو دولتا (نو دولتہ)، بعضا (بعضہ)، دو ماہا (تصرف کی صورت)۔

(الف) ایسے الفاظ جو ایک اُردو اور ایک فارسی یا عربی جز سے بنے ہیں: پچ رنگا (پچ رنگہ)، تماہا (تماہہ)۔

(2) وہ الفاظ جو خود عربی یا فارسی میں الف سے لکھے جاتے ہیں انھیں 'ہ' سے اور جو 'ہ' سے لکھے جاتے ہیں انھیں الف سے لکھنا کہاں تک درست ہے، مثلاً خارا کو خارہ، آشکارا کو آشکارہ، حلوا کو حلوہ، سقا کو سقہ، مزہ کو مزا، معما کو معمہ، مربا کو مربہ، سکتہ کو سکتا یا گلہ کو گلا وغیرہ۔

(3) ایسے الفاظ کا املا فارسی طرز پر ہو یا عربی طرز پر، جو اُردو میں فارسی کی وساطت سے آئے ہیں اور جن میں فارسی والوں نے کچھ تصرف کرلیا ہے مثلاً 'جز' (حصہ) بغیر واو یا 'جزو' واو کے ساتھ۔

(4) (الف) جن الفاظ میں الف بہ صورت 'ی' یا الف بہ صورت 'و' آتا ہے انھیں عربی طرز پر لکھا جائے یا تنہا الف سے۔ مثلاً زکوٰۃ یا زکاۃ (زکات)، اعلیٰ یا اعلا (ایسے الفاظ جنھیں فارسی یا خود عربی میں تنہا الف سے لکھتے چلے آئے ہیں یقیناً مستثنیات میں سے ہیں جیسے دنیا، عصا، تمنا، تماشا، تقاضا، ماجرا، معما وغیرہ۔ بعض الفاظ میں اُردو والے الف بہ صورتِ 'ی' لکھتے ہیں، حالاں کہ ان کا تنہا الف سے لکھا جانا صحیح ہے، مثلاً استعفا، ارتضا، اصطفا، اجتبا۔

(ب) جن الفاظ کے کسی حرف پر کھڑا زبر (الف بطنی) آتا ہے، انھیں دو طرح سے لکھتے ہیں، مثلاً اسحٰق، اسمٰعیل یا اسحاق، اسماعیل۔ پہلا طریقہ قدیم ہے جو بڑی حد تک متروک

ہے۔ مثلاً سلیمان کو سلیمٰن کوئی نہیں لکھتا۔ بعض صرف ایک ہی طرح سے لکھے جاتے ہیں، مثلاً ہٰذا، الٰہ، الٰہ آباد وغیرہ۔ آیا ان مستثنیات کے باوجود قدیم طرز کو کلیتاً متروک قرار دے دینا مناسب ہوگا۔ (انجمن ترقی اُردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ جدید طرز پر لکھے جائیں یعنی زکوٰۃ کو زکات، اعلیٰ کو اعلا اور اسمٰعیل کو اسماعیل لکھا جائے)۔

(5) (الف) جن عربی الفاظ میں مدورہ 'ۃ' کی آواز اُردو میں تاے طویلہ ہے، اس کی شکل گول 'ۃ' کی ہو یا لمبی 'ت' کی، جیسے زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ میں (اکثر الفاظ کے ساتھ اُردو اور فارسی میں 'ت' ہی لکھی جاتی ہے، لیکن ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں عربی طرزِ املا کا لحاظ رکھا جاتا رہا ہے)۔ (انجمن ترقی اُردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ 'ت' سے لکھے جائیں)۔

(ب) جن عربی الفاظ کے آخر میں مدورہ 'ۃ' ہے، ان پر تنوین دیتے وقت آخر میں ایک الف زائد کر دینا کہاں تک درست ہے۔ مثلاً قدرت سے قدرتاً دفعہ سے دفعتاً۔

(6) فارسی اور ترکی کے بعض الفاظ 'ت' کے بجائے 'ط' سے بھی لکھے جاتے ہیں، جیسے: طبیدن، طشت، طوطی، طشتری، طباشیر وغیرہ۔ کیا ان الفاظ کو 'ت' سے لکھنا زیادہ صحیح ہوگا؟

(7) بعض جگہ فارسی والوں نے 'س' کی جگہ 'ص' اور 'ص' کی جگہ 'س' لکھنا شروع کر دیا ہے، جیسے: 'اصطخر' کہ پہلوی میں 'ستخر' تھا یا 'صد' کہ دراصل 'سد' تھا (چناں چہ فارسی امروز میں 'سد' بمعنی قرن)، 'صینی' 'چین' (صین) سے بنا مگر فارسی میں عموماً سینی ہے اور 'شصت' کا املا دونوں طرح کیا جاتا ہے۔ آیا ایسے الفاظ کا کون سا املا اُردو میں قابلِ ترجیح ہوگا۔

(8) (الف) پیش یا زیر ظاہر کرنے کے لیے بعض الفاظ میں پہلے 'وٗ' یا 'ی' لکھتے تھے مثلاً اوس، اودھر۔ ایدھر جواب متروک ہے، البتہ بعض الفاظ کو اب بھی 'وٗ' کے ساتھ اور بغیر 'وٗ' دونوں طرح لکھتے ہیں، جیسے: ہندوستان (ہندستان)، گودام (گدام)، دولارا (دلارا)۔ اسی طرح 'ی' کے ساتھ اور بغیر 'ی' بھی، جیسے: جیوں تیوں (جوں توں)۔ آیا ایسے الفاظ میں 'وٗ' یا 'ی' کی تخفیف قابلِ ترجیح ہے۔ (وہ صورت اس سے جدا ہے جہاں فارسی الفاظ میں خاے معجمہ کے بعد واو معدولہ آتا ہے جیسے: خواب، خور، خود، خویش، خوش وغیرہ میں کیوں کہ اوستا میں (خو) ایک مخصوص صوت تھی جسے پہلوی میں خاء و واو معدولہ سے ادا کیا گیا۔ (سبک شناسی، ج ۱، ص 82)

(ب) بعض اہلِ علم خربزہ اور تربز لکھتے ہیں، مگر محمد حسین آزاد (سخندانِ فارس) نے ان الفاظ

کے اُردو تلفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے خربوزہ اور تربوز لکھا ہے۔ کیا ان فارسی الفاظ کے املا میں جن کا تلفظ اُردو میں آکر کچھ بدل گیا ہے، اس قسم کا تصرف جائز نہ ہوگا؟

(9) دوچشمی 'ھ' کا استعمال کہاں ہونا چاہیے؟

(الف) آیا اس جگہ جہاں کسی دوسرے حرف کے ساتھ مل کر آواز دے ورنہ ہاے ہوز، جیسے بھائی اور بہائی۔

(ب) آیا جہاں دو 'ہ' ایک ساتھ آئیں، پہلی 'ہ' کو دوچشمی 'ھ' لکھنا مناسب نہ ہوگا، جیسے قہقہہ، دوماہہ، سہ ماہہ وغیرہ۔

(10) آیا حسبِ ذیل صورتوں میں ہمزہ (ء) لکھا جانا ضروری ہے:

(الف) جب کہ لکھا جائے اور پڑھا نہ جائے۔ جیسے ضوء، شئ، ضیا میں۔ (اس کے ساتھ وہ صورت بھی نظر میں رہنی چاہیے جب کہ ایسا لفظ تنہا نہ آئے بلکہ کسی مرکب میں یا فقرے میں آئے، جیسے ثناء اللہ، ان شاء اللہ وغیرہ)۔

(ب) جب کہ بہ طورِ حرکت کسی حامل حرف کے ساتھ آئے:

(اول) بہ صورتِ الف جیسے جرأت، تأخر، توأم میں۔

(دوم) بہ صورتِ واو جیسے مؤدب، مؤنث، مؤثر میں۔

(11) آیا اضافت کے وقت ان الفاظ کے بعد جن کے آخر میں الف یا واو ہے، بڑی 'ے' بغیر ہمزہ لکھنا چاہیے مثلاً دانائے روزگار، خوے دوست، علماے کرام۔ (واضح رہے کہ اکثر اہلِ علم عربی کے ان الفاظ میں جن میں ہمزہ پایا جاتا ہے، ہمزہ کے نیچے کسرہ دے دیتے ہیں، علماءِ کرام، ابتداءِ آفرینش وغیرہ)۔

(12) ہندی اُردو الفاظ میں ہمزہ کا استعمال کس جگہ صحیح ہوگا اور کہاں غلط؟

(الف) آیا دو حرفِ علت کے بیچ میں صحیح ہوگا جب کہ دونوں کی آوازیں مختلف ہوں مثلاً آءو، جاءو، لاءوں، کھاءوں، آئے، جائے میں۔

(ب) آیا دو حرفِ علت کے بیچ میں جائز نہ ہوگا جب کہ دونوں کی آوازیں مل کر ایک آواز دیتی ہوں، مثلاً: بناوسنگار، داوپیچ، گھاودیا گاے، چاے، راے، ہاے یادیو، سیو وغیرہ میں۔

(ج) آیا ہمزہ اسی صورت میں آئے گا جب کہ اس سے پہلے حرف پر زبر ہوگا اور اگر زیر ہوگا تو نہ آئے گا اور اس کے بجاے 'ی' لکھنا صحیح ہوگا، مثلاً: لیے (ہر دو معنوں میں)، لیجیے،

دیجیے میں 'ی' اور گئے میں ہمزہ۔

(د) فارسی میں جز یا بجز تو مقطوع الاضافت ہیں مگر سوا (غیر) کو جب حرفِ استثنا کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو سوائے لکھتے ہیں اور اسی طرح بہ جائے۔ اُردو میں یہ الفاظ جوں کے توں لے لیے گئے ہیں (سوا یا ماسوا البتہ دونوں طرح آتے ہیں اور اس کثرت سے مستعمل ہیں کہ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اُردو میں یہ صورت صحیح نہیں)۔ آیا ایسے الفاظ کا املا آئے اور جائے کی طرح ہمزہ کے ساتھ کیا جائے یا بغیر ہمزہ کے۔

(13) آیا حسبِ ذیل صورتوں میں ہمزہ چھوڑ جانا غلط ہے:

(الف) مثلاً لکھنؤ کو لکھنو لکھنا۔

(ب) ہندوؤں، بیواؤں، دایاؤں کے بجائے، ہندووں، یا ہندوں یا بیووں اور دایوں لکھنا۔

(14) جب نون غنہ کے بعد 'ب' آئے اور 'م' کی آواز پیدا ہوتی ہو، جیسے 'انبیا'، تلفظ میں 'امبیا' یا 'امیا' ہے اور غیب (نیب) تو 'م' لکھنا درست ہوگا یا ن ب۔ اسی صورت سے فارسی الفاظ جیسے شنبہ، تنبورہ کے املا میں 'م' آنی چاہیے یا ن جیسا کہ فارسی میں لکھا جاتا ہے؟

(15) بعض فارسی الفاظ کو 'ز' سے لکھنا چاہیے یا 'ذ' سے، مثلاً گذر یا گزر، گزارش، یا گذارش، آذر یا آذر، پذیرا یا پزیرا۔ ('ذ' اور 'ز' کے بارے میں کافی اختلافی بحثیں رہی ہیں، لیکن یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ 'ذ' کی آواز عربی کے ساتھ ہی مختص نہیں، ایران کی قدیم زبانوں مثلاً اوستا میں بھی یہ آواز پائی جاتی تھی۔ سبک شناسی، ج:۱، ص 192)۔

(16) اُردو کے جن مصادر میں ایک نون (نا) کا اور ایک پہلے جزو کا، دونوں ایک ساتھ آتے ہیں، انھیں تشدید کے ساتھ لکھنا صحیح ہوگا یا 'ن' کی تکرار کے ساتھ، مثلاً: بنّا، تنّا یا بننا، تننا۔

(17) آیا حسبِ ذیل صورت میں یا الف کی جگہ 'ے' لکھنا صحیح ہوگا:

(الف) اُردو تلفظ میں جہاں امالہ آئے جیسے دو بچے کھیل رہے تھے (بہ حالتِ جمع) یا بچے نے سبق پڑھا، کتے کو مت چھیڑ۔ اس واقعے سے عبرت پکڑنی چاہیے (بہ حالتِ واحد) یا جیسے پتے بازی، دھوکے کی ٹٹی وغیرہ۔

(ب) اسمائے معرفہ میں بھی یہ تبدیلی صحیح ہوگی؟ جیسے آگرے کے جوتے مشہور ہیں، بندے علی کو بلاؤ۔

(18) بعض الفاظ جن میں نون غنہ ہے، کئی طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے کون سی صورت تلفظ سے قریب تر ہونے کی بنا پر صحیح ہے؟ مثلاً: کنوا، یا کنواں یا کوان؟ (بعض 'کنوا' کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح 'کانو'، 'پانو' زیادہ صحیح سمجھتے ہیں کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ نون غنہ صرف پہلے بول Syllable پر ہے، دونوں پر نہیں ہے۔ غالب کے نزدیک پانو لکھنا غلط ہے)۔

(19) (الف) بعض لوگ (11 سے 18 تک) گنتی کے لفظوں کے آخر میں الف لکھتے ہیں، جیسے گیارا اور بعض اصلی اور ملفوظی 'ہ' کے ساتھ یعنی گیارہ، بارہ۔ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کون سی صورت صحیح ہے؟

(ب) اسی صورت سے بعض لوگ 'دونوں' کو 'دونو' بغیر غنہ لکھتے ہیں۔ ان میں سے کون سا املا درست ہے؟

(ج) اگر منادی جمع ہو تو اس کے آخر میں نون غنہ لکھنا صحیح ہوگا یا غلط۔ یعنی 'اے لڑکوں' لکھنا درست ہوگا یا 'اے لڑکو'، 'صاحبو'، 'دوستو' وغیرہ۔

(20) ان عربی الفاظ کو جن پر تنوین آتی ہے، دو زیر یا دو زبر یا دو پیش سے لکھا جائے یا مطلوبہ حرکت کی علامت دے کر 'ن' سے۔ مثلاً فوراً یا فورن، نسلاً بعد نسلٍ وغیرہ (بعض اوقات منوّن ہمزہ ہوتا ہے ایسی صورت میں دو الف لکھنے ہوں گے یعنی ابتداءً کو ابتداان)۔

(21) مندرجہ ذیل الفاظ کا املا ایک سے زیادہ صورتوں میں رواج پا گیا ہے۔ بعض کا مختلف فیہ بھی ہے۔ ان میں سے کون سی صورت صحیح یا قابلِ ترجیح ہے؟

اکا، یکہ

(1) تاش کا پتا (2) سواری کا نام (3) تنہا (4) اکا دکا۔

ملیدا، ملیدہ

(فارسی لفظ مالیدہ ہے، مگر فارسی الفاظ میں الف کا حذف جائز ہے جیسے اسوار سے سوار، یا باغداد سے بغداد ہو گیا، اسی طرح اُردو والوں نے الف حذف کر کے مالیدہ کو ملیدہ بنالیا۔

اگر یہ تصرف قاعدے کے مطابق ہے تو اس کا املا ملیدہ ہی ہونا چاہیے اور اگر اسے مورد خیال کیا جائے تو ملیدا)۔

زردا، زردہ

(کھانے کا تمبا کو یا میٹھے چاول)

خط شفیعا، خط شفیعہ

(خط شفیعہ لکھنا غلط ہوگا کیوں کہ شفیعا ایک شخص کا نام جو اس خط کا موجد تھا)

آزوقہ، آذوقہ

(یہ لفظ فارسی ہے، اور اس کا املا 'ز' سے صحیح سمجھا جاتا ہے مگر ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ سنسکرت لفظ 'اجیوکا' سے آذوغہ (بہ ذال معجمہ) بنا۔ (سبک شناسی، ج:۱،ص 82)۔ 'ذ' اور 'ث' کی آوازیں ساسانیوں کے عہد میں بھی پائی جاتی تھیں۔ یہ آوازیں فارسی میں بعد کو گری ہیں، بعض الفاظ میں 'ذ' اب تک دیکھنے میں آتی ہے۔

آزر (حضرت ابراہیم کے چچا کا نام)

(لفظ آذر سے اس کا کوئی تعلق نہیں)

زات، ذات

(عربی میں ذات کے معنی نفس یا شخص کے ہیں، نژاد یا قوم کے نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت لفظ جات سے نکلا ہے، عربی لفظ ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں)۔

لمبردار، نمبردار۔ ذرا، ذرہ،

[اختلاف اللسان (وجاہت جھنجھانوی) میں اس پر بحث یکجا ملتی ہے]۔

ازدحام، ازدہام، اژدہام، ازدحام۔ جھے، چھ، چھہ۔ کیونکے، کیونکہ (مثلاً نہ جانوں کیونکے مٹے (یعنی کیونکر) داغ طعنِ بدعہدی۔ غالب)

دکان، دوکان، خرد، خورد

گرم مصالح، گرم مصالحہ، گرم مسالا

(سر سیّد مرحوم نے خطبات میں گرم مصالح لکھا ہے)۔

منو، منہ، مونو۔ ناتا، ناطہ

(ابوالکلام آزاد نے غالباً اس لفظ کا رشتہ نوط سے جوڑ کر 'ط' اور مختفی 'ہ' سے لکھا ہے)۔

حواشی:

۱ اس سلسلے میں انجمن ترقی اُردو (ہند) کے اجلاس منعقدہ 22 مارچ 1943 میں کمیٹی اصلاح رسمِ خط نے اپنی تجاویز پیش کی تھیں جن میں سے اکثر تجاویز مجلس ذیلی کل ہند اُردو کانفرنس ناگ پور نے 21 جنوری 1944 کو منظور کیں اور بعد کو مجوزہ رسمِ خط کے مطابق کتابیں بھی لکھی گئیں۔

۲ ان مسائل کی چھان بین ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے 'اُردو املا' مطبوعہ ہندستانی، جولائی 1936 سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ (خ.ن)

۳ اس مسئلے کا تعلق رسمِ خط سے بھی ہے۔

۴ یہ کوئی مکمل فہرست نہیں۔ ایسے اور بہت سے الفاظ ہیں جن کے املا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (خ.ن)

(منقول از اُردو املا و قواعد: مسائل و مباحث، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

☆☆☆

اُردو املا کے مسائل کا حل

اردو نامہ بابت اگست 1960 میں خلیق نقوی نے ایک سوال بند دیا ہے جس میں بعض الفاظ کا اردو املا دریافت کیا گیا ہے۔ میں نے ہر سوال کا جواب اس طرح دینے کی کوشش کی ہے، جس سے مسائل کی تشفی ہو سکے۔

اس میں شک نہیں کہ اردو املا کا مسئلہ ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے جو اربابِ اردو کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہے تا کہ اردو رسمِ خط کی اصلاح ہو سکے اور اس کے ذریعے زبان کی اشاعت و مقبولیت بڑھے۔ ہماری زبان اور ادب کی تعلیم شروع ہی سے علمائے فارسی و عربی کے زیرِ تربیت ہوتی رہی ہے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی و عربی کے اثرات اردو رسمِ خط پر پڑے، جس سے اردو املا بھی متاثر ہوا۔ خالص زبان کی حیثیت سے اس کی لکھاوٹ کی اصلاح کا خیال اس کے پیش روؤں کو پیدا نہیں ہوا۔ موجودہ زمانے میں جب کہ اردو میں تبادلۂ خیال کے ذریعے اور تجارتی کاروبار کے سبب کئی زبانوں کے الفاظ داخل ہوئے ہیں، ایسے موقعے پر اردو رسمِ خط اور اس کے املا میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے پیش آنے والی دقتوں کا حل نیچے سطروں میں بیان کیا جاتا ہے:

س : (1) حسبِ ذیل مختفی 'ہ' سے لکھے جائیں یا 'الف' سے؟

(الف) ٹھیٹ اردو ہندی الفاظ مثلاً: باڑا (باڑہ)، پتا (پتہ)، پیسا (پیسہ)، پنجرا (پنجرہ)، پٹاخا (پٹاخہ)، پہیا (پہیہ)، مہینا (مہینہ)، چھاپا (چھاپہ)۔

(ب) اسمائے معرفہ جیسے کلکتہ، آگرہ، مغل پورہ۔

(ج) ایسے الفاظ جو یورپی زبانوں سے اردو میں آئے ہیں، جیسے: ڈراما، فرما، مارکا۔

(د) ایسے الفاظ جو فارسی یا عربی سے نکلے تو ہیں مگر خود ان زبانوں میں ان کا وجود اس حیثیت میں نہیں پایا جاتا یا جن میں اردو والوں نے کوئی تصرف کر لیا ہے، جیسے بدلا (بدلہ)، بے فکرا (بے فکرہ)، نودولتا (نودولتہ)، بعضا (بعضہ)، دوماہا (تصرف کی صورت)۔

(ہ) ایسے الفاظ: جو ایک اردو اور ایک فارسی یا عربی جز سے بنے ہیں: پچ رنگا (پچ رنگہ)، تماہا (تماہہ)۔

ج : (الف) انھیں الف ہی سے لکھا جائے، کیوں کہ اوپر کے الفاظ ٹھیٹ اردو ہندی کے ہیں۔ ہائے مختفی کا استعمال زیادہ تر فارسی لفظوں میں ہوتا ہے، اردو میں بہت ہی کم۔ چوں کہ پہلے کے اہلِ علم کو فارسی کی زبان زیادہ مزاولت تھی، اس لیے انھوں نے فارسی نہج پر اردو لفظوں کو بھی لکھنا شروع کیا، جو اَب تک ہماری زبان میں رائج ہے۔ اردو کے لحاظ سے ان کی لکھاوٹ پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔

(ب) ہائے مختفی سے لکھے جائیں، کیوں کہ ان لفظوں کے آخر میں 'ہ' مختفی ہے۔

(ج) الف سے لکھے جائیں، کیوں کہ یہ الفاظ انگریزی کے ہیں، ان میں ہائے مختفی کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔

(د) بدلا ٹھیٹ اردو لفظ ہے، اس لیے اس کو 'ہ' مختفی سے نہ لکھا جائے؛ بے فکرہ، نودولتہ، بعضہ، دوماہہ میں سے (بے فکرہ اور نودولتہ) کو فارسی سے اور 'بعضہ' کو عربی سے مورد بنایا ہے۔ یہ سب صفت ہیں۔ اردو کے لحاظ سے صفت کی علامت الف ہونی چاہیے، لہٰذا ان کو الف سے لکھا جائے اور 'دوماہہ' میں تصرف کر کے مورد بنایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس میں صفت کی علامت 'الف' ہونی چاہیے۔ پس اس کو بھی 'الف' سے لکھا جائے۔

(ہ) 'الف' سے لکھے جائیں، کیوں کہ یہ سب صفت ہیں۔ صفت کے لحاظ سے 'الف' کی علامت ہونی چاہیے۔

س : (2) وہ الفاظ جو خود عربی یا فارسی میں 'الف' سے لکھے جاتے ہیں، انھیں 'ہ' سے اور جو 'ہ' سے لکھے جاتے ہیں، اُنھیں 'الف' سے لکھنا کہاں تک درست ہے؟ مثلاً خارا کو خارہ، آشکارا کو آشکارہ، حلوا کو حلوہ، سقا کو سقہ، مزہ کو مزا، معما کو معمہ، مربا کو مربہ، سکتہ کو سکتا یا کلمہ کو کلما۔

ج : (2) ان میں خارہ، آشکارہ، مزہ فارسی الفاظ ہیں اور یہ صفت ہیں۔ اردو کے لحاظ سے ان کو 'الف' ہی سے لکھنا مناسب ہے۔ حلوہ، سقہ، معمہ اور سکتہ: یہ عربی کے الفاظ

ہیں۔ ان میں سکتہ کو 'ہ' سے لکھا جائے تا کہ سکتا فعل سے التباس پیدا نہ ہو۔ باقی کو اردو کے لحاظ سے 'الف' ہی سے لکھنا چاہیے۔ 'گلہ' خالص فارسی کا لفظ ہے اور اس کے آخر میں 'ہ' مختفی ہے اس لیے اس کو ہائے مختفی سے لکھا جائے۔

س : (3) ایسے الفاظ کا املا فارسی طرز پر ہو یا عربی طرز پر، جو اردو میں فارسی کی وساطت سے آئے ہیں اور جن میں فارسی والوں نے کچھ تصرف کر لیا ہے، مثلاً جزؔ (حصہ) بغیر 'واؤ' یا (جزو) 'واؤ' کے ساتھ۔

ج : (3) 'جز' کا املا عربی طرز پر ہونا چاہیے کیوں کہ اس کا اصل املا یہی ہے، البتہ جب اس کو موصوف بنایا جاتا ہے تو اس وقت ہمزہ کو 'واؤ' سے بدل دیتے ہیں جیسے: جزوی وقت، جزوی آمدنی۔ لیکن 'جز' کا خود اردو املا بغیر ہمزہ کے ہونا چاہیے۔

س : (4) (الف) جن الفاظ میں 'الف' بہ صورتِ 'ی' یا 'الف' بہ صورتِ 'واؤ' آتا ہے، انھیں عربی طرز پر لکھا جائے یا تنہا 'الف' سے؟ مثلاً: زکوٰۃ یا زکات۔ اعلیٰ یا اعلا (ایسے الفاظ جنھیں فارسی یا خود عربی میں تنہا 'الف' سے لکھتے چلے آئے ہیں، یقیناً مستثنیات میں سے ہیں جیسے دنیا، عصا، تمنا، تماشا، تقاضا، ماجرا، معما وغیرہ۔ بعض الفاظ میں اردو والے 'الف' بہ صورتِ 'ی' لکھتے ہیں، حالاں کہ ان کا تنہا 'الف' سے لکھا جانا صحیح ہے۔ مثلاً: استعفاء، ارتضاء، اصطیفاء، اجتباء۔

(ب) جن الفاظ کے کسی حرف پر کھڑا زبر (الف بطنی) آتا ہے، انھیں دو طرح سے لکھتے ہیں۔ مثلاً اسحٰق، اسمٰعیل، یا اسحاق، اسماعیل۔ پہلا طریقہ قدیم ہے، جو بڑی حد تک متروک ہے۔ مثلاً سلمان کو سلیمٰن کوئی نہیں لکھتا۔ بعض صرف ایک ہی طرح سے لکھے جاتے ہیں، مثلاً ہٰذا، الٰہ، الٰہ آباد وغیرہ۔ آیا ان مستثنیات کے باوجود قدیم طرز کو کلیتاً متروک قرار دے دینا مناسب ہوگا؟ (انجمن ترقی اردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ جدید طرز پر لکھے جائیں یعنی زکوٰۃ کو زکات، اعلیٰ کو اعلا، اسمٰعیل کو اسماعیل لکھا جائے)۔

ج : (4) (الف) زکوٰۃ میں 'الف' بہ صورتِ 'واؤ' اعلیٰ میں 'الف' بہ صورتِ 'ی'۔ یہ قدیمی اور عربی طرز ہے جو عربی علما کی وساطت سے اردو میں رائج ہو گیا ہے اور اس کا اب تک چلن ہے۔ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ جدید طرز پر اردو میں تنہا 'الف' کے ساتھ زکات اور اعلا اور بغیر ہمزہ کے استعفا، ارتقا، اصطفا، اجتبا کو لکھنا چاہیے۔

(ب) اوپر کے الفاظ کو کھڑے زبر سے لکھنے کا عربی طرز ہے، جو اردو کے لیے موزوں نہیں ہے، اس کے لحاظ سے ان کو متصل 'الف' سے لکھنا چاہیے، جیسے: اسحاق، اسماعیل، ہذا، لہٰذا، اللہ، الٰہی۔ یہ عربی کھڑے زبر کی مثالیں ہیں، جو اردو میں قدیم سے بلا 'الف بطنی' مروّج ہیں یعنی ہذا، لہٰذا، اللہ، الٰہی؛ ان کی لکھاوٹ کو بالاتفاق مان لیا گیا ہے، اس لیے ان کو اسی نہج پر لکھنا چاہیے۔

س : (5) (الف) جن عربی الفاظ میں مدوّر 'ۃ' کی آواز اردو میں تاے طویلہ ہے، اُس کی شکل گول 'ۃ' کی ہو یا لمبی 'ت' کی، جیسے: زکواۃ، صلواۃ وغیرہ میں اکثر الفاظ کے ساتھ اردو اور فارسی میں 'ت' ہی لکھی جاتی ہے، لیکن ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں عربی طرزِ املا کا لحاظ رکھا جاتا ہے (انجمن ترقی اردو کا فیصلہ ہے کہ ایسے تمام الفاظ 'ت' سے لکھے جائیں)۔

(ب) جن عربی الفاظ کے آخر میں مدوّر 'ۃ' ہے اُن پر تنوین دیتے وقت آخر میں ایک 'الف' زائد کر دینا کہاں تک درست ہے؟ مثلاً 'قدرت' سے 'قدرتاً'، 'دفعہ' سے 'دفعتاً'۔

ج : (5) (الف) مدوّر 'ۃ' خالص عربی طرز ہے، اس لیے اردو کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اس کے لحاظ سے لمبی 'ت' کا استعمال کرنا چاہیے۔

(ب) اس طرح لکھنا بالکل غلط ہے۔ املا کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی عربی لفظ کے آخر میں 'ت' یا 'ۃ' ہو تو زبر کی تنوین لکھی جاتی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو 'الف' بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں جیسے قدرت سے 'قدرۃً'، دفعہ سے 'دفعۃً'، اشارہ سے 'اشارۃً'، اتفاق سے 'اتفاقاً' یقین سے 'یقیناً' احتیاط سے 'احتیاطاً'۔

س : (6) فارسی اور ترکی کے بعض الفاظ 'ت' کی بجائے 'ط' سے بھی لکھے جاتے ہیں، جیسے: طپیدہ، طشت، طوطی، طشتری، طباشیر وغیرہ۔ کیا ان الفاظ کو 'ت' سے لکھنا زیادہ صحیح ہوگا؟

ج : (6) 'ت' ہی سے لکھنا زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ 'ط' خالص عربی ہونے کے سبب آج کل متروک ہو چلا ہے، اس کی جگہ 'ت' مخصوص فارسی کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

س : (7) بعض جگہ فارسی والوں نے 'س' کی جگہ 'ص' اور 'ص' کی جگہ 'س' لکھنا شروع کر دیا ہے، جیسے: اصطخر کہ پہلوی میں تسخر تھا یا صد کہ دراصل سد تھا (چناں چہ فارسی امروز میں سدہ بمعنی قرن) صینی، چین صین سے بنا، مگر فارسی میں عموماً سینی ہے اور شصت کا املا دونوں طرح کیا جاتا ہے۔ آیا ایسے الفاظ کا کون سا املا اردو میں قابلِ ترجیح ہوگا؟

ج : (7) ایرانیوں نے ملت پرستی کے تحت اپنی زبان میں ردوبدل اور اصلاح شروع کردی، چناں چہ یہ بعض الفاظ کے املا میں مخصوص عربی حرفوں کی جگہ ٹھیٹ فارسی حرفوں کا استعمال کرنے لگے ہیں تاکہ موجودہ ایرانی زبان پہلوی اور اوستا کے مماثل ہوجائے۔ چوں کہ ہندستان میں قدیم الایام سے جو فارسی زبان رائج تھی وہی اب تک ادب اور لغت میں جاری ہے اس لیے اصطخر، صد، سینی، اور شصت کا املا قدیم طرز پر ہی ہونا چاہیے تاکہ گڑبڑ نہ ہوجائے، البتہ لغت میں قدیم لفظ کے ساتھ جدید لفظ کو بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

س : (8) (الف) پیش یا زیر ظاہر کرنے کے لیے بعض الفاظ میں پہلے 'و' یا 'ی' لکھتے تھے مثلاً: اوس، اودھر، ایدھر، جواب متروک ہے، البتہ بعض الفاظ کو اب بھی 'و' کے ساتھ اور بغیر 'و' دونوں طرح لکھتے ہیں جیسے: ہندوستان (ہندستان)، گودام (گدام)، دولارا (دُلارا)؛ اس طرح 'ی' کے ساتھ اور بغیر 'ی' بھی جیسے: جیوں، تیوں (جوں توں)۔ آیا ایسے الفاظ میں 'و' یا 'ی' کی تخفیف قابلِ ترجیح ہے؟ (وہ صورت اس سے جدا ہے، جہاں فارسی الفاظ میں خاے معجمہ کے بعد 'واؤ' معدولہ آتا ہے، جیسے: خواب، خود، خور، خوش وغیرہ ہیں، کیوں کہ اوستا میں (خو) ایک مخصوص صوت تھی۔ جیسے پہلوی میں 'خا' 'واؤ' معدولہ سے ادا کیا گیا (سبک شناسی، ج:ا،ص 82)۔

(ب) بعض اہلِ علم خربزہ اور تربز لکھتے ہیں، مگر محمد حسین آزاد نے (سخندانِ فارس' میں) ان الفاظ کے اردو تلفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے خربوزہ اور تربوز لکھا ہے۔ کیا اُن فارسی الفاظ کے املا میں جن کا تلفظ اردو میں آکر کچھ بدل گیا ہے، اس قسم کا تصرف جائز نہ ہوگا؟

ج : (8) (الف) چوں کہ روزمرہ بول چال میں ہندوستان کو ہندستان، گودام کو گدام اور دولارا کو دلارا 'واؤ' کے حذف کے ساتھ بولا جاتا ہے، اس لیے اردو تلفظ کے لحاظ سے بغیر 'واؤ' کے لکھنا قابلِ ترجیح ہے۔ اسی طرح جیوں تیوں میں 'ی' حذف کرکے جوں توں لکھا جائے۔

(ب) اردو تلفظ کے لحاظ سے تصرف کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا خربوزہ اور تربوز میں 'واؤ' حذف کرکے ان کو خربزہ اور تربز لکھا جائے۔

س : (9) دو چشمی 'ھ' کا استعمال کہاں ہونا چاہیے؟

(الف) آیا اس جگہ جہاں کسی دوسرے حرف کے ساتھ مل کر آواز دے، ورنہ ہائے ہوز، جیسے: بھائی، بہائی۔

(ب) آیا جہاں دو 'ہ' ایک ساتھ آئیں، پہلی 'ہ' کو دو چشمی 'ھ' لکھنا مناسب ہوگا؟ جیسے: قہقہہ، ماماہ، سہ ماہ وغیرہ۔

ج : (9) (الف) ہائے دو چشمی کا استعمال اس جگہ کرنا چاہیے جہاں وہ اگلے حرف کے ساتھ مل کر آواز دے۔ یہ پندرہ حروف ہیں، جن کا استعمال ٹھیٹ اردو ہندی لفظوں میں ہوتا ہے۔

(ب) جہاں دو 'ہ' ایک ساتھ آئیں اور وہ ہائے مخلوطی میں داخل نہ ہوں تو ایسی 'ہ' کو کہنی دار 'ہ' یا گول 'ہ' (مد) کے ساتھ لکھنا چاہیے، جیسے: قہقہہ، دو ماھہ، سہ ماھہ۔

س : (10) آیا حسبِ ذیل صورتوں میں ہمزہ (ء) لکھا جانا ضروری ہے؟

(الف) جب کہ لکھا جائے اور پڑھا نہ جائے، جیسے: 'ضوءٗ، شیٔ، ضیاءٗ' میں (اس کے ساتھ وہ صورت بھی نظر میں رہنی چاہیے جب کہ ایسا لفظ تنہا نہ آئے بلکہ کسی مرکب میں یا فقرے میں آئے، جیسے: ثناء اللہ، ان شاء اللہ وغیرہ)۔

(ب) جب کہ بہ طورِ حرکت کسی حامل حرف کے ساتھ آئے۔ (اول) بہ صورتِ 'الف'، جیسے: جرات☆، تاخر، توام میں۔ (دوم) بہ صورتِ 'واؤ'، جیسے: مؤدب، مؤنث، مؤثر میں۔

ج : (10) (الف) املا کا قاعدہ یہ ہے کہ جن عربی لفظوں کے آخر میں 'الف'، 'وہ'، 'یا' میں سے کوئی ایک حرف ہو یا نہ ہو، مگر ہمزہ موجود ہو، اردو میں ان کو ہمزہ کے بغیر لکھا جائے، جیسے: بنا، ضیا، ضو، سو، شے، طے وغیرہ، البتہ ترکیب کی صورت میں ہمزہ کا لکھنا ضروری ہے۔

(ب) (1) جن عربی لفظوں کے درمیان 'أ' آئے ان کو اردو میں ہمزہ چھوڑ کر صرف 'الف' سے لکھا جائے، جیسے: جرات، تاخر، توام۔ (2) جو عربی الفاظ مفصل کے وزن پر آئیں

☆ جرأت کا املا عربی طرز کا ہے۔ عربی میں متحرک الف (ہمزہ) کہلاتا ہے اور ساکن الف لفظ مذکور کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہمزہ ہے؛ چوں کہ اردو کا متحرک الف، عربی ہمزہ کا قائم مقام ہوتا ہے، اس لیے جرات میں 'أ' کے بجائے صرف 'الف' استعمال کیا گیا ہے۔

اُن کواردو میں ہمزہ چھوڑ کر صرف 'واؤ' سے لکھا جائے، جیسے: موش، مونث، موثر۔

س : (11) آیا اضافت کے وقت ان الفاظ کے بعد جن کے آخر میں 'الف' یا 'واؤ' ہے، بڑی 'ے' بغیر ہمزہ لکھنا چاہیے؟ مثلاً: دانائے روزگار، خوے دوست، علماے کرام (واضح رہے کہ اکثر اہلِ علم عربی کے ان الفاظ میں جن میں ہمزہ پایا جاتا ہے، ہمزہ کے نیچے کسرہ دے دیتے ہیں، جیسے علماءِ کرام، ابتداءِ آفرینش وغیرہ)۔

ج : (11) ایسے الفاظ جن کے آخر میں 'الف' یا 'واؤ' آئے اُن کو اضافت کی صورت میں ہمزہ کے ساتھ بڑی 'ے' بڑھا کر لکھنا چاہیے۔ اس کے برخلاف جو عمل ہے وہ بے قاعدہ ہے۔ صحیح املا یوں ہے، جیسے: دانائے روزگار، خوئے دوست، علمائے کرام اور ابتدائے آفرینش وغیرہ۔

س : (12) ہندی اردو الفاظ میں ہمزہ کا استعمال کس جگہ صحیح ہوگا اور کہاں غلط؟

(الف) آیا دو حروفِ علت کے بیچ میں صحیح ہوگا، جب کہ دونوں کی آوازیں مختلف ہوں، مثلاً آؤ، جاؤ، لاؤں، کھاؤں، آئے، جائے میں۔

(ب) آیا دو حروفِ علت کے بیچ میں جائز نہ ہوگا؟ جب کہ دونوں کی آوازیں مل کر ایک آواز دیتی ہوں، مثلاً: بناو سنگار، داو پیچ، گھاو یا گاے، چاے، راے، ہاے یا دیو، سیو وغیرہ۔

(ج) آیا ہمزہ اسی صورت میں آئے گا جب کہ اس سے پہلے حرف پر زبر ہوگا اور اگر زیر ہوگا تو نہ آئے گا اور اس کے بجائے 'ی' لکھنا صحیح ہوگا؟ مثلاً: (ہر دو معنوں میں) لیجیے، دیجیے میں 'ی' اور 'گئے' میں ہمزہ۔

(د) فارسی میں جز بجز تو مقطوع الاضافت ہیں، مگر سوا (غیر) کو جب حرفِ استثنا کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو 'سوائے' لکھتے ہیں اور اسی طرح 'بجائے'۔ اردو میں یہ الفاظ جوں کے توں لے لیے گئے ہیں (سوا یا ماسوا)، البتہ دونوں طرح آتے ہیں اور کثرت سے مستعمل ہیں۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اردو میں یہ صورت صحیح نہیں، آیا

☆ قواعد میں 'الف'، 'واؤ' اور 'یا' کو حرفِ علت سے موسوم کرتے ہیں، حالاں کہ اردو کے لحاظ سے یہ حروف اپنی اپنی موافق حرکتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ انھیں حروفِ اعرابی لکھنا چاہیے۔ اردو میں حروفِ علت نہیں ہوتے، کیوں کہ اس میں مثل عربی کے اجوف، معتل اور مہموز کا عمل نہیں ہوتا ہے۔

ایسے الفاظ کا املا آئے اور جائے کی طرح ہمزہ کے ساتھ کیا جائے یا بغیر ہمزہ کے؟

ج : (12) (الف) ہمزہ کا استعمال اسی وقت ہوگا جب کہ دو حرف اعرابی☆ (حروفِ علت) الگ الگ آواز دیں، یہ ہمزہ دوسرے حرف اعرابی (حرف علت) کے اوپر لکھا جائے۔

(ب) جب کہ دو حرف اعرابی صاف آواز نہ دیں تو ہمزہ استعمال نہ کیا جائے، جیسے: بناو سنگا، داو پیچ، گھاو، گاے، چاے، راے ہاے، دیو، سیو، جنیو وغیرہ۔

(ج) جب کہ حرف اعرابی 'ی' صاف آواز دے تو ہمزہ استعمال کیا جائے گا ورنہ صرف 'یا' لکھی جائے، جیسے: نئے، گئے، کئی، بھئی، لیے، جیے، پئے اور بہروپیے۔

(د) اس صورت میں 'الف' کے قاعدے کا اطلاق ہوگا، جیسے: سوائے، بجائے۔

س : (13) کیا حسبِ ذیل صورتوں میں ہمزہ چھوڑ جانا غلط ہے:

(الف) مثلاً: لکھنؤ کو لکھنو لکھنا۔

(ب) ہندوؤں، بیواؤں، دایاؤں کے بجائے ہندووں یا ہندوں یا بیووں اور دایوں لکھنا۔

ج : (13) (الف) لکھنؤ میں حرف اعرابی 'ؤ' صاف آواز دے رہا ہے، اس لیے اس کو ہمزہ سے لکھا جائے، جیسے: لکھنؤ۔

(ب) ہندوؤں میں دو حروف اعرابی 'واؤ' الگ الگ آواز دے رہے ہیں اس لیے ان کو ہمزہ کے ساتھ لکھا جائے، جیسے: ہندوؤں اور بیواؤں، دایاؤں میں 'الف' اور 'واؤ' حروف اعرابی صاف آواز دیتے ہیں، اس لیے ان کو ہمزہ کے ساتھ لکھا جائے، بیواؤں، دایاؤں۔

س : (14) جب نون غنہ کے بعد 'ب' آئے تو 'م' کی آواز پیدا ہوتی ہے، جیسے: انبیا میں (امبیا) ہے، منبر کے 'ن' کو 'م' سے لکھنا درست ہوگا یا ن ب سے۔ ایسی صورت میں فارسی الفاظ جیسے: شنبہ، تنبورہ کے املا میں 'م' آنی چاہیے یا 'ن' جیسا کہ فارسی میں لکھا جاتا ہے۔

ج : (14) اس کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ نون غنہ والے لفظ، جن کے بعد 'ب' آئے اور 'م' کی آواز دیں، ان میں فارسی عربی لفظوں کو 'ن' ہی سے لکھنا چاہیے، جیسے: انبیا، منبر، شنبہ، تنبورہ۔

س : (15) بعض فارسی الفاظ کو 'ز' سے لکھنا چاہیے یا 'ذ' سے، مثلاً: گذر یا گزر، گذارش یا

گزارش، آذر یا آزر، پذیرا، پزیرا ('ذ' اور 'ز') کے بارے میں کافی اختلافی بحثیں رہی ہیں، لیکن یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ 'ذ' کی آواز عربی کے ساتھ ہی مختص نہیں۔ ایرانی قدیم زبانوں میں مثلاً اوستا میں بھی یہ آواز پائی جاتی تھی (سبک شناسی، ج:1، ص192)۔

ج : (15) عموماً فارسی لفظوں میں مخصوص عربی حرف 'ذ' استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ باوصف اس کے بعض مستثنیات بھی ہیں 'ز' سے، جیسے: گزر، گزارش اور 'ذ' سے جیسے: آذر، پذیرا۔

س : (16) اردو کے جن مصادر میں ایک نون (نا) کا اور ایک پہلے جز کا دونوں ایک ساتھ آتے ہیں، انھیں تشدید کے ساتھ لکھنا صحیح ہوگا یا 'ن' کے تکرار کے ساتھ؟ مثلاً: بنّا تنّا، یا بننا تننا۔

ج : (16) اردو مصادر کو عموماً 'نون' کی تکرار سے لکھا جائے، تشدید کے ساتھ لکھا نہ جائے، تاکہ فعل کی صورت ظاہر ہو سکے ورنہ اسم سمجھا جائے گا، جیسے بننا، تننا، سننا (برخلاف انا، گنا) دھنا۔

س : (17) آیا حسبِ ذیل صورت میں 'ہ' یا 'الف' کی جگہ 'ے' لکھنا صحیح ہوگا:

(الف) اردو تلفظ میں جہاں امالہ آئے، جیسے: دو بچے کھیل رہے تھے (بحالتِ جمع) یا بچے نے سبق پڑھا۔ کتّے کو مت چھیڑ۔ اس واقعے سے عبرت پکڑنی چاہیے (بحالتِ واحد) یا جیسے: پتّے بازی، دھوکے کی ٹٹّی وغیرہ۔

(ب) اسماے معرفہ میں بھی یہ تبدیلی صحیح ہوگی، جیسے: آگرے کے جوتے مشہور ہیں، بندے علی کو بلاؤ۔

ج : (17) (الف) اس کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ جن اسموں کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' ہو تو وہ حروف ربط کے ساتھ یاے مجہول سے بدل کر لکھے جاتے ہیں، مگر دانا، صحرا اور دوا اس سے مستثنا ہیں، جیسے لڑکے (لڑکا) نے سبق پڑھا۔ کتّے (کتّا) کو مت چھیڑ۔ اس واقعے (واقعہ) سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ موٹر کے حادثے (حادثہ) سے ایک آدمی مرا۔

(ب) ہاں اسماے معرفہ میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے، جیسے: آگرے (آگرہ) کے جوتے

مشہور ہیں۔ بجواڑے (بجواڑہ) سے آم دساور جاتا ہے، مگر 'بندے علی کو بلاؤ' کے بجائے 'بندہ علی کو بلاؤ' لکھنا چاہیے کیوں کہ بندہ اور علی کے درمیان کوئی حرف ربط نہیں ہے۔

س : (18) بعض الفاظ، جن میں نون غنہ ہے، کئی طرح سے لکھے جاتے ہیں، ان میں سے کون سی صورت تلفظ سے قریب تر ہونے کی بنا پر صحیح ہے؟ مثلاً: کنواں یا کنواں یا کواں؟ بعض کنوا کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح گانو، پانوں کو زیادہ صحیح سمجھتے ہیں کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ نون غنہ صرف پہلے بول (Syllable) پر ہے، دونوں پر نہیں ہے۔ غالب کے نزدیک پانو لکھنا غلط ہے۔

ج : (18) کنوا بولنے میں پہلے سٹک (Syllable) پر نون غنہ کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ دوسرے سٹک کے آخر میں، اس لیے کنْوا لکھنا زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح گانْو، پانْو، چھانو اور دانْو کو سمجھو۔

س : (19)(الف) بعض لوگ (11 سے 18 تک) گنتی کے لفظوں کے آخر میں 'الف' لکھتے ہیں، جیسے گیارا اور بعض اصلی اور ملفوظی 'ہ' کے ساتھ یعنی گیارہ، بارہ۔ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کون سی صورت صحیح ہے؟

(ب) اس صورت سے بعض لوگ 'دونوں' کو 'دونو' بغیر نون غنہ لکھتے ہیں، ان میں سے کون سا املا درست ہے؟

(ج) اگر منادا جمع ہو تو اس کے آخر میں نون غنہ لکھنا صحیح ہوگا یا غلط، یعنی 'اے لڑکوں' لکھنا درست ہوگا یا 'اے لڑکو، صاحبو، دوستو' وغیرہ۔

ج : (19)(الف) 11 سے 18 تک گنتی کے لفظوں میں ہائے مختفی کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے ان کو 'ہ' مختفی سے لکھنا چاہیے۔

(ب) نون غنہ کے ساتھ صحیح ہے کیوں کہ اس لفظ کے آخری سٹک پر غنہ کا اظہار ہوتا ہے۔

(ج) منادا کو نون غنہ کے ساتھ لکھنا غلط ہے، اے لڑکو!، صاحبو!، دوستو! وغیرہ صحیح املا ہے۔

س : (20) اُن عربی لفظوں کو جن پر تنوین آتی ہیں، دو زبر یا دو زیر یا دو پیش سے لکھا جائے یا مطلوبہ حرکت کی علامت دے کر 'ن' سے؟ مثلاً: فوراً یا فورن، نسلاً یا نسل یا نسلن بعد

نسلن وغیرہ (بعض اوقات منوّن ہمزہ ہوتا ہے۔ اسی صورت میں دو 'الف' لکھنے ہوں گے، یعنی 'ابتدأ' کو 'ابتداان'۔

ج : (20) تنوین کو دو زبر یا دو زیر یا دو پیش سے لکھا جائے، منوّن ہمزہ ہونے کی صورت میں اُس پر دو زبر دیے جائیں: ابتداءً۔

س : (21) مندرجۂ ذیل الفاظ کا املا ایک سے زیادہ صورتوں میں رواج پا گیا ہے۔ بعض کا مختلف فیہ ہے۔ ان میں سے کون سی صورت کو ترجیح ہے:

— اکا، یکہ: (1) تاش کا پتا (2) سواری کا نام (3) تنہا (4) اکا دکا۔

— ملیدا، ملیدہ: (فارسی کا لفظ ملیدہ ہے، مگر فارسی الفاظ میں 'الف' کا حذف جائز ہے، جیسے: اسوار سے سوار، باغ داد سے بغداد ہو گیا۔ اسی طرح سے اردو والوں نے 'الف' حذف کر کے مالیدہ کو ملیدہ بنا لیا)۔ اگر یہ تصرف قاعدے کے مطابق ہے تو اس کا املا ملیدہ ہی ہونا چاہیے اور اگر اسے مورد خیال کیا جائے تو ملیدا۔

— زردا، زردہ: (کھانے کا تمبا کو یا میٹھے چاول)

— خط شفیعا، خط شفیعہ: (خط شفیعہ لکھنا غلط ہوگا، کیوں کہ شفیعا ایک شخص کا نام ہے، جو اس خط کا موجد تھا)۔

— آزوقہ، آذوقہ: یہ لفظ فارسی ہے اور اس کا املا 'ز' سے صحیح سمجھا جاتا ہے، مگر ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ سنسکرت لفظ اجیوکا سے آذوقہ بہ ذال معجمہ بنا (سبک شناسی، ج:1، ص 82)۔ 'ذ' اور 'ث' کی آوازیں ساسانیوں کے عہد میں بھی پائی جاتی تھیں۔ یہ آوازیں فارسی میں بعد کو گری ہیں۔ بعض الفاظ میں 'ذ' اب تک دیکھنے میں آتی ہے۔

— آزر: (حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام ہے) لفظ 'آذر' سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

— زات، ذات: عربی میں ذات کے معنی نفس یا شخص کے ہیں، نژاد یا قوم کے نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت لفظ 'جات' سے نکلا ہے۔ عربی لفظ 'ذات' سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

— لمبردار، نمبردار۔

— ذرا، ذرہ: 'اختلاف اللسان' از وجاہت حسین جھنجھانوی میں اس پر بحث یکجا ملتی ہے۔

— ازدحام، ازدہام، اژدہام، اژدحام۔

— چھے، چھ، چھہ۔

— کیوں کر یعنی کیوں کے، کیونکہ (مثلاً نہ جانوں کیو نکے مٹے داغ طعن بدعہدی: غالب)
— دکان، دوکان۔
— خرد، خورد۔
— گرم مصالح، گرم مصالحہ، گرم مسالا (سر سیّد مرحوم نے خطبات میں گرم مصالح لکھا ہے)
— منھ، منہ، مونھ۔
— ناتا، ناطہ (ابوالکلام آزاد نے غالباً اس لفظ کا رشتہ نوط سے جوڑ کر 'ط' اور مختفی 'ہ' سے لکھا ہے)۔
— عضلہ (پنڈلی کا گوشت)۔
— حضیرہ: (ایک طرح کا اجتماع میلہ، جو بدایوں اور دیگر اضلاع میں سالار مسعود غازیؒ کی یادگار میں ہوتا ہے)۔ ضربیہ: آگرے یا دہلی میں پنواڑیوں کا بازار یا محلّہ۔

یہاں یہ دقت پیدا ہوتی ہے کہ اردو میں جن حروف کا تلفظ 'ذ' کی طرح کرتے ہیں۔ اگر ایسے الفاظ کو عربی طرز پر لکھا جائے تو اردو تلفظ کو کس طرح ظاہر کیا جائے؟

ج : (21) 'اکا' قابلِ ترجیح ہے، کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے۔
— ملیدا: قابلِ ترجیح ہے، کیوں کہ یہ مورد بنایا گیا ہے۔
— زردا: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے۔
— آذوقہ: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ فارسی لفظ ہے۔
— آزر: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ عربی لفظ ہے۔
— زات: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ مورد بنایا گیا ہے۔
— لمبردار: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے۔
— ازدحام: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ عربی لفظ ہے۔
— چھ: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے۔
— کیوں کہ: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے۔
— دکان: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ 'واؤ' سے لکھنا غلط ہے۔
— خرد: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ فارسی لفظ ہے۔

— گرم مسالا: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ مورد بنایا گیا ہے۔

— منہ: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ ہائے چشمی، واواور ھ سے لکھنا غلط ہے۔

— ناتا: قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ یہ ٹھیٹ اردو ہندی لفظ ہے۔

بقول انشا کے جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا، خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی۔ اسی کلیے کے تحت اردو کی مروّجہ اصطلاحوں کو خواہ مخواہ اُن کی اصل زبان کی صورت میں ڈھالنے کی کوشش کرنا غلط ہے۔ پہلے ہی سے ادلا یعنی ران کا گوشت، جس کو مچھلی بھی کہتے ہیں (عضلہ) کی اور دریا، یعنی پانوں کا بازار (ضریبہ) کی نمائندگی کرتا ہے، ایسی صورت میں پھر ان کو اردو میں عربی طرز پر لکھنا تحصیلِ حاصل ہے۔ حفیرہ اور ضریبہ کا جو مفہوم اردو میں لیا جا رہا ہے، وہ خود عربی میں مفقود ہے۔

(منقول از اردو املا و قواعد: مسائل و مباحث، مرتبہ فرمان فتح پوری)

☆☆☆

ضمیمہ

اِصلاحِ رسمُ الخط

(مولوی سیّد ہاشمی صاحب فریدآبادی)

اِس میں تو مُطلق شبہ نہیں کہ ہندستان کے ہر حصّے میں اُردُو زبان نہ صِرف سمجھی جاتی ہے بلکہ بولی بھی جاتی ہے اور ہندستان کے باہر جہاں کہیں اہلِ ہند کاروبار کی ضرُورتوں سے جا کر بسے ہیں، وہ اِسی زبان سے کام لیتے ہیں۔ لیکن تقریر سے بڑھ کر اب زمانہ تحریر کا اور عام تعلیم کا آگیا ہے اور اِس بات کی سخت ضرُورت ہے کہ ہم اُردُو کی تعلیم و تعلّم اور اُس کی طباعت میں ایسی آسانیاں پیدا کریں کہ غیر زبان والوں میں بھی اسے خوب رواج دیا جاسکے۔ اُردُو کے دُوسرے بہی خواہوں کی طرح، انجمن ترقّیِ اُردُو اِن مسائل پر ایک مدّت سے غور و بحث کرتی رہی ہے اور اس نے طرزِ تعلیم و تحریر میں بعض اِصلاحات بھی کی ہیں جن کو عمُوماً پسند کیا گیا۔ لیکن یہ جُزئی اصلاحات ہیں اور جو حضرات، اُردُو کو لوہے کے ٹائپ میں چھاپنے کے شدّ و مد سے حامی ہیں، وہ ہمارے رسمِ خط میں اور زیادہ تبدیلیوں کا تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ انہی تقاضوں کی بِنا پر کاتبُ الحرُوف نے گزشتہ سال چند تجاویز مرتّب کی تھیں جن کو چھاپ کر خاص خاص اہلُ الرّاے کی خدمت میں بھیجا گیا اور انجمن کے دفتر دہلی میں اسی مجلسِ ماہرین کا ایک جلسہ بہ تاریخ ۲۲ مارچ ۱۹۴۳ء منعقد ہوا۔ ذیل میں پہلے ابتدائی تجاویز کی نقل پھر مجلس کی رُوداد پیش کی جاتی ہے اور آخر میں وہ قراردادیں مندرج ہیں جو کُل ہند اُردُو کانفرنس، ناگ پور میں مجلس اصلاحِ رسمِ خط نے منظور کیں۔

ناظرینِ رسالہ اُردو سے درخواست ہی کہ وہ اس تمام کارروائی کو بہ غور مطالعہ فرمائیں اور مناسب ہو تو اپنی رائے اور مشورے سے استفادے کا موقع دیں۔ یہ مسئلہ زبانِ اُردو کی ترویج و اشاعت کے حق میں بڑی اہمیت رکھتا ہی۔ انجمنِ ترقیِ اُردو چاہتی ہی کہ منظور شدہ اصلاحات کو اپنی مطبوعات میں اختیار کرلے اور مُلک میں عام طور پر انھیں رواج دینے کی کوشش کرے۔

۱— ابتدائی تجاویز

رسمِ خط کے متعلّق چند تجاویز

(۱)

۱— ہماری تحریر میں بعض حرُوف منفصل اور بعض مُتّصل ہیں۔ لہٰذا تحریر یکساں قاعدے کے تحت میں نہیں ہوتی۔ حرفِ منفصل کے بیچ میں آجانے سے لفظ ٹوٹ جاتا ہی اور بعض صورتوں میں :۔

(۱) ایک رکن کے حرف اپنے اصلی جوڑے سے جُدا بلکہ دوُسرے رکن سے مل کر آتے ہیں، جیسے:۔ کریم، قرینہ، کھرچنا، کہ اِن تینوں میں وسطی رکن کا ایک حرف ایک طرف، اور دوُسرا، دوُسرے رکن کے ساتھ لکھا جاتا ہی۔

(۲) اس خلطِ مبحث کی سب سے بدتر صورت وہاں پیدا ہوتی ہی جب کہ حروفِ منفصل مخلوُط بھی ہوں یعنی

دھ، ڈھ، ڑھ اور الفاظ کے بیچ میں آئیں جیسے :۔ سدھنا، پڑھنا وغیرہ

جن میں دوچشمی ہ نہ صرف اپنے رکن بلکہ اصل حرف سے جُدا لکھی جاتی ہی۔

۲—— علاماتِ مصدر، مفعوُل و مستقبل وغیرہ مِلاکر لکھا جاتا ہی اور حرُوف مُتّصل ہوں تو مرکّب الفاظ بھی مِلاکر لکھ دیے جاتے ہیں جیسے :۔ جھینکنا، پٹیلنا، چھچلتا، سمجھیگا اور (ب) ستونتی، رہبر، بیصبر، ہمعصر وغیرہ۔

۳ —— ہم آواز حروفِ عربی عام ہندی تلفظ میں ادا نہیں ہوتے اور ان کے لکھنے میں اکثر غلطیاں ہوتی ہیں۔

(ب) عربی کے بعض مرکب الفاظ خصوصاً حروفِ شمسی کا الف لام لکھا جاتا ہے مگر تلفظ میں نہیں آتا اور معمولی خواندہ لوگ ان کے پڑھنے میں غلطی کرتے ہیں۔

(ج) 'ی' اور 'و' کی تین آوازیں آتی ہیں مگر ان کے اعراب ابھی مسلم نہیں ہوئے ہیں۔

(د) بعض اور مخلوط حروف بھی زبان میں آتے ہیں جن کی تحریر کے لیے کوئی عام قاعدہ نہیں بنا ہے۔

---

(۲)

صحتِ تحریر نیز ٹائپ بنانے کی سہولت کے لحاظ سے میری تجویز یہ ہے کہ اوّل تو

(ا) خواندگی کی ابتدائی کتابوں میں لفظ کے ہر رُکن کو علاحدہ لکھا جائے اور

(ب) دوسرے یہ ہے کہ حروفِ متصل کو بے قیدِ تعداد ملا کر نہ لکھا جائے بلکہ اس عمل کو چار حروف تک محدود کر دیا جائے یعنی کسی ایک لفظ میں چار سے زیادہ حروف ملا کر نہ لکھے جائیں (مگر مشدد اور غنہ یا مخلوط ہای آواز والے ایک حرف شمار ہوں گے)

اس تجویز کے مطابق ابتدائی کتابوں میں مثلاً لفظ 'مصیبت' کی املا 'مُ صی بت' اور عام تحریر میں 'مُصی بت' ہوگی۔

(۲) دوسرا ایک ضروری قاعدہ یہ بنانا چاہیے کہ کسی رُکن کا ایک حرف لفظ کے ایک جز میں اور دوسرا جُداگانہ دوسرے جز میں ملا کر نہ لکھا جائے جیسے :- آجکل، گھرکنا، قرینہ وغیرہ الفاظ میں ملا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بالکل بے اصولی کی بات ہے اور مُبتدی اور کم علم لوگوں کو اُردو عبارت کے صحیح پڑھنے میں اس سے بڑی دُشواری پیش آتی ہے۔ میں تو یہاں تک سفارش کرتا کہ ایک رُکن کے حروف کو دوسرے رُکن کے ساتھ بالکل نہ ملایا جائے لیکن چوں کہ ہم کسی بڑے تغیر سے بھی بچنا چاہتے ہیں لہٰذا اس تجویز پر قناعت

کی کہ ایک رُکن کے حرفوں کو دو مختلف رُکنوں کے ساتھ الگ الگ نہ مِلایا جائے، صرف ایک اور رُکن کے ساتھ ملاکر لکھنا جائز رکھا جائے یعنی گھُرکنا اور قرینہ کو موجودہ اِملا کی بجائے اس طرح لکھا جائے :- 'گھُرک نا'، 'قری نہ'

(ب) جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مخلوط حروف ہائی دھ، ڈھ، ڑھ کے لکھنے میں اور بھی قباحت یہ پیش آتی ہے کہ خود حرف کا ایک جُز (یعنی دوچشمی ہ) اپنے اصل سے جُدا لکھا جاتا ہے۔ لیکن دوچشمی ہ سے مخلوط حروف بنانے کا طریقہ اب اتنا عام ہوگیا ہے کہ اسے ترک کرنا دشوار ہوگا۔ البتہ میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ ہم اِن تین مخلوط حروف کے لکھنے میں تھوڑی سی تبدیلی کردیں اور ان حروف میں بھی دوچشمی ہ کو اصل حرف سے مِلاکر اِس طرح تحریر کیا جائے :-

ڑھ ، دھ، ڈھ

خوش نویسی میں یہ صورت نئی نہیں ہے۔ دوسرے جب ہم نے مان لیا ہے کہ یہ جُداگانہ مخلوط آواز کے حرف ہیں تو ان کی تحریر میں عربی فارسی قواعد کی پابندی لازمی نہیں سمجھنی چاہیے۔ ہم نے اپنی ضرورت سے ب، پ سے بھ، پھ کی شکلیں ایجاد کرلی ہیں تو منفصل حروف مخلوط کی شکلوں میں بھی حسبِ ضرورت تصرف کرسکتے ہیں۔

۴ــــ علاماتِ مصدر وغیرہ ہر قسم کے لاحقے اور سابقے جو اصل مادے میں یعنی عموماً صیغۂ امر پر اضافہ کیے جاتے ہیں ان کو مِلاکر نہ لکھا جائے بلکہ جُدا تحریر کیا جائے جیسے :- لکھ نا، سنبھل نا، بیٹھ کر وغیرہ۔

(ب) مرکب الفاظ کے اجزاے ترکیبی کو لازماً علاحدہ علاحدہ لکھا جائے جیسے :-

بل ونت، کن کٹا، بے دِل وغیرہ

ضروری تاکید جب کہ ہم بعض صورتوں میں متصل حروف کو بھی الگ الگ لکھنے کی سفارش کررہے ہیں، الفاظ کو جگہ چھوڑ چھوڑ کر لکھنا پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہوجائے گا۔ اس وقت بھی جو لوگ لفظوں کے درمیان کافی فصل نہیں چھوڑتے وہ

غلطی کرتے ہیں۔ کیوں کہ ہمارے یہاں لفظ کے ختم ہونے کی کوئی علامت مروج نہیں ہی اور نہ اسے ایزاد کرنے کی اب سفارش کی جاتی ہی۔ لیکن قلمی تحریر میں ہر لفظ کو دوسرے سے الگ کرکے لکھنا چاہیے اور پتھر کے چھاپے میں پنجاب کی درسیات یعنی چار خانے کا مسطر اور الفاظ کے درمیان لازماً ایک خانہ چھوڑنے کا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ٹائپ میں ہر لفظ کو فصل دے کر لکھنا نسبتہً سہل ہی اور اس پر عموماً عمل بھی کیا جاتا ہی۔

۵ — ہم آواز عربی حروف کی پانچ قسمیں ہیں:-

ا - ع
ت - ط
ث - س - ص
ح - ہ
ز - ذ - ض - ظ

ہندی لوگوں کا ان آوازوں کو الگ الگ ادا کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ خصوصاً تیسری قسم کی تین اور آخری قسم کی چار آوازوں کا علاحدہ تلفظ کوئی نہیں کرتا اور ان کی اِملا میں بھی غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہی کہ ان حروف کے بکثرت الفاظ ہماری زبان میں رائج ہوچکے ہیں اور ان میں کوئی انقلابی اصلاح کی جائے تو ہمارے طلبہ کو پچھلی کتابوں سے استفادہ کرنا مشکل ہوجائے گا اور عربی فارسی تحریر سے دوری بھی اہلِ اُردو خصوصاً مسلمانوں میں مقبول نہ ہوگی۔ اِن تمام مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھ کر میری تجویز یہ ہی کہ اُردو میں اِن پانچ قسموں کے صرف دو دو حرف سے کام لینا جائز قرار دِیا جائے اور حروف ص، ز، ض کو قاعدۂ ابتدائی کے آخر میں بچوں کو پڑھادِیا جائے کہ وہ ان کی شکلوں سے ناآشنا نہ رہیں۔

(ب) اُردو کی اِملا میں ص، ض اور ز کو ترک کرکے ص کی بجائے س اور ز اور ض کی بجائے ذ اور ظ سے کام لیں، ان کو موردِ اعتراض نہ بنایا جائے۔

ف۱ ہم نے ز کو ترک کرنا اس لیے جائز قرار دیا ہو کہ اس شکل کے اُردو میں چار حرف موجود ہیں اور ض کا صحیح تلفظ تو اُردو داں کیا عربی داں حضرات میں بھی محلِ مناقشہ بنا ہوا ہو۔ پھر، اگر ہم ض کو چھوڑیں تو اس کی بہن ص کی بجائے بھی س سے کام لے سکتے ہیں۔

ف۲ اگرچہ صحیح مخرج کے اعتبار سے ز کی بجائے ظ اور ض کی بجائے ذ کا استعمال بہتر ہوتا لیکن صورت کی مناسبت سے لوگ غالباً ز کو ذ اور ض کو ظ سے بدلنا پسند کریں گے۔

ف۳ واضح رہے کہ ہم اس تبدیلی کو صرف جائز قرار دینے کی سفارش کرتے ہیں۔ لازم کردینے پر مصر نہیں ہیں۔

۶ـــ عربی حروفِ شمسی و قمری کا اُردو میں فرق اُٹھادیا جائے اور مرکب الفاظ میں جب پہلے لفظ کے آخر فتحہ ہو تو الف لام کو ساکت نہ کیا جائے بلکہ جس طرح وہ قمری حرُوف سے مل کر ادا ہوتا ہو، اسی طرح جملہ حروف سے مل کر ملفوظ ہو۔ یعنی جس طرح اہل القمر میں بولا جاتا ہو اسی طرح اہل الشمس، اہل الدین وغیرہ شمسی حروف سے ملاکر بھی بولا جائے۔ یعنی (قاعدۂ عربی کے مطابق) ا،ل کو چھوڑکر ملنے والے حرف کو مشدد نہ کیا جائے۔

اکثر مستشرقینِ یورپ اسی قاعدے پر عمل کرتے ہیں تاکہ جو حروف تحریر میں آئیں وہ زبان سے بھی ادا ہوں۔

(ب) جب پہلے ترکیبی لفظ کے آخر میں فتحہ یا کسرہ ہو اور اسے دوسرے جزُ کے لام سے ملاکر پڑھا جائے اور الف ساکت ہو جیسے :- ابن اللہ، بالفعل، بالکل، وغیرہ میں تو الف پر گول جزم بنادیا جائے اور ایسے جزم کو ہر جگہ حرف کے غیر ملفوظ ہونے کی علامت قرار دیا جائے۔

واضح رہے کہ عربی تحریر میں حرف پر اعراب نہ ہونا اس کے ساکت ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہو لیکن اُردو میں بلا اعراب کا حرف مفتوح قرار دیا گیا ہو لہٰذا ہمیں ساکت حرف کے لیے الگ علامت بنانی چاہیے جیسا کہ اوپر تجویز کی گئی۔

۷ـــ و اور ی کی تین آوازوں کو ادا کرنے کی انجمن ترقیٔ اُردو نے علامتیں تجویز کی ہیں۔ لیکن

میرے خیال میں ماقبلِ مفتوح اور معروف لکھنے کے جو قاعدے عربی اور فارسی اور اردو میں اب تک رائج رہے ان کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ہمیں مجہول آواز کے لیے جو ہندی لب و لہجے کی خصوصیت ہے، جداگانہ علامت بنا لینی چاہیے۔ اس کے لیے ہم الٹا جزم مقرر کر سکتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوگا کہ یہاں یہ حرف اپنی پوری آواز نہیں دیتا۔ جیسے :۔ ہو، لو، کو۔ اور لے، دے وغیرہ میں۔ غالباً اس علامت کا مطلب ناواقف لوگ بھی آسانی سے سمجھ لیں گے

(ب) و اور ی مجہول کی یکساں علامت قرار دینے کے بعد ہم د کی طرح ی کی بھی صرف ایک شکل سے ہر جگہ کام لے سکیں گے۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق کرنے اور بچوں کو الگ الگ پڑھانے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۸ — ا اور و کی مخلوط آواز جو فارسی اور انگریزی الفاظ میں اکثر آتی ہے۔ جیسے :۔ خواہر، Hall - Ball - Lord وغیرہ میں۔

(ب) ہندی الفاظ میں یائے مخلوط کی آواز جیسے :۔ کیا، پیار وغیرہ میں۔

(ج) ہندی یا غیر زبانوں میں دو حرفوں کی مخلوط آواز جیسے :۔ تسانگ، کرشن وغیرہ میں۔

اِن سب صورتوں کے واسطے میرے خیال میں مخلوط حروف کے نیچے خط کھینچ دینے کا طریقہ عام طور پر مسلّم اور مروّج کر لیا جائے، یا اور کوئی امتیازی علامت مقرر کی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے رسم الخط کا امتیازی وصف حروف کو ملا کر لکھنا ہے اور اس میں وقت اور جگہ دونوں کی کفایت ہوتی ہے لیکن اوّل تو حروفِ منفصل کی موجودگی سے یہ خصوصیت جملہ الفاظ میں قائم نہیں رہتی۔ دوسرے بڑے بڑے لفظ اور علمی اصطلاحات یا غیر زبانوں کے اعلام و اسما کا صحتِ اعراب کے ساتھ لکھنا پڑھنا دقت سے خالی نہیں ہوتا۔ اب جب کہ ہماری زبان کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور وہ محض بول چال اور شعر شاعری ہی کی نہیں، بلکہ درسی اور علمی زبان بن گئی ہے، ہمیں صحتِ تحریر اور پڑھنے پڑھانے کی سہولت نیز ٹائپ بنانے کی آسانیاں

دیکھ کر اتصالِ حروف کے رواج کو محدود اور خاص خاص اصول کا پابند بنانا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ جو اصلاحی تجویزیں اس وقت پیش کی گئی ہیں ان میں یہ مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہی کہ موجودہ رسمُ الخط میں کوئی انقلابی یا اساسی تغیر نہ کیا جائے جسے قبول کرنا لوگوں کو دشوار ہو یا جس سے ہماری طرزِ تحریر بالکل بدل جائے“۔

۲۔ رؤداد مجلس منعقدہ ۲۲ر مارچ سنہ ۴۳ء

کمیٹی اصلاحِ رسمِ خط

(مرتبہ جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی)

[اس رؤداد کی اشاعت کا مقصد یہ ہی کہ دؤسرے حضرات بھی زیرِ بحث مسائل پر غور فرمائیں اور اگر چاہیں تو اپنی رائے یا کسی تجویز سے اطلاع دیں تاکہ انجمن کو آخری فیصلہ کرتے وقت زیادہ سے زیادہ آرا سے استفادے کا موقع ملے۔]
(سکرٹری انجمنِ ترقّیٔ اُردؤ)

اُردؤ رسمِ خط کی متعلق چند تجویزوں پر غور کرنی کی لیی انجمنِ ترقّیٔ اُردؤ (ہند) کی دفتر واقع دریا گنج، دہلی، میں کمیٹی کا اجلاس ۲۲ر مارچ ۱۹۴۳ء کو ۱۱ بجے صبح منعقد ہؤا جو اُسی دن تیسرے پہر برخاست ہؤا۔

حسبِ ذیل صاحبوں نی شرکت کی:۔

۱۔ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی۔
۲۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفیؔ دہلوی۔
۳۔ مولوی وہاج الدین صاحب کنتوری۔
۴۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔

۵۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق (دہلی)

حسبِ ذیل تجویزیں منظور کی گئیں:۔

۱۔ سفارش کی جاتی ہے کہ اُردو کی کتابت اور خاص کر چھپائی میں اِن امور کی پابندی کی جائے۔

(ا) دو لفظوں کے درمیان واضح فاصلہ رکھا جائے اور یہ فاصلہ یکساں ہو نیز یہ فاصلہ اس اصل سے زیادہ ہو جو ایک ہی لفظ کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں رکھا جائے۔

(ب) ایک لفظ کے اوپر دوسرا لفظ یا ایک حرف کے اوپر دوسرا حرف کسی حالت میں نہ لکھا جائے؛ یعنی "سرفراز" لکھا جائے نہ کہ "سرفراز"، "درد" لکھا جائے؛ نہ کہ "درد"، "گھبراہٹ" نہ کہ "گھبراہٹ"۔

(ج) مرکب لفظ، جو دو یا زیادہ لفظوں سے بنے ہوں، آپس میں ملاکر نہ لکھے جاویں، بل کہ ہمیشہ الگ الگ لکھے جاویں؛ البتہ ان کے درمیان میں فاصلہ صِرف اُتنا ہو جتنا ایک ہی لفظ کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں، جیساکہ اِن مثالوں سے واضح ہوگا:۔ جیسے گج کل۔ بن مانس۔ پن ڈبی۔ کل جگ۔ کل مُنہا۔ کل دار۔ شاہ نامہ۔ شاہ جہان آباد۔ شاہ جہاں پور۔ جے پور۔ اُدے پور۔ فرخ نگر۔ ناگ پور۔ کان پور۔ دل لگی۔ گل کاری۔ چھل کاری۔

(د) بعض مفرد لفظ دو طرح لکھے جاتے ہیں: بی بی اور بیبی، ڈل ڈل اور دلدل ان کی منفصل لکھاوٹ اختیار کی جائے اس طرح:۔

کھل بلی۔ جھٹ پٹا۔ جھن جھنا۔ گن گنا۔ چل چل۔ گل گلا۔ رس گلا۔ لس لسا۔ کھٹ کھٹانا۔ کھٹ کھٹاہٹ۔ کھن کھنانا۔ کھن کھناہٹ۔ دانتا کل کل۔ جھن جھٹ۔

(ہ) ہمزہ جب کسی منفصل حرف کے بعد آئے تو بالکل جُدا لکھا جائے، اس طرح پر کہ اس کے لیے کوئی شوشہ نہ ہو اور نہ ہمزہ کسی حرف کے اوپر لکھا جائے، بل کہ یوں ہو:۔

آئی آئے آئیں بھائی نائی ملائی بھلائی بُرائی روئی اوئی سوئی سوئیاں دھوئیں دوئیں ڈوئیاں آئی جائی سُنائی کھائی ترش روئی بدخوئی عیب جوئی یوسف زئی زائل قائل

طاہر ماٹل گماٹل ساٹل ناٹر قاٹدہ قاٹم داٹم داٹر ساٹر لاطاٹل ضاٹع شاٹع جراٹم وظاٹف تاٹید ساٹلیں رٹیس عزراٹیل میکاٹیل [خود عربی میں اِن لفظوں کی لکھاوٹ کو دیکھیو :۔ براءۃ قراءۃ سموٹل]

(و) فارسی لفظ بہ، نہ، چہ، کہ، بی وغیرہ جو خود فارسی میں بھی کبھی دوسرے لفظ سے مِلاکر اور کبھی الگ لکھے جاتے ہیں، اُردو عبارت میں الگ لکھے جاویں، جیسے

بہ خوبی، بہ ہر حال، بہ کمالِ شفقت، بہ دولت، نہ خورد، نہ گفت، چہ کنم، چہ می گوٹی، چہ می گوٹیاں، حال آں کہ، بل کہ، چوں کہ، چناں چہ، غرض کہ، تاوقتے کہ، بہ شرطے کہ، بی شک، بی تحاشا، بی محابا، وغیرہ۔

لمبی ے کو جو خاص کر ٹاٹپ میں دِقّتیں پیدا کرتی ہے اور اکثر بہت بدنُما ہوتی ہے، قطعاً ترک کردینا چاہیے۔ اس کی جگہ آدھے داٹرے والی ے سے کام لیا جاوے اور جب ے سے پہلے مفتوح حرف ہو، تو بھی ے آدھے داٹرے کی ہو مگر اِس پر جزم ضرور ہو، جیسے جےْ شےْ مےْ نےْ ہےْ۔

دھ ڈھ رھ ڑھ لکھنے میں دو دو حرف ہیں۔ حال آں کہ ایک ہی ایک آواز کو ادا کرتے ہیں۔ ان کو مِلاکر لکھنا چاہیے اور مُنفصِل حرف قرار دینا چاہیے، یعنی کسی حال میں اگلے حرف سے نہ مِلیں۔ اس طرح ان کی شکلیں یہ قرار پاتی ہیں :۔

ڈھ (یا دھ)، ڈھ (یا ڈھ)، ڑھ (یا ڑھ)

مثالیں :۔ دھن (بہ جاے دُھن) ادھورا (بہ جاے ادھورا) اسی طرح دھان، دھرتی، دھرم، دھوبی، ڈھولی، ڈھانپ، کاڑھنا، کڑھاوی، ڈیڑھ وغیرہ۔

نون غُنّہ ہمیشہ مُنفصِل لکھا جاوے اور شکل اس کی یہ ہو : ں۔

مثالیں : ہاں سں، یہاں سں، ہمں سں، کھوں سں، ہں سں، وہ یہ سُن کر ہنس سے گا، سں گماڑی کہاں رُکتی ہیں ؟

۵۔ عربی لفظوں کی کتابت کے متعلق سفارش کی جاتی ہے کہ

(ا) اِن ، عَن ، مِن ، فی (جو خود عربی میں الگ لکھی جاتی ہیں) اُردو میں بھی دوسرے لفظ سے ملاکر نہ لکھی جائیں ، بل کہ یوں لکھنا چاہیے : اِن شاء اللہ ، عن قریب ، من جانب ، فی صد ، فی کس وغیرہ [1]

البتہ جب ایسے کسی لفظ کے بعد عربی کی ضمیر آئے تو وہ ملاکر لکھی جائے جیسے عنہم ، عنہُ ، مِنہٗ ، منہُم ، فیہا ۔

(ب) عربی کے حرفِ تعریف (ال) کی کتابت کے متعلق طے ہوا کہ :

(۱) ال کے بعد کا لفظ اگر قمری حرف (یعنی ا ، ب ، ج ، ح ، خ ، ع ، غ ، ف ، ق ، ک ، م ، و ، ہ ، ی میں سے کسی حرف) سے شروع ہوتا ہو ، اور ال سے پہلے بھی کوئی لفظ آکر اُس سے مرکب ہوا ہو تو ال کی صرف الف پر گول جزم (بطور سکون کی علامت کے) ہو ؛ اس طرح : بالکل ، بالفعل عبدالجبار ، عبدالقادر

(۲) ال کے بعد کا لفظ اگر شمسی حرف (یعنی ت ، ث ، د ، ذ ، ر ، ز ، س ، ش ، ص ، ض ، ط ، ظ ، ل ، ن ، میں سے کسی حرف) سے شروع ہوتا ہو تو ال کی ل پر سکون کی علامت ہو (الف پر ضرورت نہیں) ؛ لیکن اگر ال سے پہلے کوئی عربی لفظ آکر اس سے مرکب ہوا ہو ، تو الف اور ل دونوں پر (اسی طرح سے : اْلْ) سکون کی علامت ہو ، جیسے "اَلسّلام علیکم" ، مگر "علیکم اْلسّلام" ۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ الف پر سکون کی علامت ہو ، ل خالی رہے مگر شمسی حرف پر تشدید ضرور لگادی جائے ۔ اس صورت میں سیکھنے والے کو یہ بتایا جائے کہ اگر ل کے بعد والے حرف پر تشدید ہو تو ل تلفظ میں نہ آئے گا ۔

(ج) وہ عربی لفظ (یا نام) جو خود عربی میں دو طرح لکھے جاتے ہیں اُن کی اُس لکھاوٹ کو اختیار کرنا چاہیے جو اُردو لکھاوٹ کے مطابق یا اُس سے قریب ہے اور ان کی تفصیل یہ ہے :-

---

[1] فارسی والوں نے انھیں ملاکر لکھنے پر اصرار کیا مگر یہ سراسر بےجا اور غلط ہے ۔

(۱) ابرٰهیم ابراهیم سُلیمٰن سُلیمان لُقمٰن لقمان شیطٰن شیطان		اُردو میں صرف دُوسری طرح لکھی جاتی ہیں یعنی ابراہیم، سلیمان، لقمان، شیطان اور اسی طرح لکھنا چاہیے۔
(۲) اسمٰعیل اسماعیل رحمٰن رحمان		اُردو میں بھی دونوں طرح؛ مگر ان کو بھی صرف دُوسری طرح (اسماعیل، رحمان) لکھنا چاہیے۔
(۳) حیٰوۃ حیاۃ نجٰوۃ نجاۃ رِبٰو رِبا منٰوۃ مناۃ		اُردو میں حیات، نجات، ربا، منات لکھتے ہیں اور اسی طرح لکھنا چاہیے۔
(۴) زکٰوۃ زکاۃ صلٰوۃ صلاۃ مشکٰوۃ مشکاۃ		اُردو میں زکات، صلات، مشکات لکھنا چاہیے۔

فائدہ۔ عربی میں ان لفظوں کی پہلی لکھاوٹ بہت پُرانی ہے اور جب قرآن کا متن پہلے پہل لکھا گیا تو یہ لکھاوٹ اختیار کی گئی۔ اس کے بعد اس کو بدلنا پسند نہیں کیا گیا اور اب تک ہر حرف اُسی پُرانی صورت اور ہیئت میں موجود ہے۔ مگر جب عربی میں کتابت کے اصول مقرر کیے گئے تو یہ لفظ پُورے الف سے لکھے گئے اور ماسوا قرآن کے عربی کتابوں میں اکثر و بیشتر پورے الف والی لکھاوٹ پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ بڑی مستند کتابوں میں جب قرآن کی آیتیں نقل ہوئی ہیں اور ان میں ایسے لفظ آگئے ہیں تو بھی پُورے الف سے لکھے گئے ہیں۔

(د) عربی کی ۃ کو اُردو میں ہمیشہ ت لکھنا چاہیے۔

وہ عربی لفظ، جن میں الف مقصورہ لکھنا غلط ہے مگر لوگ نادانستہ ان میں بھی مقصور الف

بلکہ دیتے ہیں جیسے اِستیفٰی ، اِرتضٰی ، اِجتبٰی ، اِصطفٰی ، صحیح طریقے سے لکھے جائیں یعنی یوں اِستعفا ، اِرتضا ، اِجتبا ، اِصطفا۔

(۵) عربی میں جو لفظ الف مقصورہ سے لکھے جاتے ہیں اُردو میں وہ معمولی الف سے لکھے جائیں اور ان کی تفصیل یہ ہے :۔

اعلیٰ ، ادنیٰ ، اوّلیٰ ، علیٰ حالہ ، علیٰ حِدہ ، موّلیٰ ، موّلنٰا ، مُعلّیٰ ، مُصلّیٰ ، مُمنّیٰ ، مجلّیٰ ، مرتّیٰ ، مُعرّیٰ ، مدّعیٰ علیہ وغیرہ ۔ ان میں بہت سے لفظ اُردو (اور فارسی) میں معمولی الف سے لکھے جاتے ہیں ، جیسے مُربّا ، مُعرّا ، مُصلّا ، مُعمّا ، مُنقّا ، تقاضا ، تماشا ، تمنّا ، تبرّا ، تولّا ۔ کچھ لفظ دونوں طرح لکھے جاتے ہیں ، جیسے مولا (یا مولیٰ) مولانا (یا مولینا) ، مُعلّا ، مُدّعاعلیہ ۔ کچھ ایسے ہیں کہ ایک زمانے میں سیدھے الف سے لکھے جاتے تھے مگر لوگوں نے رجعت کی اور وہ پھر الف مقصورہ سے لکھے جانے لگے جیسے اعلا ، ادنا ، اولا[۱] ۔ «علیٰ حِدَہٖ» دو لفظ ہیں (اور عربی میں کبھی ملاکر نہیں لکھے جاتے) مگر اردو والے ان کو ملاکر لکھتے ہیں «علیحدہ» یا «علیدہ» بہتر ہے کہ «علاحدہ» لکھا جائے ان سب لفظوں کو یوں لکھنا چاہیے : ادنا ، اعلا ، اولا ، اولا ، مولا ، مولانا ، مدعاعلیہ ، مُتوفّا ، مستثنا ، صلِّ علا ، مجلّا ، مُعمّا ، مُربّا ، علاحدہ ۔ ناموں کو بھی یوں لکھ سکتے ہیں : عیسا موسا ، مصطفا ، مرتضا ، کبرا ، صُغرا ، کُبرا وغیرہ۔

۶۔ فارسی اور عربی کے سوا کسی غیر زبان کا لفظ اُردو میں لکھا جائے تو اس کے صوتی ٹکڑوں کو ، جہاں تک ہوسکے ، الگ الگ کرکے لکھنا چاہیے ؛ جیسے (انگریزی) :۔ اِن فارمل ، اِنس پک ٹر ، مس ٹر ، مم بر ، ڈاک ٹر ، ک لک ٹر ، اوورسی ءر ، سوپرواءزر ، اِنس ٹی ٹیوٹ ، کانگ رس ، کان فرنس ، یونی ورسٹی ، سوپراِن ٹن ڈنٹ ، ٹلی فون ، ری ڈیو ، اِس ڈ شن ، ڈی پارٹ منٹ ۔

کمیٹی کو اس امر کا پورا احساس ہے کہ کسی غیر زبان کے لفظوں کو ٹھیک ٹھیک تلفظ کے مطابق ادا کرنے کے لیے یہ تدبیر ناکافی ہے اور لغت اور لسانیات وغیرہ کی کتابوں کے لیے ہر زبان کی خصوصیتوں کو پیشِ نظر رکھ کر

[۱] خود عربی میں اس قسم کے لفظ بعض حالتوں میں معمولی الف سے لکھے جاتے ہیں جیسے اعلاھُم ، ادناہُ ، مولاہُ وغیرہ۔

زیادہ تفصیلی تجویزیں عمل میں لانی کی ضرورت ہی۔ اس لیو تجویز کی گئی کہ یہ مسئلہ کسی آیندہ موقع تک ملتوی رکھا جاوی۔

۷۔ رسم خط کو زیادہ آسان بنانی کی غرض سی چند اور تحریکیں بھی پیش ہوئیں جن پر دیر تک بحث ہونی کی بعد طی ہوا کہ تعلیمی ضرورتوں خاص کر بالغوں کی تعلیم میں آسانی پیدا کرنی کی غرض سی ان امور کی سفارش کی جاوی :۔

(ا) مصدر یا کسی صیغی کی آخر میں جو نا (نی نی)، تا (تی تی) وغیرہ آتی ہیں وہ اصل (یا مادی) سی جدا کرکی لکھی جاویں، جیسی لنا، لتا، لتی، لتیں، دینا، دینی، دینی، لکھ نا، لکھ تی، لکھ تی، لکھ تیں، سمجھ نا، سمجھ تی، سمجھ تی، بیچ نا، بیچ دانا، دل دانا وغیرہ

(ب) ی کی بھی (مثل اور حروف علت۔ آ اور و کی) منفصل حروف میں شامل کی جاوی اور کتابت کی صورتیں، تلفظ کی مطابق، اس شکل سی ہوں :۔

مجہول	ماقبل مفتوح	معروف
ڈور	بڑن	بی ن
بھو ر	پڑ ر	پی ر
شو ر	صح و	شی ر
پڑ ٹ	پڑ ھ	پی ٹھ
کو لا	کڑ لاش	کی لا

(ج) خواندگی کی ابتدائی کتابوں میں لفظ کا ہر صوتی ٹکڑا (یا رکن) علاحدہ لکھا جاوی اور حروف متصل کسی حال میں چار سی زیادہ ملاکر نہ لکھی جاویں، مثلاً

بجای "مصیبت" کی "مُ صی بت" بجاوی "قرینہ" کی "ق ری نہ" بجاوی "گھر کنا" کی "گھُ رک نا"

کمیٹی کی نزدیک اس تجویز میں ایک ترمیم یہ کی جاسکتی ہی کہ لفظ کا پہلا حرف اگر ایک صوتی رکن ہو مگر متصل حرفوں میں سی ہو تو وہ اگلی ٹکڑی سی الگ نہ کیا جاوی نیز مشدد حرف دوبارہ نہ

لکھا جاوے یعنی بجاے "ق ری نہ" کے "قری نہ" اور بجاے "عززت" کے "عزّت" لکھا جاوے۔

اس امر کا آخری فیصلہ کہ ان دونوں میں سے کون سی صورت زیادہ مناسب ہوگی ان اصحاب کی راے پر چھوڑنا چاہیے جن کو تعلیم اور خصوصًا بالغوں کی تعلیم سے تعلق ہے۔

فائدہ - ان تینوں تجویزوں کے متعلق یہ بات بھی بحث میں آئی کہ شاید اس تجویز پر یہ اعتراض ہو کہ اگر ابتدائی تعلیم میں اس طرح کی سہولت بہم پہنچائی گئی تو جن لوگوں نے اس ڈھنگ سے پڑھنا سیکھا ہوگا وہ معمولی چھپی ہوئی کتابوں کو نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لیے کمیٹی یہ بتادینا چاہتی ہے کہ اس طریقے سے تعلیم کے صرف ابتدائی مرحلوں میں کام لیا جائے گا اور جب پڑھنے والے ترقی کرلیں گے تو انھیں حرفوں کے مروّج جوڑ توڑ بناکر ان کی مشق کرادی جائے گی اور یہ ہرگز دشوار نہ ہوگا۔

تجاویز اصلاحِ رسمِ خط

[منظور کردہ مجلسِ ذیلی کُل ہند اُردو کان فرنس، ناگ پور]

۱۴ر جنوری ۱۹۴۴ء کو حسبِ اعلان رسمِ خط کی ذیلی مجلس کا، ناگ پور کان فرنس کے شان دار پنڈال میں اجلاس ہوا۔ قریب قریب چالیس حضرات نے شرکت فرمائی۔ انجمن کی رسمِ خط کمیٹی کے میرِ مجلس ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی کوشش کے باوجود، ریل کے بروقت الہ آباد سے نہ چلنے کے باعث تشریف نہ لاسکے۔ عبدالرحمان صاحب صدّیقی ایم، ال، اے (کلکتہ) نے جلسے کی صدارت فرمائی۔

انجمن کی کمیٹی نے اس باب میں جو تجاویز اپنے ۲۲ر مارچ ۱۹۴۳ء کے اجلاس میں مرتب کی تھیں، وہ یکے بعد دیگرے پیش ہوئیں اور کافی غور و مباحثے کے بعد خفیف ترمیم و اضافے کے ساتھ منظور کی گئیں۔ یہ تجاویز ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۳ء کے اخبار "ہماری زبان" میں شائع ہوچکی

ہیں۔ مختصراً دوبارہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں :۔

۱۔ کتابت اور خاص کر چھاپے میں دو لفظوں کے درمیان واضح فصل چھوٹا جائے۔ ایک لفظ کے اوپر دوسرا لفظ نہ لکھا جائے۔ مرکب الفاظ کو بلاکر نہ لکھا جائے۔ جیسے :۔ آج کل۔ کل جگ۔ گل کاری وغیرہ۔ اسی طرح ایسے مفرد الفاظ بھی جو دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، آیندہ منفصل ہی لکھے جائیں۔ جیسے : بی بی۔ کھل بلی۔ جھٹ پٹا۔ جھن جھناہٹ۔ ہل چل وغیرہ۔ اور فارسی حروف بہ، نہ، چہ وغیرہ کو بھی بلاکر نہ لکھا جائے بلکہ علاحدہ تحریر کیا جائے۔ جیسے : بہ خوبی۔ بہ ہر حال۔ چناں چہ۔

۲۔ ہمزہ جب کسی منفصل حرف کے بعد آئے تو جداگانہ لکھا جائے اور اس کے لیے کوئی شوشہ نہ بنایا جائے۔ جیسے : آءی۔ ناءو۔ ساءل۔ گھاءل۔ وغیرہ۔

(ایک گروہ کی رائے میں جہاں آسانی سے ممکن ہو وہاں ہمزہ کی بجائے حرف الف ہی سے کام لیا جائے۔ جیسے : عزرا ایل۔ سا ایس وغیرہ)

۳۔ دھ۔ ڈھ۔ رھ۔ ڑھ، کو لکھنے میں ہائے مخلوط کو اصل حرف سے بلاکر لکھا جائے: یعنی دھ۔ ڑھ۔ اور اصل حرف کی مثل انھیں بھی حرفِ منفصل قرار دیا جائے اور دوچشمی ھ کو لفظ کے دوسرے ٹکڑوں سے ملانے کی بجائے حسبِ ذیل طریق پر لکھا جائے :۔

دھن (بجائے دھن) دھرتی (بجائے دھرتی) پڑھنا (بجائے پڑھنا)۔

[حرف ی اور نون غنہ کے متعلق کمیٹی کی پہلی تجاویز مسترد کردی گئیں اور قرار پایا کہ ان کی موجودہ کتابت جو انجمنِ ترقیِ اردو نے اختیار کی ہو، برقرار رکھی جائے]

۴۔ عربی کے حرف اِن، مِن وغیرہ علاحدہ لکھے جائیں، جیسے : اِن شاء اللہ، لیکن آگے عربی ضمیر آنے کی صورت میں ملاکر تحریر ہوں۔ جیسے : عنہم۔ منہم۔

۵۔ عربی حرفِ تعریف ال کا الف یا لام جہاں ساکت ہوں وہاں ان کے اوپر چھوٹا خط بنادیا جائے۔ جیسے : السّلام اور علیکم السّلام وغیرہ۔

۶۔ عربی ناموں اور عام الفاظ میں الفِ مقصور کی بجائے پورا الف لکھا جائے جیسے: ابراہیم۔ سلیمان۔ حیات۔ بیا اور اعلا۔ ادنا۔ مولانا وغیرہ۔

۷۔ غیر زبان کے الفاظ کو الگ الگ ٹکڑوں میں لکھا جائے۔ جیسے: اِنس پک ٹر۔ ڈاک ٹر۔ یونی ورسٹی۔ اِنس ٹی ٹیوٹ۔ ڈپارٹ منٹ۔ وغیرہ۔ لیکن حروفِ متصل جب شروع میں آئیں تو ایک رُکن ہونے کے باوجود اُنھیں جُدا نہ لکھا جائے۔ (جیسے مسٹر کا میم ہی)

۸۔ صرف ابتدائی تعلیم کی حد تک کمیٹی نے یہ تجویز بھی قبول کی کہ علاماتِ مصدر یا ماضی و حال، اصل مادّے سے جُدا لکھے جائیں، جیسے: لِکھ نا۔ لِکھ تے۔ سمجھ نا وغیرہ۔

(ب) دوسرے یہ کہ ان ابتدائی کتابوں میں ہر لفظ کے ایک ایک رُکن کو جُدا کر کے لکھا جائے۔ لیکن شروع میں حرفِ متصل ہو تو اسے مِلا کر ہی لکھا جائے گا۔ جیسے: مُصی بت، قری نہ۔ وغیرہ الفاظ ہیں۔

۹۔ ایک اہم تجویز یہ منظور ہوئی کہ اعرابی یٓ کو الفٓ اور واوٓ کی شل حرفِ منفصل قرار دیا جائے اور اس کی مجہول، معروف اور ماقبل مفتوح شکلوں کی کتابت وہی رہے جو انجمن نے اختیار کر رکھی ہی۔ جیسے:۔

بےرٓ (مشہور پھل) بی رٓ (بہ معنی بھائی) اور بَےرٓ (بہ معنی دشمنی)

۱۰۔ ایک اور اہم قرارداد یہ پیش کی گئی کہ اصل تجاویز (مرتبہ راقم الحروف) کی دفعہ ۵ کو ازسرِ نو رائے کے لیے اخبار ہماری زبان میں شائع کیا جائے کیوں کہ کمیٹی کی رائے میں اس قسم کی اِصلاح ضرور ہوتی جاتی ہی۔ یہ تجویز حسبِ ذیل ہی:۔

عربی کے ہم آواز حروف جن کی تین اور چار شکلیں آتی ہیں، ان کو اُردو تحریر میں گھٹا کر صرف دو شکلوں پر اکتفا کرنا جائز قرار دیا جائے۔ یعنی:

ث۔ س۔ ص میں سے ص کو، اور ز۔ ذ۔ ض۔ ظ میں سے ضٓ اور زٓ کو حذف کر دیا جائے یا جو لوگ ان کی بجائے سٓ اور ذ، ظ

سے کام لیں ان پر حرف گیری نہ کی جائے ۔ ایسے حروف کی باقی تین قسمیں یعنی (ا ۔ ع ، ت ۔ ط اور ح ۔ ہ ، بہ دستور رہیں گی ۔

اس آخری تجویز کی نسبت ہماری استدعا ہے کہ ناظرینِ اخبار اور دیگر اہل الرائے حضرات ہمیں اپنی رائے سے مستفید فرمائیں ۔

سیّد ہاشمی فریدآبادی

مقالاتِ صدیقی

پہلا حصہ

عبدالستار صدیقی

مرتب

مسلم صدیقی

اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

Quarterly
URDU ADAB
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue
New Delhi - 110002

Price: 150/
RNI No. 13640/57
ISSN: 0042-1057
Vol. 67-68
Issue: 267, 68, 69
Date of Publication
November 30, 202

July 2023 - March 2024

Printed and published by **Abdul Bari** on behalf of the Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212,Rouse Avenue, New Delhi-110002, and
printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006
Editor: **Dr Ather Farouqui,** E-mail: farouqui@yahoo.com
E-mail:urduadabquarterly@gmail.com, Ph: 0091-11-23237722
Website: www.atuh.org